سفیرِ نعت

کتابی سلسلہ

ازل میں جب ہوئیں
تقسیم نعمتیں
کلامِ نعتیہ
رکھا مری
زباں کے لیے

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

مرتب: آفتاب کریمی

دو اہم اور یادگار نعتیہ انتخاب

نعت دستاویز (زیرِ ترتیب)

پاکستان میں نعت گوئی کے پچاس برسوں کا آئینہ خانہ

[illegible]

ڈاکٹر سیّد محمد ابو [illegible] حفیظ تائب

ڈاکٹر عاصی کرنا [illegible] قبال جاوید

عزیز احسن [illegible] انی

نورِ بیکراں (زیرِ ترتیب)

اردو کی نئی بستیوں میں آباد نعت نگاروں کی نعتیہ شاعری کا انتخاب

مرتبین:

صبیح رحمانی (کراچی)، سیّد افتخار حیدر (ٹورانٹو)، ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد (نیو یارک)،

ڈاکٹر تقی عابدی (ٹورانٹو)، اطہر عباسی (جدہ)

رابطہ: اقلیمِ نعت

E-201, Saima Avenue, Sector 14-B, Shadman Town No.2,
North Karachi, Pakistan. Ph: 92-21-6901212 Fax: 2571688
e-mail: iqleemnaat@cyber.net.pk
e-mail: sabeehrehmani@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابی سلسلہ

سفیرِ نعت

ستمبر ۲۰۰۳ء	محسن کاکوروی نمبر	چوتھی کتاب

مرتب

آفتاب کریمی

نگراں

صبیح رحمانی

معاونین

صاحبزادہ محمد سلیم فاروقی

محمد مقصود حسین قادری اویسی

انور حسین صدیقی

مقصود کریمی

رابطہ

آفتاب اکیڈمی

۳۲۴۔ پی آئی بی کالونی، کراچی۔ فون: ۴۹۳۳۰۷۲

e-mail:safeerenaat@hotmail.com

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

معیاری کتابیں

نمبر شمار	کتب	مصنف	قیمت	ضخامت
۱۔	موسم موسم (شعری کلیات)	ادا جعفری	۳۵۰ روپے	۷۶۸ صفحات
۲۔	آئس لینڈ (سفرنامہ)	جمیل الدین عالی	۳۰۰ روپے	۳۴۶ صفحات
۳۔	بیدار دل لوگ (خاکے)	شاہ محی الحق فاروقی	۲۰۰ روپے	۲۷۸ صفحات
۴۔	ورثہ اور دوسری کہانیاں (افسانے)	رضیہ فصیح احمد	۲۰۰ روپے	۲۷۶ صفحات
۵۔	آبلہ پا (ناول)	رضیہ فصیح احمد	۳۵۰ روپے	۳۳۶ صفحات
۶۔	چاک قفس (شاعری)	رضیہ فصیح احمد	۱۵۰ روپے	۲۲۴ صفحات
۷۔	دل کی بساط (افسانے)	ڈاکٹر شیر شاہ سید	۲۸۰ روپے	۲۴۶ صفحات
۸۔	عالمی ادب: ایک انتخاب (افسانے، شاعری)	شگفتہ افتخار	۱۵۰ روپے	۲۱۰ صفحات
۹۔	تنہائی کا ایک دن (افسانے)	شمیم منظر	۱۲۰ روپے	۱۴۸ صفحات
۱۰۔	چہرہ نما (ادبی خاکے)	شاہد حنائی	۱۵۰ روپے	۱۶۶ صفحات
۱۱۔	کیا کہوں تم سے (شعری مجموعہ)	میر ظفر حسن	۱۵۰ روپے	۱۵۲ صفحات
۱۲۔	دریا (شعری مجموعہ)	صابر وسیم	۱۵۰ روپے	۱۷۶ صفحات
۱۳۔	روشن چہرے (ادبی خاکے)	سحاب قزلباش	۱۵۰ روپے	۱۲۸ صفحات
۱۴۔	لفظوں کے پیرہن (شعری مجموعہ)	سحاب قزلباش	۱۵۰ روپے	۱۲۸ صفحات
۱۵۔	تنقید و ادب (تنقید)	ولی کاکوی	۴۰۰ روپے	۵۴۴ صفحات
۱۶۔	سرخاب کے پر (عالمی مزاح کے تراجم)	مترجم، ڈاکٹر رؤف پاریکھ	۱۰۰ روپے	۱۲۰ صفحات
۱۷۔	اقبال و آفتاب (شخصیت و فن)	بیگم رشیدہ آفتاب اقبال	۳۰۰ روپے	۳۸۴ صفحات
۱۸۔	ادب اور ادبی مکالمے (اہم ادیبوں کے انٹرویوز)	شفیع عقیل	۲۵۰ روپے	۳۰۴ صفحات
۱۹۔	اختلاف کے پہلو (تنقید)	جمال پانی پتی	۱۸۰ روپے	۲۰۴ صفحات
۲۰۔	آشوب سندھ اور اردو فکشن (تنقید)	سید مظہر جمیل	۳۰۰ روپے	۵۱۸ صفحات
۲۱۔	مشرق و مغرب کے افسانے (عالمی ادب کے تراجم)	مترجم: حمرا خلیق	۱۵۰ روپے	۲۱۲ صفحات
۲۲۔	عالی کلام (جمیل الدین عالی کی شاعری کا انتخاب)	جمال پانی پتی	۲۰۰ روپے	۲۲۴ صفحات
۲۳۔	کہر میں ڈوبی شام (شاعری)	فراست رضوی	۱۵۰ روپے	۱۸۴ صفحات
۲۴۔	آبشار (شاعری)	رضی مجتبیٰ	۲۵۰ روپے	۲۸۶ صفحات
۲۵۔	دل درد سے خالی ہے (کالم)	ڈاکٹر طاہر مسعود	۲۵۰ روپے	۲۷۲ صفحات
۲۶۔	پلوں کے نیچے بہتا پانی (افسانے)	مقصود الٰہی شیخ	۲۸۰ روپے	۳۱۵ صفحات
۲۷۔	رازداں (شاعری)	تزئین راز زیدی	۲۵۰ روپے	۳۳۲ صفحات
۲۸۔	خاکہ نگری (خاکے)	اشفاق احمد ورک	۲۰۰ روپے	۱۹۱ صفحات
۲۹۔	کلیات یگانہ (شاعری)	مرتب: مشفق خواجہ	۵۰۰ روپے	۹۶۰ صفحات

اکادمی بازیافت

۱۷۔۱۸، شاہ زیب ٹیرس (میزانائن فلور) کتاب مارکیٹ، رتن تلاؤ (نزد اردو بازار) کراچی۔ فون: ۷۷۵۱۳۲۴

فہرست

نعت ____ ۵
نعتیہ رباعیات ____ ۶
اپنی بات ____ ۷

مضامین

محسن کاکوروی کی نعت نگاری — ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ____ ۹
محسن کاکوروی — محمد حسن عسکری ____ ۳۶
مولوی سید محمد محسن کاکوروی — ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ____ ۴۶
محسن کاکوروی کی نعت گوئی — صلاح الدین احمد ____ ۶۲
محسن کاکوروی کا قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' — مولانا عبداللہ عباس ندوی ____ ۶۸
محسن کاکوروی — کالی داس گپتا رضا ____ ۷۶
محسن کاکوروی کی نعت گوئی — ڈاکٹر فرمان فتح پوری ____ ۸۸
محسن کاکوروی کی نعت گوئی — ڈاکٹر سید یحیٰ احمد ہاشمی ____ ۹۷
محسن کاکوروی منفرد نعت گو — ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ____ ۱۰۲

محسن کاکوروی کی مثنویاں	ڈاکٹر سید محمد عقیل	۱۳۳
حضرت محسن کاکوروی......نعت رسول کے آئینہ میں	معین الدین حسن کاکوروی	۱۳۷
محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ	محمد عبدالمقیت شاکر علیمی	۱۴۴
حضرت محسن کاکوروی کا نعتیہ کلام	حکیم عبدالقوی دریابادی	۱۵۳
محسن کی نعتیہ مثنویاں	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	۱۵۷
سید محمد محسن کاکوروی	ڈاکٹر ریاض مجید	۱۷۵
محسن کاکوروی نعتیہ شاعری میں ایک معتبر نام	پروفیسر خالد بزمی	۱۸۷
محسن کاکوروی کی "نظم دل افروز"	راجا رشید محمود	۱۹۴
نعتیہ شاعری میں ہندی اصطلاحات کے بانی	اقبال صدیقی	۲۰۶
محسن کاکوروی......شخصیت اور فن	اخلاق حسین عارف	۲۱۰
محسن کاکوروی کے قصائد میں نعتیہ رنگ	سردار اختر بانو	۲۱۹

نعت

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لیے
زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لیے

زمین بنائی گئی کس کی آستان کے لیے
کہ لامکاں بھی اُٹھا سرو قد مکاں کے لیے

ترے زمانے کے باعث زمیں کی رونق
ملا زمین کو رُتبہ ترے زماں کے لیے

کمال اپنا دیا تیرے بدر عارض کو
کلام اپنا اُتارا تری زباں کے لیے

چمک گئی ترے یاروں سے منزل توحید
یہ چار اِکے بنائے ہیں لامکاں کے لیے

تھی خوش نصیبی عرش بریں شب معراج
کہ اپنے سر پہ قدم شاہ مرسلاں کے لیے

سوائے آئینہ جلوہ شہ لولاک
نہ تھا محل کوئی تصویر کن فکاں کے لیے

کرے گا کیا تری توصیف کلک منشی چرخ
زباں چاہیے منہ چاہیے بیاں کے لیے

خدا کے سامنے محسنؔ پڑھوں گا وصف نبیؐ
سجے ہیں جھاڑ یہ باتوں کے لامکاں کے لیے

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

نعتیہ رُباعیات

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے
کہہ دو کہ ملک گوش بر آواز رہیں
مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے

☆☆☆

مجھ کو نہیں چاہیے کسی کا سایہ
انساں کا ملک کا یا پری کا سایہ
سایہ نہ تھا جس کے تن اطہر کے لیے
میرے سر پر رہے اسی کا سایہ

☆☆☆

بندہ کو نگاہ لطف مولا بس ہے
حضرت کا مرے لیے وسیلا بس ہے
میں مشت غبار ہوں سہارا مجھ کو
دامانِ رسولِ مصطفےٰ کا بس ہے

☆☆☆

جب مائل نعت طبع عالی ہو جائے
ظلمت میں نور کی تجلی ہو جائے
پروانہ ہو گر چراغ دہلی محسن
جگنو بھی شہاب سہروردی ہو جائے

☆☆☆

اپنی بات

اُردو کی شعری روایت میں نعتیہ شاعری ہمیشہ سے داخل رہی ہے لیکن صرف نعت کہہ کر کسی شاعر نے تاریخ ادب میں وہ جگہ نہیں پائی جو محسن کاکوروی کو ملی۔ محسن پہلے شاعر ہیں جو نعت کہہ کر تقدیس کلام اور توقیر فن، ہر دو اعتبارات سے امتیازی حیثیت کے حامل شاعر قرار پائے۔ محسن کو یہ امتیاز کیونکر حاصل ہوا؟

جب ان وجوہات پر غور کیا جاتا ہے تو ایک چیز بڑی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ محسن نے اپنی عقیدت کے اظہار کو سہل انگاری سے دوچار نہیں کیا بلکہ جذبے کی صداقت کے ساتھ ساتھ بساط بھر فن کی باریکیوں پر بھی محنت کی۔ اور اس طرح وہ نہ صرف موضوع سے انصاف کر سکے بلکہ شعری ہنر کے تقاضوں سے بھی کما حقہ عہدہ برآ ہوئے۔ محسن کا خلوص دونوں سطحوں پر اجاگر ہوا تو شہرت کے آفاق ان پر قیامت تک کے لیے کھل گئے۔

''سفیر نعت'' کا یہ شمارہ محسن کاکوروی کی شاعری کے تعارف کے لیے وقف ہے۔ اس شمارے میں نئے مضامین کم ہیں تاہم یہ محسن پر لکھے گئے مضامین کا ایک انتخاب ضرور ہے۔ یہ انتخاب اس لیے پیش کیا جارہا ہے کہ ہمارے عہد میں محسن کے کلام کی تفہیم ان کے فنی دروبست کی عدم تفہیم کے باعث مشکل ہو گئی ہے۔ دبستانِ لکھنؤ کی شعری خصوصیات سے شعر کو مرصع کرنے کی جتنی کاوشیں اس دبستان کے شعراء کی شعری دنیا میں نظر آتی ہیں تقریباً وہ سب کی سب خصوصیات محسن کی شاعری میں بار پا گئی ہیں اور پھر بھی کلام کا موضوعاتی تقدس برقرار رہا ہے۔ ہمارے خیال میں محسن سے قبل اور بعد کے کسی بھی شاعر نے عصری تقاضوں اور مدحت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدتی توسین کو اس طور مربوط کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کی۔

پیش نظر محسن نمبر میں کئی کتب اور رسائل سے مدد لی گئی ہے۔ ان مضامین سے متبادر ہوگا کہ محسن واحد نعت گو شاعر ہیں جن کی طرف تنقید نگاروں کی توجہ منعطف ہوئی۔ جبکہ نعتیہ شاعری کی تنقیدی سطح پر تفہیم کے در تو اب کہیں جا کر کھل سکے ہیں اور وہ بھی معروف نعت گو صبیح رحمانی کی چلائی ہوئی تحریک کے ذریعے۔ اس ضمن میں صبیح رحمانی کی ادارت میں نکلنے والے کتابی سلسلے ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والی تحریروں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔

محسنؔ کے فن کو سراہنے کے لیے جس روایت آگاہی کی ضرورت ہے وہ اب معدوم ہوتی جا رہی ہے اس لیے آج کا نقاد محسنؔ کی قدر کرنے کے باوجود محسنؔ کے فن پر بھرپور انداز سے گفتگو کرنے کا خود کو اہل نہیں پاتا ہے۔

ان مضامین کی تدوین اس لیے عمل میں لائی گئی ہے کہ محسن کاکوروی کے فن کی تحسین کے لیے آج کے ادب کے قارئین کو کچھ مواد یکجا مل سکے۔ ممکن ہے محسن پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے ہماری یہ کوشش کچھ کارآمد ثابت ہو؟ بہرحال ہم بلاتفاخر ایک عظیم فنکار کی، کائنات کے عظیم ترین انسان (ﷺ) کے حضور پیش کی جانے والی فنی کاوش اور اس کی تفہیم کے لیے لکھی جانے والی کچھ تحریروں کو آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ہم محسنؔ کے کلام کا ایک انتخاب اس نمبر میں پیش کرنا چاہتے تھے مگر صفحات کی کمی کے باعث ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ انشاء اللہ ہم اپنی آئندہ کسی اشاعت میں محسن کا ایک انتخاب شامل کر کے اس کمی کی تلافی کر دیں گے۔

آفتاب کریمی

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

محسنؔ کاکوروی کی نعت نگاری

محسنؔ کاکوروی کا کلام دبستان لکھنؤ کی پیداوار ہونے کے باوجود لکھنؤ کے عام رنگ سے جدا ہے ان کا موضوع نعت ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں ہے۔ موضوع کا احترام کلام کی بے کیفی و بے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے، نقاد کو نعت گو سے باز پرس کرنے میں تامل ہوتا ہے، دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کے لئے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے، شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑتا ہے اور نقاد جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار بھی ملے گی یا نہیں، اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہیے کہ وہ اور کامیابی کے ساتھ وہاں سے گزر جائے ان امور کو مدنظر رکھ کر جب ہم محسنؔ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نعت کی وسیع فضا میں انہوں نے خوب پرواز کی ہے اور بڑے مشکل مقامات بھی انہوں نے انتہائی خوبی و خوبصورتی کے ساتھ طے کیے ہیں۔ مضمون میں موضوع کے اعتبار سے جدت، اسلامی اور ہندی کا امتزاج، حدیث اور عقائد کی صحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذاق شاعرانہ کے ساتھ نکتہ آفرینی، خلوص و محبت کے اظہار میں تہذیب و متانت کا پاس ان کے کلام کی عام خوبیاں ہیں اس پر پورا کلام ہموار اور شگفتہ، مضمون بلند، زبان تسنیم و کوثر کی دھلی ہوئی، بندش چست مثنویوں میں قصیدوں کی سی شان و شوکت تشبیب و گریز کے کمالات ایسی خصوصیات ہیں جو شاید ہی معاصرانہ شاعری میں یکجا مل سکیں ان سب کے علاوہ ایک امتیاز جو تنہا محسنؔ کو شاعروں کی صف اول میں بٹھا سکتا ہے ان کی تشبیہات کا ہے ان کے کلام کا مجموعہ مختصر ہے لیکن اس میں انہوں نے تشبیہ و استعارہ کی وہ داد دی ہے جو توصیف و تعریف سے مستغنی ہے۔

محسنؔ کی نعت میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے یہ اس لئے کہ نعت گوئی اگرچہ ہمیشہ سے موجود تھی لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے محسنؔ سے پہلے اختیار نہیں کیا اور جن لوگوں نے عقیدت کی بناء پر صرف نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا انہوں نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا نہیں کیا، شعراء کے اردو فارسی کے جتنے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرے اور تاریخیں راقم السطور کی نظر سے گزریں ان میں ایسے شعراء کا حال دستیاب نہ ہوا جن کا مسلک شعری محض نعت گوئی رہا ہو اسی ایک بات کو ملحوظ رکھیں تو بھی محسنؔ کا درجہ اس سے کہیں بلند ہو جاتا ہے جواب تک انہیں دیا جاتا رہا ہے۔

محسنؔ سے پہلے عربی اور فارسی شاعری کے سرمایہ میں نعت گوئی مفقود نہیں ہے، البتہ مقدار و خوبی کے اعتبار

ے اسے ادب میں کوئی ممتاز درجہ حاصل نہیں ہے غزل گویوں نے بالعموم اپنے دواوین اور کلیات کی ابتداء حمد سے کی ہے اور حمد کے بعد عموماً نعت اور اکثر اوقات منقبت کو جگہ دی ہے لیکن یہ چیز کلیۃً رسمی تھی' چنانچہ ہندوستان کے ہندو شعراء جو فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کیا کرتے تھے ان کے کلام میں بھی حمد ونعت اور منقبت کے نمونے موجود ہیں۔ نعت گو شعراء کی دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو شاعر نہیں تھے اور نہ کبھی شاعرانہ کمال کے مدعی ہوئے ایسے شعراء بالعموم مسلمان تھے جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ الفت تھی' فارسی شعراء سے قطع نظر اردو میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود ہے' شہیدیؔ اور اکبرؔ کا نعتیہ کلام عام طور پر میلاد کی مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے اور لکھنے والوں کے جذبات موقع کی مناسبت سے تھوڑی دیر کے لئے سامعین کے قلوب میں اتر جاتے ہیں ان کے علاوہ اسی قبیل کے بعض اور نعت گو شاعر ہوئے ہیں جن کی طرف عام طور پر توجہ نہیں کی گئی ہے راقم الحروف کے وطن میں ولدار علی صاحب مذاقؔ ایک صوفی بزرگ گزرے ہیں آپ کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے اور ہر سال مجلس عرس کا انعقاد ہوتا ہے آپ کا مکمل دیوان موجود ہے عوام آپ کو مذاقؔ میاں کہتے ہیں اور آپ کا نعتیہ کلام بڑے ذوق وشوق سے سنتے اور سناتے ہیں' دلورام کوثرؔ کا نعتیہ کلام بھی مشہور ہے' ایک اور بزرگ کے کلام کا قدیم مطبوعہ نسخہ راقم السطور کو دستیاب ہوا ہے۔ ان کا نام مولوی محمد حسینؔ اور تخلص فقیرؔ تھا انکے کلام کا مجموعہ "تحفۂ فقیر" کے نام سے باہتمام منشی شادیؔ لال مطبع زیب کاشی میں چھپا تھا' سنہ طباعت وسنہ تصنیف 1275ھ بمطابق 1885ء ہے' یہ مختصر مجموعہ جو 24 صفحات پر پھیلا ہوا ہے غزلوں' مسدس اور تضمینوں پر مشتمل ہے اسی زمانہ میں ایک اور گمنام شاعر گذرے ہیں جن کا مجموعہ کلام نعت "رضوان نعت" کے نام سے راقم السطور نے اپنے اوائل عمر میں دیکھا تھا۔ ان کا نام حکیم سید فضل حق اور تخلص فضل تھا' یہ شنکر لال ساقیؔ کے شاگرد اور قصبہ امبیٹھ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے یہ مجموعہ 40 صفحات پر مشتمل ہے اور 1298ھ بمطابق 1880ء کے قریب کے زمانہ کی تصنیف ہے۔

محسنؔ سے پہلے نعت گوئی کو مستقل فن یا مسلک کی حیثیت سے کسی اور شاعر نے اختیار نہیں کیا اور نہ نعت گو شعراء کی طرف کسی نے توجہ کی اور محسنؔ نے جب ہوش سنبھالا اور شاعری شروع کی تو ادب کا تقلیدی دور تھا یہ ان کا کمال کہیے کہ وہ ان دشواریوں سے گزر کر نعت گوئی کی معراج کمال پر پہنچے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے شعر وشاعری میں محسنؔ لکھنؤ کے دبستان ادب سے تعلق رکھتے ہیں' لکھنوی شعراء نے بعض اصناف سخن میں ایسی ترقی کی کہ اسے بھی تخلیق کا رنگ دے دیا' انیسؔ سے پہلے مرثیہ گوئی کی وہ شہرت اور عظمت نہیں تھی جو انیسؔ ودبیرؔ کے کارناموں کی بدولت حاصل ہوئی۔ بلاشبہ ان دونوں کی شاعری میں بعض نوادر ملتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ انیسؔ ودبیرؔ سے پہلے کسی مرثیہ گو شاعر کو یہ پایہ نصیب نہیں ہوا تھا لیکن مرثیہ گوئی بحیثیت فن عرصہ سے رائج تھی' یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان لوگوں سے پہلے مرثیہ کا مقصد محض رونا یا رلانا تھا۔ سوداؔ نے اس کی تردید کی ہے اور بحیثیت فن اسے بہت مشکل بتایا ہے سوداؔ سے بہت پہلے دکن میں بھی اس کا رواج تھا میر انیسؔ کا کمالِ مرثیہ نگاری مسلم لیکن اس فن میں خود ان کے والد میر خلیقؔ بہت اونچے پایہ پر ہیں' بلکہ بعض اہل نظر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ بعض مرثیوں میں یہ دھوکا ہوتا ہے کہ کس کا کہا ہوا ہے۔

مرثیہ گوئی کی فنی ترقی دراصل ایران میں ہی شروع ہو گئی تھی' شاہان صفویہ میں شاہ طہماسپ کو آئمہ اور اہل بیت کرام سے بڑی الفت تھی اور اسی کے اشارہ پر درباری شعراء نے سلاطین کی مدح وثناء کو چھوڑ کر اہل بیت کرام کی تعریف اور مصائب کربلا کے بیان کو اپنا شیوہ قرار دیا اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شہرت محتشم کاشی کو حاصل ہوئی جس کا ہفت بند اپنی خوبیوں میں بے نظیر ہے' محتشم کی پیروی اور تقلید دوسرے شعراء نے کی اور مرثیہ کو مستقل فن کی حیثیت حاصل ہو گئی اور مرثیہ کے بہت سے اصناف پیدا ہو گئے۔

لکھنؤ کے دبستان کے ساتھ بعض خصوصی امتیازات وابستہ ہیں' ان میں سب سے اہم شاعری میں خارجی پہلو کا بیان ہے' متقدمین شعرائے دکن اور دلی کے ہاں شعر کی بنیاد بالعموم جذبات پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان اشعار میں حقیقی جذبات موجود ہیں' اسی نے میرؔ اور دردؔ کے کلام کو غیر فانی بنا دیا ہے۔ شام وسحر نے لاکھوں کروٹیں بدلیں اور بدلتے رہیں گے لیکن انسان کے جذبات عشق ومحبت' سوز اور درد' کسک اور تڑپ نہ کبھی بدلے ہیں اور بدل سکتے ہیں' ظاہر ہے کہ ایسے اشعار جن میں یہ مضامین نظم ہوں گے ہمیشہ زندہ رہیں گے' لیکن شاعری کو جذبات سے علیحدہ کر کے الفاظ کا کھلونا بنا لیا جائے جس سے شاعر دل بہلائیں اور صنعت گری کے نمونے پیش کریں تو ایسی شاعری کو ثبات نہیں' شاعر جذبات کے اظہار میں صنعت گری کو دخل دینے پر مجبور ضرور ہے لیکن نری صنعت کو شاعری قرار دینا روا نہیں اور نہ اس نوع کی شاعری کو ہمیشگی نصیب ہو سکتی ہے۔ لکھنؤ کی قدیم شاعری بالعموم صنعت گری کے سہارے قائم رہی اور یہی سبب ہے کہ وہاں کے شعراء کی دماغی کاوشوں کو لوگ اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے دبستان لکھنؤ کے پیرو اس کا دیکھا جانا پسند کرتے ہیں۔

برخلاف اس کے محسنؔ کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادوں پر استوار ہے خلوص اور محبت' شیفتگی اور عقیدت جو محسنؔ کی زندگی کے عناصر تھے انہی سے ان کی شاعری نے ترکیب پائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب بھی اس میں صوری ومعنوی دلکشی پائی جاتی ہے اس اعتبار سے لکھنوی شعراء میں محسنؔ اپنی آپ مثال ہیں۔

لکھنویت کا دوسرا اہم عنصر جس کی طرف بارہا اشارہ کیا جا چکا ہے نسائیت ہے اس کی بدولت بعض ایسی مستقل اصناف سخن پیدا ہوئیں۔ جو شاعری کے روشن چہرہ پر کسی طرح زیب نہیں دیتیں اس قسم کی باتیں نعت میں دخل نہیں پا سکتی تھیں لیکن تعجب یہ ہے کہ نعت خود کس طرح یہاں کی شعر وشاعری میں دخل پا سکی' وہ بھی ایسی نعت اور ایسا نعت گو جو ہر اعتبار سے ممتاز ومنفرد ہے۔

لکھنویت کا تیسرا اہم عنصر ابتذال ہے جو مذکورالصدر دونوں عناصر سے ترکیب پا کر ظہور میں آیا' یہ پہلو بعض اوقات اس درجہ نمایاں ہو گیا ہے کہ اسے بالعموم لکھنویت کا مترادف سمجھا جاتا ہے' یہ خامیاں بعض لکھنوی شعراء کے ہاں کم اور بعض کے ہاں نسبتاً زیادہ ہیں لیکن ایسی مثال شاذ ہی ملے گی جو اس سے محفوظ ہو اور یہ چیز مضمون اور بیان دونوں میں موجود ہے محسنؔ کا موضوع خاص نعت تھا جس کے مقدس ومہتم بالشان ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا' زبان ہمیشہ موضوع کی مناسبت سے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ محسنؔ کی زبان بھی دلکش اور پاکیزہ ہے۔

لکھنویت کا ایک اور اہم عنصر صنعت گری ہے جس کے شوق میں لکھنؤ والوں نے رعایت لفظی اور ضلع جگت

میں کمال پیدا کیا' لکھنؤ کے بعض اچھے اچھے شاعروں کو اسی شوق نے بدنام کر دیا' امانت جن کی قادرالکلامی میں کوئی شبہ نہیں اور انشاء جن کے کمالات مسلم ہیں اسی بھنور میں پھنس گئے بعض نے اعتدال کو ملحوظ رکھ کر کلام کو بے مزہ نہیں بنایا' اس ہجوم میں ایسوں کی موجودگی بسا غنیمت ہے۔

محسن کا کلام بھی شاعرانہ صناعی کا نادر نمونہ ہے' تشبیہات' استعارات اور کنائے مضمون اور معنی آفرینی ایک طور پر صنعت گری ہی کے لوازم ہیں اور اس اعتبار سے انہیں آورد اور تصنع سمجھنا چاہیے لیکن یہ محسن کا کمال شاعرانہ ہے کہ ان کی آورد بھی کلام میں زور لا کر آمد کا لطف پیدا کر دیتی ہے۔ تشبیہات' استعارات اور کنائے آسانی سے فہم کے قابو میں آ جاتے ہیں۔ مضمون آفرینی میں تخیل پرواز کر کے آسمانوں میں غائب نہیں ہو جاتا' صنعت گری کی نمائش اور بھرمار کا شوق پڑھنے والے کے لئے وبال جان نہیں بن جاتا اور مضمون سے علیحدہ ہو کر محض برائے صنعت کا عیب بھی نہیں ملتا' یہ چیز بھی محسن کو ان کے معاصرین میں ممتاز کرتی ہے۔ بایں ہمہ لکھنؤ نے اصلاح زبان کی جو کوشش کی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ لکھنوی شاعری ظاہری آرائش و زیبائش کے اعتبار سے عام طور پر متقدمین کی شاعری سے بہتر ہے' زبان کی صفائی بندش کی چستی' محاورہ اور طرز ادا کا زور لکھنؤ کے شعراء کے ہاں عام طور پر موجود ہے محسن بھی اس میں برابر کے شریک ہیں۔

اب تک ان امتیازات سے بحث تھی' جن میں لکھنؤ کے بیشتر اساتذہ شریک ہیں لیکن جیسا کہ مزکور ہوا محسن کی انفرادی شان اور ان کا اپنا خاص رنگ بھی ہر جگہ نمایاں ہے ان میں سب سے اہم خلوص و محبت ہے نعت گوئی ایک طرح کی قصیدہ گوئی ہے قصیدے کے باکمالوں نے اس صنف میں خوب داد کمال دی ہے۔ تخیل کی پرواز' الفاظ کی شان و شوکت' تشبیہات و استعارات کی بلندی تشبیب و گریز کی جدت سے ان باکمالوں نے قصیدے کو ایک دقیق فن بنا دیا تھا لیکن قصیدے کی بنیاد بیشتر صلہ دنیوی پر ہے۔ شاعروں کو قصیدہ لکھتے وقت بالعموم صلہ کا خیال رہتا تھا جس نے ان کے دل سے خلوص اور صداقت کو محو کر دیا۔ مدح کے مقررہ مضامین اس میں مبالغہ کی کثرت طرح طرح سے اظہار مطلب اور کوشش کر کے ممدوح کو صلہ عطا کرنے پر آمادہ کرنا ان شاعروں کا کام رہ گیا تھا ان میں اکثر ایسے بھی تھے جو صلہ نہ پا کر ہجو تیار رکھتے تھے اور جس کو فی البدیہہ سنا دینے میں ذرا تامل نہیں کرتے تھے اسی لئے ان قصیدوں میں اصلیت اور جوش کا فقدان ہے۔

محسن کا کلام اس حیثیت سے قابل قدر ہے کہ اس کی بنیاد خلوص و محبت پر رکھی گئی ہے محسن نے اپنی شاعری کو اپنی شہرت' عزت یا صلہ کا ذریعہ نہیں بنایا' اپنی تمناؤں کا اظہار خود کس خوبی سے چراغ کعبہ کے آخر میں کرتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

جس طرح ملا تو اپنے رب سے — انداز سے شوق سے ادب سے
یوں ہی ترے عاصیان مجبور — اک دن ہوں تری لقا سے مسرور
صدقے میں ترے یہ آرزو ہے — دم میں کریں راہ آخرت طے
ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید — جس طرح سے صبح صادق عید

گذرے مری نعت کے سخن میں — رکھی ہو یہ مثنوی کفن میں
پھولے پھلے گلشن تمنا — عقبیٰ مری پھل ہو پھول دنیا
یاں شوق و خلوص و التجا ہو — واں میں ہوں آپ ہوں خدا ہو

مدیح خیر المرسلین کے آخر میں مناجات کا عنوان ہے:-

محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر — کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل — میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی — نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے — صرف تیرا ہو بھروسہ تری قوت ترا بل
ہو مرا ریشہ امید وہ نخل سرسبز — جس کی ہر شاخ میں ہو پھول ہر اک پھول میں پھل
آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تادم مرگ — شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح — ہاتھ میں ہو لئے مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ — سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

ایک رباعی میں فرماتے ہیں:-

بندہ کو نگاہ لطف مولا بس ہے — حضرت کا مرے لئے وسیلہ بس ہے
میں مشت غبار ہوں سہارا مجھ کو — دامان رسول مصطفےٰ ﷺ کا بس ہے

یہ خلوص' نعت کے علاوہ ان کی غزلوں اور دیگر اصناف سخن میں بھی موجود ہے لیکن صرف خلوص و محبت اور اصلیت و صداقت نے محسن کا پایہ بلند نہیں کیا' اس موقع پر یہ امر بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ ہر موقع پر شاعرانہ انداز بیان کو بڑی خوبی سے نباہا ہے اور ان دونوں کے امتزاج نے ہی ان کے کلام کو پر کیف اور باا ثر بنا دیا ہے' یہ امتیاز ان کے ابتدائی عمر کے کلام میں بھی موجود ہے' پہلا قصیدہ گلدستہ رحمت ہے جو 1258ھ بمطابق 1842ء میں تصنیف ہوا اس وقت ان کی عمر صرف 16 سال کی تھی' اس کا مطلع ہے:-

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن — غنچہ ہے نام خدا نافہ آہوئے ختن

اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں:-

جملہ انبعہ اللہ نباتا حسنا — ان دنوں فصل بہاری میں ہے طغرائے چمن
رشک شمشاد اگا کرتے ہیں نخل قامت — سرو گلزار زمیں پر جو ہوا سایہ فگن
خط گلزار ہوا جس نے لکھا خط غبار — ہو گیا کاغذ مکتوب زمین گلشن

دوسرا مطلع ہے:-

ہاں میں مفتوں ہوں اسی رشک چمن کا کہ چمن — جس کی صورت سے سدا خار ندامت در تن
اس کو بیجا ہے گلستاں کا مشبہ کہنا — کہتے کیسے کہ وہ ہے لالہ رخ و نسریں تن

پورے قصیدہ میں وہ تمام خوبیاں جو اچھے قصیدہ گو شعراء کے کلام کا زیور ہیں جھلکتی ہوئی ملیں گی کمال شاعرانہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

محسنؔ کے نعتیہ کلام میں سب سے زیادہ شہرت ان کے مشہور قصیدہ مدیح خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی جو 1293ھ بمطابق 1876ء میں تصنیف ہوا اسی ایک قصیدہ کو سامنے رکھ کر محسنؔ کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو بھی ان کی شاعرانہ خوبیاں نمایاں ہو جاتی ہیں' قصیدہ نعت میں ہے لیکن اس کا مطلع ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

اس کے بعد تشبیب میں متھرا' گوکل' کنھیا اور گوپیوں کا ذکر کیا ہے' بعض حضرات نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ان چیزوں کا بیان بے موقع اور بے محل معلوم ہوتا ہے' اس اعتراض کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ نظم قصیدے کی صنف سے تعلق رکھتی ہے اور قصیدے میں تشبیب کے مضمون کی قید نہیں' کہیں ذکر شباب ہے تو کہیں مضامین عشقیہ کا بیان کہیں شکایت زمانہ ہے اور کہیں اپنے حال کا رونا' کسی نے خاص مضمون کی غزل لکھ دی ہے اور کسی نے متفرق مضامین کی غزل اور بعض ایسے قصیدے بھی موجود ہیں جن میں تشبیب موجود ہی نہیں ہے' عربی شاعری میں اس قسم کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تشبیب کے پڑھنے کے بعد گریز کا مضمون دیکھ کر کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی محسنؔ نے خود اسی جواب کو تفصیل کے ساتھ نظم کرتے ہوئے لکھا ہے۔

پڑھے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز — رجعت کفر بایماں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر — شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ — نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طول سخن — مگر ایمان کی کہیئے تو اسی کا تھا محل
غلبہ و سطوت ظلمت کے بیاں میں مضمر — شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دین خدا — مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل
مدعا یہ ہے کہ اندوہ کی سیہ بختی سے — ظلمت کفر کا جب دہر میں چھایا بادل
ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کے لئے — سیف مسلول خدا نور نبی مرسل
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو — شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول

اسے دوسرے نقطہ نظر سے دیکھئے تو بجائے عیب کے اس میں ایک خوبی مضمر ہے' پڑھنے والے کو اسلامی تصوف اور ہندی تخیل کا سنگم نظر آتا ہے جو لوگ سری کرشن کی داستان عشق اور رومانی فضا سے آشنا ہیں وہ اس کی تاثیر کو خوب محسوس کرتے ہوں گے۔ ہمارے ناقدین نے ہماری عام شاعری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ہندوستان میں رہ کر بھی ہمارے شاعروں کا تخیل عرب کے بے برگ و گیاہ صحراؤں اور ایران کے نغمہ زار و سبزہ زار و جوبار میں بھٹکتا پھرتا ہے' وہی تشبیہات' استعارات اور تلمیحات جو متقدمین شعرائے فارس کے یہاں عام ہیں' وہی ان کا ورثہ

ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلق براہ راست ایران کی سرزمین تاریخ یا خاص ایرانی تہذیب و معاشرت سے ہے اس لئے ہندوستانی شاعری میں جس کے مخاطب ہندوستانی ہیں ان کا شمول لطف کو دوبالا کرنے کے بجائے شاعری کو بے مزہ بنا دیتا ہے' سری کرشن کی داستان حیات رومان و محبت کی کہانی ہے لیکن اس میں ابتذال' رکاکت اور سوقیانہ حالات و واقعات کا شائبہ نہیں' بلکہ ہر جگہ خلوص و عقیدت' مذہبیت اور احترام کی جھلک زیادہ ہے' چونکہ ہندوستانی عام طور پر اس قصہ سے واقف ہیں اور بعض رسمیں اور تہوار ابھی تک ان پرانے واقعات کی یاد تازہ رکھنے کے لئے منائے جاتے ہیں اس لئے تشبیب میں ان کے ذکر سے رومانی فضا پیدا ہو گئی ہے جو اثر سے لبریز ہے کسی اور مضمون سے یہ کیفیت یا تشبیب میں یہ زور پیدا کرنا مشکل تھا۔

مضمون کے اعتبار سے اس قصیدے اور محسنؔ کی شاعری کے دوسرے کارناموں کو پرکھئے تو ان میں سب سے ممتاز صنعت جدت کی نظر آئے گی جیسا کہ مذکور ہوا ہماری شاعری بالعموم تقلیدی ہے اور ہمارے شاعر تقلیدی آرٹسٹ' غزل' مثنوی' قصیدہ' مرثیہ' غرض ہر صنف کے مخصوص مضامین پیدا ہو گئے تھے۔ بقول حالیؔ یہی ہزار بار کی چچوڑی ہوئی ہڈیاں تھیں جو ہمارے شاعروں کے لئے سرمایہ افتخار بنی ہوئی تھیں' محسنؔ کے معاصرین بھی اس رسمی اور تقلیدی شاعری کے چکر سے آزاد نہ ہو سکے اسی لئے ان کے یہاں ہجر و وصال کی داستانیں' شکوے' شکایتیں' خاص خاص حکایتیں' گل و بلبل کے مضامین' مے و مینا کی گردش سے پرانے زمانے کی یادگاروں کا ایک عجائب خانہ نظر آتا ہے جو رفتہ رفتہ اصلیت سے دور اور ابتذال و رکاکت سے قریب تر آ گیا لیکن محسنؔ نے اپنے دامن کو اپنے ہی پھولوں سے بھرا ہے ایک قصیدے کی تشبیب کے مضامین ملاحظہ ہوں۔

کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہ نو کی کشتی — بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل
شاہد کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ — چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل
جوگیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھبوت — یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمل
جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں — لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل
صاف آمادۂ پرواز ہے شاما کی طرح — پر لگائے ہوئے مژگانِ صنم سے کاجل
خوب چھایا ہے سر گوکل و متھرا بادل — رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل
شاہد گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل — برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل
جب تلک برج میں جمنا ہے یہ کھلنے کا نہیں — ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل
راجہ اندر ہے پری خانہ ہے کا پانی — نغمۂ نے سری کرشن کنھیا بادل

ایسی نرالی تشبیب آپ کو اردو کے کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں ملے گی۔ ذوقؔ و سوداؔ قصیدے کے بادشاہ ہیں لیکن ان کی کسی تشبیب میں ایسی جدت اور زور نہیں یہ مضامین تشبیہات' استعارات اور خیالات جو خالص ہندوستانی فضا کی پیداوار ہیں۔ محسنؔ ہی کا حصہ ہیں۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ محسنؔ کی پاکیزہ طبیعت عوام کی پامال شاہراہ سے بچ کر اپنا راستہ الگ بنانا چاہتی تھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سرزمین نعت میں اپنی جدت پسندی سے

رنگ رنگ کے پھولوں کا ایک گلزار کھلا دیا ہے۔

جدت پسند طبیعت سے ہی مضمون آفرینی کا سلسلہ ملتا ہے۔ ایرانی شعراء نے اپنے تخیل سے مضمون آفرینی کے نوادر پیش کئے ہیں لیکن اکثر مضمون آفرینی کے شوق میں کوہ کندن وکاہ برآوردن کے مصداق بن گئے ہیں ہندوستان کے فارسی گو شعراء میں بیدلؔ اور ان کی تقلید میں اردو شعراء میں غالبؔ نے اس طرف بطور خاص توجہ کی ابتدائے عمر میں غالبؔ کا کلام اسی شوق کی بدولت مہملات سے جا ملا تھا جب عمر اور مشق نے اصلاح کا ہاتھ رکھا تو سلامت کے راستہ پر آ گئے۔ غالبؔ کے علاوہ بعض اور جدت پسند شاعر اس طرف متوجہ ہوئے جن میں مومنؔ نے بڑا نام پیدا کیا لکھنؤ کی شاعری میں واردات قلب کو اساسی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ پورا زور صنعت گری پر صرف کیا گیا اور اس شوق نے یہاں تک ترقی کی کہ یہاں کے بیشتر شعراء معما اور چیستان گوئی کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگے خیال آرائی اور مضمون آفرینی کا اکثر نتیجہ یہی دیکھا گیا ہے کہ شاعر چیستان اور معمے کہنے لگتا ہے آخر عمر میں محسنؔ کو بھی معما گوئی کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن ان کی عام شاعری عیب سے پاک ہے اس میں مضمون آفرینی ہے لیکن اعتدال کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے چند مثالوں سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

جگنو پھرتے ہیں جو گلبن میں تو آتی ہے نظر　　　مصحف گل کے حواشی پہ طلائی جدول

سبزہ چرخ کو اندھیاری لگا کر لایا　　　شہسوار عربی کے لئے کالا بال

قبلۂ اہل نظر کعبہ ابروئے حضور　　　موئے سر قبلہ کو گھیرے ہوئے کالا بادل

مثنوی چراغ کعبہ میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں:-

کاغذ میں سطور کا تسلسل　　　ہے کھیت میں چاندنی کے سنبل

شبریز قلم کی شان اعلیٰ　　　جنگل میں براق کے غزالا

تحریک اناطل تخن گو　　　جبریلؑ امیں کا زور بازو

از رفعت شعر من چہ پرسی　　　ہر حرف کی عرش پر ہے کرسی

شب معراج کا ذکر کرتے ہوئے کس خوبی سے نئے مضمون پیدا کئے ہیں:-

بھیگی ہوئی رات آبرو سے　　　داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے

اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام　　　شبنم کی رد بقصد احرام

کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے　　　سر سے پا تک عرق عرق ہے

نامحرموں سے چھپائے چہرہ　　　پروین کو بنائے منہ کا سہرا

خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے　　　لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے

یا تازہ بسی ہوئی ختن کی　　　کلیاں یوسف کے پیرہن کی

براق کی صفت

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل　　　کھیت اس کا بہشت خلد جنگل

مہ پارہ فلک سے آنے والا　　　اطلس کو کتان بنانے والا

یوں چرخ سے نکلے وہ سبکرو　　　فانوس سے جس طرح کہ پرتو

شیشے سے پری چمن سے شبنم　　　سیپی سے گہر حباب سے دم

سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بھی چند شعر دیکھئے:-

ابرو پہ جبین مہ شمائل　　　رکھی ہوئی رحل پر حمائل

واللیل کا ترجمہ ہے گیسو　　　تفسیر اذا یغشیٰ ہے گیسو

جوہر کا بھرا ہوا خزینہ　　　آئینہ بے مثال سینہ

رعنائی قامت مناسب　　　روزے میں اذان وقت مغرب

جدت پسند اور مضمون آفریں شاعروں کو اپنے ذوق کی تکمیل کیلئے مبالغہ سے کام لینا پڑتا ہے اکثر عام شاعر بھی اپنی دکان سجاتے وقت اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں مبالغہ کو شاعری میں اس درجہ دخل ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھا جانے لگا ہے۔ شاعر تخیل کی بلند پروازی میں اکثر دنیا کی حقیقتوں سے بہت دور نکل جاتا ہے لیکن محسنؔ ایسا نہیں کر سکتے تھے جہاں تک تعریف و توصیف کا تعلق ہے ان کے ممدوح یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی ذات پاک اتنے اوصاف حمیدہ کی جامع ہے کہ ان کے بیان میں مبالغہ کی ضرورت ہی نہیں دوسرے انہوں نے حدیث اور قران کی روشنی کو ہمیشہ اپنے لئے شمع ہدایت بنایا ہے بعض نعت گو شاعر محبت کے جوش میں اکثر ایسی باتیں کہہ گئے ہیں جو مذہبی نقطہ نظر سے ناروا ہیں ان کا عذر یہ ہے کہ جوش محبت اور والہانہ شیفتگی کے عالم میں یہ سب کچھ کہا ہے اس لئے وہ لائق معافی ہیں لیکن محسنؔ کو اس عذر اور معافی کی ضرورت نہیں پڑتی۔

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں جو مجالس منعقد ہوتی ہیں ان میں نعت گو شعراء کا کلام ہمیشہ پڑھا جاتا ہے اور ایسے ایسے اشعار پر لوگ وجد کرنے لگتے ہیں:-

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے　　　لینا ہے ہمیں جو کچھ لے لیں گے محمد ﷺ سے

اس قسم کے اشعار میں شعراء نے حفظ مراتب کو نظر انداز کر دیا ہے اور بعض طبائع ایسی زیادتیوں کو کسی عنوان گوارا نہ کریں گی محسنؔ کے یہاں والہانہ عشق اور محبت کے باوجود ایسی لغزشیں تلاش کرنے پر بھی نہیں ملیں گی اپنے کلام میں انہوں نے جابجا قرآن اور حدیث کے ان مقامات کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں سے ان کا مضمون ماخوذ ہے ایک مثال سے وضاحت ہو جائے گی۔

مثنوی چراغ کعبہ میں معراج کے سلسلہ میں حضرت جبریلؑ کی آمد کا ذکر کیا ہے چونکہ کسی حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت جبریلؑ نے حاضر ہو کر کیا عرض کیا تھا اس لئے فرماتے ہیں۔

آنا ہے طلب کا استعارہ　　　بردن کا ہے آمدن اشارہ

اور حاشیہ میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔

براق کی صفت میں ایک مصرعہ ہے

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل

حدیث شریف میں بھی مذکور ہے کہ براق چھوٹے فرس کے برابر تھا' فلک اول کی سیر کے سلسلہ میں ایک شعر ہے:-

وہ روز ازل کا سعد اکبر — وہ اول ماخلق کا مظہر

اس میں اشارہ ہے حدیث شریف کی طرف۔ "اول ماخلق اللہ نوری"

فلک ششم کی سیر میں ایک شعر ہے:-

تھا داغ فراق لن ترانی — مسرور وصال من رانی

اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف من رانی فقدرای الحق

فلک ہفتم کے سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ایک شعر ہے

کرتا تھا جو صرف مہمانی — خوان نعمائے من عصانی

اس میں اشارہ ہے حضرت ابراہیم کی دعا ومن عصانی فانک غفور رحیم کی طرف' مقام اعلیٰ کے بیان میں ایک شعر ہے:-

آنکھوں کی تلاش جلوۂ رب — کانوں میں صدائے نحن اقرب

اس میں کلام مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید مثنوی شفاعت ونجات میں بکثرت آیات کی طرف اشارے ہیں۔

ان چیزوں سے محسنؔ کی مذہبیت کا پتہ چلتا ہے' قرآن اور حدیث پر ان کی نظر تھی اس لئے حالات وواقعات کے بیان میں ان کا مضمون کبھی ان کے حدود سے باہر نہیں نکلتا تھا لیکن اسی کے ساتھ فن شاعری کے ایسے کمالات کا اظہار کرتے تھے کہ ان پابندیوں کے باوجود کلام میں زور اور تاثیر پیدا کر لیتے تھے شاعری اور وعظ میں یہی فرق ہے وعظ کی خشکی سے سامعین گھبرا اٹھتے ہیں لیکن جب شعر کا ساز بجنے لگے اور اس کے پردوں سے وہی راگ نکلے جو پہلے واعظ کی زبان سے ادا ہو رہا تھا تو سننے والے مسحور ہو جاتے ہیں انہوں نے اپنے کلام میں شاعری اور مذہب کے امتزاج کا ایسا مرقع پیش کیا ہے کہ مادیت اور الحاد کے اس دور میں بھی جس کی جاذبیت اور کشش باقی ہے۔

مضمون کے اعتبار سے محسنؔ کے کلام کی ایک خاص خوبی کا ذکر کرنا باقی رہ گیا ہے یہ ان کی تہذیب اور متانت ہے' لکھنؤ کے مخصوص انداز کی شاعری کی بدولت وہاں کا پورا دبستان شعر آج تک مطعون ہے' یہی وجہ ہے کہ لکھنؤ اپنے نامور سخنوروں کی فہرست میں پہلے ان شعراء کا نام رکھتا ہے جن کا کلام اس دبستان کے دوسرے شعراء کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے لیکن معلوم نہیں اس موقع پر محسنؔ کا نام کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ تہذیب ومتانت کے اعتبار سے محسنؔ کی شاعری اپنی آپ نظیر ہے اور مضمون' زبان' تشبیہات اور استعارات ہر اعتبار سے اس کی ثقاہت اور تطہیر مسلم ہے۔

انیسؔ اور دبیرؔ نے مرثیہ گوئی کے فن میں مجدد کا درجہ حاصل کیا اور مرثیہ گوئی کو بڑا فروغ بخشا' فصاحت اور بلاغت کے بڑے بڑے معرکے سر کئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مرثیوں میں جہاں کہیں عرب کے مردوں' عورتوں اور ان کے حالات وواقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں خالص لکھنوی تہذیب و معاشرت کا چربہ اتارا ہے بہت سی وہ رسمیں جو بیشتر ہندوستانی یا ہندوانی ہیں عربوں کے کردار میں شامل کی گئی ہیں جس سے کردار نگاری میں جگہ جگہ بھونڈا پن پیدا ہو گیا ہے اور تاثیر کی فضا کم ہو گئی ہے لیکن محسنؔ خالص ہندوستانی فضا کے شاعر ہیں اور اپنے ماحول کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کے خیالات ان کی زبان ان کی تشبیہات اور استعارات اسی ملک کی پیداوار ہیں اسی لئے ان میں اثر بھی زیادہ ہے' مضمون کی بلندی اور فکر کی پرواز کے اعتبار سے بھی محسنؔ کا کلام نادر ہے' قصیدہ مدیح خیر سالرسلین مثنوی تجلی کعبہ اور چراغ کعبہ میں مضمون کی بلندی الفاظ کے شکوہ سے ہم پہلو وہم آہنگ ہے۔ الفاظ کا حسن انتخاب قادر الکلامی کی دلیل ہے مضمون کی مناسبت سے الفاظ کا صحیح استعمال اچھے شعر کے لئے ضروری شرط ہے مثنوی چراغ کعبہ میں واقعہ معراج کو نظم کیا ہے یہ واقعہ چونکہ شب میں پیش آیا' اس لئے تمہید میں مضمون اور الفاظ کی ہم آہنگی سے رات کے مناسب ماحول اور فضا کا پورا لحاظ رکھا ہے۔

ہے نام خدا سواد تحریر — واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر

آغاز روایت میں لکھتے ہیں:-

بھیگی ہوئی رات آبرو سے — داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلی گل اندام — شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال — جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے — سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرموں سے چھپائے چہرہ — پردیں کو بنائے منہ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا — انداز خرم صوفیانہ
سناٹے کا دم انیس و ہمدم — انفاس ہوا رفیق و محرم
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے — لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے
یا تازہ بسی ہوئی ختن کی — کلیاں یوسف کے پیرہن کی
ناخن کی جگہ ہلال کی مد — دفتر سے طلوع کے ندارد
گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے — ہیں رمی جمار کے اشارے

چونکہ یہ مثنوی ہے اس لئے زبان سادہ سلیس اور بامحاورہ استعمال کی ہے جس میں روزمرہ کا لطف آ جاتا ہے۔

محسنؔ کے کلام کی فنی حیثیت:-

انیسویں صدی میں "صنعت" کو فطرت پر ترجیح دینے کا عام رواج تھا یہی زمانہ محسنؔ کا کوروی کو ملا' اس عہد

کے لکھنؤ میں زندگی کے ہر شعبہ میں کمال صنعت کی داد دی جارہی تھی' نثر اور نظم دونوں کو تکلفات سے آراستہ کیا جارہا تھا یہی سبب ہے کہ لکھنؤ کی شاعری لفظی صنائع اور صنعت گری کا نمونہ بن گئی اس لئے تاثیر جو شعر کا مقصد اصلی ہے کم ہوگئی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس کا ظاہری لباس دیدہ زیب ہوگیا جو اس سے پہلے شاعری کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ محسن نے اپنی شاعری میں اپنے ماحول کی ترجمانی کرتے ہوئے لفظی صنائع پر بھی توجہ کی ہے اور اس کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان کے کلام کی ظاہری خوبی اسی کوشش کی مرہون منت ہے لیکن اس موقع پر بھی محسن نے اپنی انفرادیت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور ان کا قدم اعتدال کے راستہ سے نہیں ہٹا ہے۔ اسی صنعت گری کے شوق میں شعرائے لکھنؤ نے رعایت لفظی کی طرف توجہ کی۔ اس فن کے امام آغا حسن امانت ہوئے اس دبستان کے دوسرے شعراء نے اس میں اس قدر مبالغہ کیا کہ بالعموم اس کو شعر کا مقصد بنالیا جس سے ان کا کلام بے مزہ ہوگیا لیکن محسن نے صنعت گری میں بھی شاعرانہ لطافت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا' چنانچہ ان کی رعایت بے ساختہ ان کی تشبیہات اور استعارات جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے۔ ان تکلفات کی وجہ سے کلام میں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی' تلمیحات بھی ہیں اور بکثرت ہیں لیکن بندش کی چستی اور نظم کی روانی ایسی ہے کہ طبیعت اس پر رک کر نہیں رہ جاتی' اس اعتبار سے ان کا کلام اگر ایک طرف تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے جاذبیت رکھتا ہے تو دوسری طرف عوام الناس بھی اس کی خوبیوں پر سر دھنتے ہیں۔

ان کے فن میں سب سے زیادہ نمایاں عنصر تلمیحات کا ہے' تلمیح یہ ہے کہ شعر میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے نہایت مختصر الفاظ میں کسی مشہور و معروف واقعہ کی طرف اشارہ کردیا جائے' چند مثالوں سے اس کی وضاحت ہو جائے گی سراپائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شعر ہے:-

شعلہ طور کا کاغذ پہ کھنچا ہے نقشہ   خاک انگارہ' کف دست ید بیضا ہے

اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب فرعون نے آپ کے بچپن میں آپ کے سامنے اشرفیاں اور آگ رکھ دی' حضرت موسیٰ نے انگارہ ہاتھ میں لے لیا اور آپ کا ہاتھ جل گیا جو بعد میں ید بیضا ہوگیا۔

اسی کا ایک اور شعر ہے:-

خواب میں بھی وہ اگر زہرہ جبیں پیش آئے   مشتری طالع کنعان کی زحل ہو جائے

مثنوی صبح تجلی میں سے چند شعر یہ ہیں:-

آنکھیں نظارے کی طلب گار   نظارہ کا بخت خفتہ بیدار
منظور ہے حسن کا تماشہ   ہر دیدہ ہے دیدۂ زلیخا
ہے شرق سے غرب تک پریشاں   نور عینین پیر کنعان
وہ سورۂ یوسف تجلی   یہ مطلع مصر کی عزیزی

اس میں حضرت یوسفؑ زلیخا اور حضرت یعقوبؑ کے واقعات کی طرف اشارہ ہے مثنوی چراغ کعبہ میں بکثرت

تلمیحات ہیں۔

یونس سرحوت تک پہنچ کر   سکہ نہ بٹھائیں ہر درم پر

اس میں ایک تلمیح اور ایک رعایت ہے یونس علیہ السلام کو ایک مچھلی نگل گئی تھی اور حوت کے فلک کے بارہویں برج کا نام ہے جس کی صورت مچھلی کی سی ہے ایک اور شعر ہے:-

آیا جو کرم پہ عشق بے باک   سینہ کیا شق' جگر کیا چاک

اس میں واقعہ شق صدر کی طرف اشارہ ہے۔

دو شعر اور ہیں:-

ازراہ کمال مہربانی   اس گھر سے ہوئی یہ مہمانی
رکھ کرے و شیر کو مقابل   اس صاحب ذوق کا لیا دل

اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو پیالے پیش کئے' ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی آپ نے دودھ کے پیالے کو لے لیا اور شراب سے انکار کردیا۔

فلک چہارم پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کہا جاتا ہے کہ سب سے اول حضرت ادریس علیہ السلام نے قلم سے لکھنا ایجاد کیا تھا' اس کا اظہار فلک چہارم کی سیر کی تمہید میں اس طرح کیا ہے۔

پھر وہ خط عفو اہل عصیاں   فرزانہ شفیع پیش یزداں

فلک ہفتم کی سیر میں ایک شعر ہے:-

کھینچے کا سواد صفحہ عین   شکر فی نسخہ ذبیحین

اس میں اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف "انا ابن الذبیحین" یعنی میں بیٹا ذبیحوں کا ہوں' ایک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے آنحضرت ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہؓ مثنوی شفاعت و نجات میں بھی ایسی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

تلمیحات کے علاوہ ایک اور عنصر جو محسن کی خصوصیات میں شمار ہونے کے لائق ہے ان کی تشبیہات ہیں' اس اعتبار سے محسن کی صرف ایک مثنوی صبح تجلی ان کو زندہ جاوید کرنے کے لئے کافی ہے' اتنی لطیف اور رقصاں تشبیہات اس روانی کے ساتھ بمشکل کہیں اور ملیں گی۔

سبزہ ہے کنار آب جو پر   یا خضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی   تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محو تکبیر فاختہ ہے   قد قامت سرو دلربا ہے
اک شاخ رکوع میں رکی ہے   اور دوسری سجدہ میں جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات   جاری لب جو سے التحیات

تشبیہات کی یہ ندرت اور تسلسل محسنؔ کا خاصہ ہے' چند مثالیں اور ہدیہ ناظرین ہیں:-

غنچے میں ہے خامشی کا عالم   یا صوم سکوت میں ہے مریم

غنچہ ناشگفتہ کو مریم کہنا اور اس کی طرف اشارہ کرنا تشبیہ کو بالکل مکمل کر دیتا ہے' جس سے پاکیزگی اور تقدیس کی وہ فضا اور بڑھ جاتی ہے جو صبح تجلی یعنی صبح ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناسب حال ہے اور پھر اس سلسلہ کو یوں جاری رکھا ہے:-

کیاری ہر ایک اعتکاف میں ہے   اور آب رواں طواف میں ہے

سالک ہے چمن میں نہر موزوں   مجذوب ہے شاخ بید مجنوں
ہے صوفی صاف دل صنوبر   تحریک نسیم حالت آور

ہے استغراق نیلو فر کو   پاس انفاس ہے سحر کو

خلوت گہہ حسن ہے زمانہ   اور جلوۂ صبح شاہدانہ
ڈوبی ہوئی رنگ میں چمن کے   نکھری ہوئی روپ میں دلہن کے
ہے چاندنی ایک ماہ پیکر   سورج مکھی آفتاب انور

غالباً کسی دوسرے شاعر کی کسی ایک نظم میں اس قدر کثرت سے اور اتنی رقصاں تشبیہات مشکل سے نکل سکیں گی' قصیدہ مدیح خیر المرسلینؐ میں بھی یہی شان جلوہ گر ہے۔

جوگیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھبوت   یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمل
لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ   چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمین پر مخمل
جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں   لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل
چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے   سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل

یہ تشبیہیں شاعر کے اسلوب فکر' جدت اظہار' ندرت ادا اور مذاق شاعرانہ پر دلیل ہیں' یہ فطری اور سریع الفہم ہیں اور ان میں جدت و تازگی کی وہ شان ہے جو محسنؔ کی خصوصیت ہے اسے بھی محسنؔ کا مخصوص امتیاز سمجھنا چاہیے کہ ان کی مثنویوں میں بھی قصیدے کا لطف آ جاتا ہے' مثنوی صبح تجلی' چراغ کعبہ وغیرہ اس کی اچھی مثالیں ہیں' چراغ کعبہ کی تمہید میں بالکل تشبیب کی شان پیدا ہے۔

ہے نام خدا سواد تحریر   واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر
دریائے رواں ہے در نظم آج   یہ بحر خفیف بحر مواج
جاتا ہے کلیم آسماں تک   معراج سخن ہے لامکاں تک

خلوت گہہ دل ارم سرشتہ   پرواز طبیعت ایک فرشتہ
ہر گوہر قلزم تکلم   سیارۂ آسمان ہفتم

بلند آہنگی کا یہ سلسلہ پوری نظم میں جاری وساری ہے یہ صحیح ہے کہ فارسی مثنویوں میں مثنوی کے مضمون کی قید نہیں' لیکن اس کا انداز بیان اور زبان مخصوص ہے۔ اردو میں مثنوی گو شعراء نے بالعموم عشقیہ اور بعض نے اخلاقی مثنویوں پر بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن محسنؔ نے اسے اپنے فن سے نئی اور لازوال دولت بخشی مضمون اور زبان دونوں کے اعتبار سے محسنؔ کی مثنویاں ہماری شاعری میں بیش بہا اضافے ہیں۔ قصیدے میں بھی محسنؔ کسی باکمال سے پیچھے نہیں رہے' قصیدہ گوئی کا کمال تشبیب' گریز اور خاتمے سے پرکھا جاتا ہے' ان ہی تین چیزوں کے بل پر سودا نے قصیدہ گوئی کے فن میں امامت کا درجہ حاصل کیا' اس میں محسنؔ کے کمال کے اظہار کے لئے چند مثالیں کافی ہیں' قصیدہ مدیح المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشبیب'

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل   برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

محسنؔ کی قادر الکلامی کی بین دلیل ہے:-

گریز کے لئے بیساختہ ہونا ضروری ہے' دیکھئے محسنؔ کس استادانہ کمال کے ساتھ مدح پر آئے ہیں:-

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار   ہوئی آئینہ مضمون کی دو چنداں صیقل
روئے معنی ہے بھٹکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف   تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن   ہاتھ میں جام زحل شیشہ ہے زیر بغل
گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھتا پاؤں   کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں   خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل
تار باران مسلسل ہے ملائک کا ورود   پے تسبیح خداوند جہاں عزوجل
کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں   کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل
باغ تنزیہ میں سرسبز نہال تشبیہ   انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کونپل
گل خوش رنگ رسول مدنی عربی   زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل

خاتمہ میں کہتے ہیں:-

محسنؔ اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر   کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل   میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

اس کے بعد مناجات کے نہایت پر تاثیر اشعار ہیں۔

محسنؔ کا بقیہ کلام:-

نعتیہ کلام کے علاوہ محسنؔ کے سرمایہ میں چند غزلیں ایک ناتمام عشقیہ مثنوی نگارستان الفت' ایک مثنوی فغان

محسنؔ ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی تعریف میں چتر شہنشاہی کے نام سے اور چند قطعات تاریخ اور ہیں لیکن یہاں نسبتاً ان کا درجہ کچھ بہت اونچا نہیں' یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کا تخیل صرف نعت کی مقدس فضا میں بلند پردازی دکھاتا ہے چنانچہ ان کی غزلیں لکھنؤ کی عام شاعری کا نمونہ ہیں' ان میں شاعر کی جدت' ذہانت اور طباعی کا کوئی غیر معمولی کمال نظر نہیں آتا اور بالعموم رعایت لفظی اور صنائع بدائع کو دخل دیا گیا ہے' ایسا شاید اس وجہ سے ہو کہ یہ ابتدائی عمر کا کلام ہے اور اس زمانہ میں چونکہ یہی روش عام تھی' اس لئے محسنؔ نے بھی پہلا قدم اسی کی طرف اٹھایا لیکن آخر میں تائید الٰہی اور طبیعت کی رسائی و تازگی سے اپنی راہ الگ نکال لی' غزلوں کا اندازہ ذیل کے انتخاب سے ہو سکتا ہے' پہلی غزل ہے:-

ہے عیاں جلوہ بتوں میں بھی خدا کے نور کا
زاہد آنکھوں میں لگائے سرمہ سنگ طور کا

سر جھکائے ہم ہیں وہ تلوار کو کھینچے ہوئے
یہ نیاز عاجزانہ۔ ناز وہ مغرور کا

مغبچوں کی کتنی خاطر کی خدا نے حشر میں
جرم ٹھہرا ٹوٹ جانا شیشہ انگور کا

جب اٹھائیں اس قدر دور فلک کی سختیاں
حوصلہ پتھر ہو محسنؔ دل سے چکنا چور کا

بعض اور اشعار ملاحظہ ہوں:-

آنکھ پر ٹھہری نظر مائل ابرو ہو کر
ہم پھرے کعبہ سے اے قبلہ تو ہندو ہو کر

شب کو یہ جذب محبت کا تماشا دیکھا
شمع پروانے کے ساتھ اڑ گئی جگنو ہو کر

مبارک میکشو کس دھوم سے شورش ہے بادل کی
خدا حافظ ہے توبہ کا صراحی بے طرح چھلکی

خدا نے تل کیا پیدا لب رنگین جاناں پر
تو گویا تیل چھڑکا آتش لعل بدخشاں پر

صاحب غیروں سے جی خفا ہے
اور کیا مجھے آپ سے گلہ ہے

فرہاد نہ پوچھ سختی ہجر
دن آج پہاڑ سا کٹا ہے

دامن سے وہ پونچھتا ہے آنسو
رونے کا کچھ آج ہی مزا ہے

ان کو کبھی خیال ہو میرا یہ وہم ہے
جاگیں مرے نصیب یہ باتیں ہیں خواب کی

ہونے نہ پائی خشک بھی تر دامنی مری
محشر میں دھوپ ڈھلنے لگی آفتاب کی

رباعیات کا درجہ کافی بلند ہے' بعض پر انیسؔ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے:-

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے
کہہ دو کہ ملک کوش برآواز رہیں
مداح پیمبر کی زبان کھلتی ہے

اک شان خدا ہے سید عالی جاہ
ملک قدم وحدوث کا شاہنشاہ
جس دل پہ کھلی اس کی حقیقت محسنؔ
بیساختہ بول اٹھا کہ اللہ اللہ

رہ جاؤ گے ہاتھ زندگی سے دھو کر
پچھتائیں گے اقرباء تمہارے رو کر
محسنؔ کیا پوچھتے ہو چھوڑو گھر بار
جنت کو چلے چلو مدینے ہو کر

مثنوی نگارستان الفت میں خالص لکھنؤی مثنویوں کی تمام خصوصیات موجود ہیں:-

زردی چھائی ہوئی رخساروں پر
سرسوں پھولی ہوئی انگاروں پر

مردنی چھائی ہے چہرہ دیکھو
اپنی جاتی ہوئی دنیا دیکھو

کامدانی کا پہننا چھوڑا
لٹ گیا تیرا شہانا جوڑا

بند آنکھیں کئے روتے دیکھا
رات ہم نے تجھے سوتے دیکھا

سو کہیں ایک نہ مانی آخر
مٹ گئی تیری جوانی آخر

چاندنی پچھلے پہر کی کب تک
روشنی شمع سحر کی کب تک

دل ناشاد کو رکھ قابو میں
نہ سہی یار نہ ہو پہلو میں

مثنوی فغان محسنؔ میں (جو ایک دوست کے قید ہو جانے پر لکھی گئی ہے) البتہ خلوص کے ساتھ جذبات نگاری کے مرقعے ملتے ہیں۔

یہ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہوا
تڑپنے لگا دل اُچھلنے لگا

مری چشم تر کا یہ کیا حال ہے
کہ دامن سے تا آستیں لال ہے

مرا رنگ فق ہوتا جاتا ہے کیوں
بدن خود بخود سنسناتا ہے کیوں

مرے منہ پہ زردی سی کیوں چھا گئی
چمن میں مرے کیوں خزاں آ گئی

چلی آتی ہیں ہچکیاں دمبدم
مجھے یاد کرتے ہیں اہل عدم

محسنؔ کے تمام کلام کی نسبت صرف ایک بات کہنا اور باقی رہ گئی' یہ کلام کی شگفتگی ہے' انیسویں صدی ہندوستان کی تاریخ کا ایک تاریک دور ہے انقلاب اور خونریزی کی ظلمت میں سلاطین کی گداگری' شریفوں کی پریشان حالی شاعروں اور ادیبوں کی ناقدری' امیروں کی بے سروسامانی اور غریبوں کی فاقہ کشی کی بھیانک پرچھائیاں نظر آتی ہیں' اسی وجہ سے اس دور کے شاعروں اور ادیبوں کی تصانیف پر قنوطیت کا گہرا رنگ چڑھ گیا ہے' جسے پڑھ کر طبیعت افسردہ اور مضمحل ہو جاتی ہے لیکن محسنؔ کے یہاں افسردگی کی جگہ شگفتگی' ناامیدی کی جگہ یقین' تزلزل کی جگہ استحکام نظر آتا ہے اور اس حیثیت سے وہ یقیناً اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں۔

الغرض محسنؔ کا کلام اختراعی فن کا ایک نادر نمونہ ہے اور لکھنؤی ہونے کے باوجود لکھنؤ کے عام رنگ سے جدا ہے جس میں شاعر کی شخصیت نے کمال خلوص و محبت کے خاکے کو تصوف اور ہندیت کے رنگ سے آراستہ کر کے شاعرانہ صنائع سے مکمل کیا ہے' جس کی جدت جاذب اور جس کی مضمون آفرینی دلکش ہے' جہاں حدیث و قرآن کی صحت کے لحاظ کے ساتھ مذاق شاعرانہ اور مذہبیت کا مکمل امتزاج نظر آتا ہے جہاں رکاکت اور ابتذال کی بجائے متانت تہذیب اور شائستگی کا جلوہ ہے جہاں فنی حیثیت سے تلمیحات' تشبیہات اور استعارات کا کمال بینظیر ہے۔ جہاں مثنویوں میں قصیدوں کا لطف ہے جہاں تشبیب اور گریز کے مضامین نو شاعر کی قادر الکلامی پر دلیل ہیں' یہ لکھنؤ کے دبستان شعر کا نادر مرقع ہے۔

محسنؔ کاکوروی

ایک زمانہ تھا اور وہ بھی کوئی دور کی بات نہیں یہی اب سے بیس پچیس برس پہلے تک ہر معمولی پڑھے لکھے آدمی کو محسنؔ کاکوروی کا نام اور کم سے کم ان کا ایک مصرع "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" ضرور یاد ہوتا تھا۔ اب حال یہ ہے کہ اول تو لوگ انہیں بھول چلے ہیں اور دوسرے اگر کسی کو ان کا خیال آتا بھی ہے تو ان کے اس نعتیہ قصیدے میں وہ کشش محسوس نہیں ہوتی جو پہلے ہوا کرتی تھی شاید وہ بات ہو کہ :

نکل گئیں ضرورتیں بدل گئیں طبیعتیں

اردو کے نئے نقادوں کے یہاں میں نے صرف ایک جگہ محسنؔ کا ذکر دیکھا ہے اور ان صاحب نے بھی محسنؔ کی شاعری کو خلوص اور شدت سے عاری' خشک اور مصنوعی کہہ کے اڑا دیا ہے' چلئے جیسے ہم لوگ موہن جوداڑو اور ہڑپا کے کھنڈر دیکھنے جاتے ہیں' ایک نظر محسنؔ کے کلام پر بھی سہی۔ پانچ ہزار سال پرانی تہذیب کی خیالی تشکیل میں جو مزا ہے وہ تو اس میں نہیں ملے گا لیکن اپنی قوم کی ذہنی اور جذباتی تبدیلیوں سے واقفیت پیدا کرنے کا درد ضرور حاصل ہو جائے گا۔

محسنؔ کاکوروی کی شاعری پر (آثار قدیمہ کی حیثیت سے سہی) غور کریں تو اس میں تین عجب تضاد نظر آتے ہیں۔

(۱) محسنؔ نے کچھ ایسا زیادہ تو نہیں لکھا مگر دو ڈھائی سو صفحے کا مجموعہ تو بن ہی گیا ہے۔ پھر اس مجموعہ میں تین چار چیزیں ایسی موجود ہیں جو نہ صرف نعتیہ شاعری میں بلکہ پوری اردو شاعری میں ایک امتیازی درجہ کی مستحق ہیں۔ مثلاً دو مثنویاں "چراغ کعبہ" اور "صبح تجلی" ایک "سراپائے رسول اکرم ﷺ" اور وہ لمبی غزل جس کا مطلع ہے۔

مٹانا لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا
دبستان محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

مگر لے دے کے جسے قبول عام حاصل ہوا ہے وہ ان کا قصیدہ لامیہ یعنی "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" محسنؔ کی ساری شہرت اس ایک قصیدے پر موقوف ہے۔ آخر اس نظم میں ایسی کیا بات ہے' جو آج سے سو سال پہلے ہماری اجتماعی روح کی کسی پوشیدہ رگ کو چھو گئی ورنہ اس قصیدہ پر تو کئی اعتراضات وارد ہو سکتے تھے۔ مثلاً

ایک تو بعض لوگوں کو یہی شکایت ہوئی کہ نعت رسول ﷺ میں مناسبات کفر کا استعمال غیر مشروع ہے۔ چنانچہ امیرؔ مینائی کو مصنف کے جواز میں یہ دلیل لانی پڑی کہ حضرت کعب بن زہیر نے حضور سرور کائنات ﷺ کے حضور میں ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کی تشبیب مشروع نہیں تھی۔ پھر خود محسنؔ کو اپنی صفائی میں چند شعر پیش کرنے پڑے۔

پڑھ کے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز — رجعت کفر بہ ایماں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر — سب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طول سخن — مگر ایمان کی کہیے تو اسی کا تھا محل
مدعا یہ ہے کہ رندوں کی سیہ بختی سے — ظلمت کفر کا جب دہر میں چھایا بادل
ہوا مبعوث فقط اس کے مٹانے کے لئے — سیف مسلول خدا نور نبی مرسل

یہ اعتراض تو خیر کٹھ ملاؤں کی طرف سے ہوا تھا لیکن ایک اعتراض خالص ادبی نوعیت کا ہو سکتا تھا قصیدے کے لئے شوکت الفاظ لازمی قرار دی گئی ہے اور جزالت الفاظ سے گریز نہایت اہم خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سحرؔ لکھنوی کے بارے میں جلال الدین جعفریؔ اپنی "تاریخ قصائد اردو" میں لکھتے ہیں کہ ان کی زبان متانت قصائد کے لئے موزوں نہیں۔ اب سحرؔ کی زبان کا نمونہ دیکھئے۔

اے ہوا جا کے بنارس سے اڑالا بادل — چاہئے ہندوی سوہن کے لئے گنگا جل
قمریاں کہتی ہیں مستی میں جو چلتی ہے ہوا — پھول ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں ذرا دیکھ سنبھل
آج تو خوب سی جی کھول کے پی لو یارو — فکر فردا نہ کرو دیکھ لیا جائے گا کل
آن کر پیڑوں کے تھالوں میں نہاتے ہیں لال — سوکھتے سوکھتے ہو جاتے ہیں بالکل ہریل
کس قدر کیاریوں میں جمع ہیں گلہائے فرنگ — یہ بڑے دن کے لئے ہوتی ہے شاید کونسل

زمین بھی محسنؔ کے قصیدہ لامیہ کی ہے اور زبان بھی لیکن محسنؔ کا قصور معاف ہو گیا بلکہ عیب ہنر ٹھہرا۔ حالانکہ وہ نعت لکھ رہے تھے۔ جس میں ادب ولحاظ اور بھی ضروری تھا۔ تو اس قصیدے میں وہ کیا چیز تھی' جو لوگوں کے لاشعور میں اتر تی چلی گئی اور جس نے لوگوں سے بے ساختہ سبحان اللہ کہلوالیا۔

(۲) محسنؔ کے متعلق ہر پرانے نقاد نے یہی کہا ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ سے نہایت پرخلوص اور شدید محبت رکھتے تھے۔ جلال الدین احمد جعفریؔ لکھتے ہیں...... "اس کلام پاک کو پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا مداح فی الحقیقت عاشق صادق ہے اہل ہوس میں نہیں...... ان کا ایک ایک لفظ درود پڑھنے کے قابل ہے۔" لیکن اس جذب صادق کا اظہار نہایت پرتکلف اور پرتصنع انداز سے ہوا ہے۔ یہی جعفری صاحب ان کے کلام کی خصوصیات یہ بتاتے ہیں...... "ان کی نعت گوئی میں تشبیہ واستعارات' مبالغہ واغراق' تلازمات و مرعاۃ النظیر سب کچھ موجود ہے اور بحد کمال موجود ہے...... پڑھنے والا ان کی معنی آفرینی اور سخن گستری کو دیکھ کر بے ساختہ داد دینے لگتا ہے...... ہر شعر مذاق شاعری میں ڈوبا ہوا ہے۔" جعفری صاحب ان کی پرزور طبیعت اور رسائی فکر کی قوت وبلندی سے بہت متاثر ہیں۔ "گل رعنا" میں عبدالحئی بھی تقریباً یہی صفات گنواتے ہیں...... ہر شعر مذاق شاعری میں ڈوبا

ہوا ہے۔"

مضامین کی بلند پروازی' الفاظ کا شان و شکوہ' بندش کی چستی' استعاروں کی رنگینی' تلمیحات' بلاغت کلام' سخن آفرینی' غرض محسن کے کلام میں وہ سارے شرعی عیب موجود ہیں جن کی وجہ سے اردو غزل خلوص پرست لوگوں کے نزدیک نیم وحشیانہ صنف ادب قرار پاتی ہے۔ یعنی محسن کاکوروی ایسے عاشق صادق ہیں جو ہر بات بناوٹی کرتا ہے۔

(۳) جلال الدین احمد جعفری جو بھی کہتے ہوں۔ مظفر والے مولانا حالی کی تعلیم کی رو سے تو محسن کاکوروی کا ہر شعر مذاق شاعری سے بیگانہ اور بے اثر ٹھہرتا ہے لیکن زندگی ہم سے جو پہیلیاں بجھواتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مولانا حالی اور لارڈ مکالے کی توقعات کے برخلاف ایک زمانہ میں محسن کا نعتیہ قصیدہ اسی طرح زبان زد خلائق تھا جس طرح بعد میں مسدس حالی ہوا۔

محسن کی شاعری کے ان متضاد پہلوؤں کو نظر میں رکھیں تو بحث تین حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ محسن کا جذبہ کس نوعیت کا تھا؟ اگر وہ نعت گوئی میں کامیاب ہوئے تو کیا ان کا عشق رسول ﷺ اوروں سے زیادہ صادق یا شدید تھا؟ اگر ان کا جذبہ صادق اور پرخلوص تھا تو انہوں نے پرتکلف انداز بیان کیوں اختیار کیا؟ اور تیسری بات یہ کہ ان کے قصیدہ لامیہ سے لوگ اتنے زیادہ کیوں متاثر ہوئے؟

خصوصاً ان کے جذبے کی شدت کا اندازہ لگانے کے لئے ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ ان کی محبت وہ محبت نہیں تھی جو عاشق و معشوق کے درمیان یا دو دوستوں کے درمیان یا ایک عقیدت مند اور اس کے رہنما کے درمیان ہوتی ہے بلکہ اس محبت کا مرکز رسول اکرم ﷺ تھے' یہاں میں نے ذات کا لفظ جان بوجھ کر استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ یہ لفظ ہمارے ذہن کو خواہ مخواہ کھینچ کے شخصیت کی طرف لے جاتا ہے اور محسن یا اس زمانے میں ان کے پڑھنے والوں کے لئے آنحضرت ﷺ ایک "شخصیت" قطعاً نہیں تھے' اردو شاعری میں آنحضرت ﷺ کو ایک "شخصیت" تو حالی نے اپنے مسدس میں بنایا اور اس طرح نعت گوئی کی روایت کو سخت نقصان پہنچایا۔

نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

اس نعت میں جو مٹھاس اور جو کسک ہے اس کا تو میں بھی قائل ہوں اور فراق صاحب نے اس کی تعریف میں جو چند جملے کہے ہیں ان سے اس حد تک متفق ہوں کہ ممکن ہے کسی دن اس موضوع پر الگ سے مضمون ہی لکھ ڈالوں مگر اس حقیقت سے بھی گریز نہیں کہ مولانا حالی کے لئے آنحضرت ﷺ کچھ اور تھے۔ محسن کاکوروی کے لئے کچھ اور۔ یوں تو حالی کے زمانے سے بہت پہلے "تقویت الایمان" شائع ہو چکی تھی اور اس بات پر پورا غدر برپا ہو چکا تھا کہ رسول ﷺ کی عزت اتنی کرنی چاہیے جتنی "نعوذ باللہ" بڑے بھائی کی۔ یعنی رسول ﷺ کے پہلوئے بشریت پر زور دینے والے پیدا ہو چکے تھے اور حالی کے زمانے میں "بنانا نہ تربت کو میری صنم تم" کچھ ایسا باغیانہ تصور نہ رہا تھا لیکن اب سرسید کے زیر اثر اور پیروی مغربی کے شوق میں لارڈ مکالے کے عقیدت مند ابھرنے لگے

تھے جو کہتے تھے کہ اسلام افضل ترین مذہب ہے کیونکہ یہ مذہب ہی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی کا [illegible] سادھا راستہ ہے اور آنحضرت ﷺ محض پیغمبر نہیں بلکہ "مصلح" اور "ریفارمر" ہیں۔ اس مشرب میں [illegible] تھی ان حسابوں سے سرسید تو بڑی چیز ہیں' فلورنس نائٹ انگیل تک کو پیغمبری کا درجہ حاصل ہو سکتا تھا۔ [illegible] اور "ریفارمر" حالی جادہ شوق پر چلے تو ضرور لیکن مرحلہ سود و زیاں میں اٹک کے رہ گئے۔ انہوں نے ساری زندگی نفع نقصان' جمع خرچ کی کھتونی بنا ڈالا۔ پیروی مغربی اور پیروی عقل خداداد کے طفیل ایک دن وہ بھی آیا کہ نعت گوئی غیر مشروع اور بدعت ٹھہری اور نعت کہنے اور سننے والا مردود۔

ترک الفت کے عذر ہیں لاکھوں   خوئے بد را بہانہ بسیار

بہرحال مولانا حالی سے ترک الفت ممکن نہ ہوا' انہیں تو چاٹ پڑ چکی تھی' انہوں نے نعت کہی اور بڑے سوز و گداز کے ساتھ' لیکن جہاں تک نفس مضمون کا تعلق ہے حالی نے ان فوائد کی فہرست بنائی ہے جو آنحضرت ﷺ سے انسانیت کو اور بالخصوص عرب کو پہنچے اور فوائد بھی روحانی اور اندرونی قسم کے نہیں بلکہ ظاہری اور سماجی قسم کے یا پھر اخلاقی محاسن گنوائے ہیں۔ حالی کی نعت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کردار نہایت بلند تھا اور ان سے ہمیں بڑے فائدے پہنچے۔ بلند کردار کے لوگ اور انسانیت کو فائدہ پہنچانے والے تو بہت ہوئے ہیں مگر ان سے لاکھوں انسانوں کو ایسی والہانہ محبت کیوں نہیں ہوتی' جیسی آنحضرت ﷺ سے ہے؟ اس کا جواب ہمیں حالی کی نعت میں نہیں ملتا۔ بہی کھاتے میں ایسی باتیں ہوا بھی نہیں کرتیں۔ حالی کا کمال یہ ہے اور سرسید جیسے بزرگوں پر انہیں فوقیت یہ حاصل ہے کہ انہوں نے بہی کھاتہ بھی لکھا تو ایسی دردمندی کے ساتھ مگر وہ سماجیات اور اخلاقیات سے آگے نہ جا سکے۔

محسن کے یہاں حساب' کتاب' ناپ تول اور جانچ پرکھ کا سلسلہ نہیں۔ رسول ﷺ کے بارے میں ان کا تصور وہی تھا جو آج سے سو سال پہلے (یعنی مغرب پرستی' عقل پرستی اور خود پرستی سے پہلے) سب مسلمانوں کا تھا۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

یہ ایسی تعریف ہے جس میں نہ سرسید احمد خاں شریک ہو سکتے ہیں' نہ مس فلورنس نائٹ انگیل' ماورائے عقل بات کہنے کا فائدہ یہی ہے کہ دو چیزیں بالکل الگ ہو جاتی ہیں اور آپس میں گڈمڈ نہیں ہو سکتیں۔ یہ تو خیر محسن کاکوروی بھی مان لیتے کہ رسول ﷺ یتیموں کے والی اور غلاموں کے مولیٰ تھے لیکن ان کی نظر میں آنحضرت ﷺ کی شان دراصل یہ تھی:-

بامیم احد احمدِ بلا میم

الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامے کی   بڑھا معلوم ہو لفظ احد میں میم احمد کا
جس کو گلدستہ باغ ابدیت کہیے   خندہ صبح بہار احدیت کہیے
یعنی وہ جس کی ہوئی ذات سراپا برکات   باعث خلق زماں موجب ایجاد زمن
جس کی توصیف میں خود خامہ نقاش ازل   لکھ چکا مطلع ایجاد بہ وجہ احسن

یہ وہ عقیدہ ہے کہ جو کٹھ ملاؤں کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو شرک کے برابر ہوتا ہے۔ اسی لئے وہابی خیال کے مولویوں نے نعت گوئی کیا' درود تاج کے خلاف بھی فتوٰی دے دیا تھا کیونکہ اس میں رسول ﷺ کو دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم کہا گیا ہے۔ آج کل کا زمانہ تو وہ ہے جب یار لوگوں نے قرآن میں سے دن کی صرف دو ٹھنڈی نمازیں نکال لی ہیں مگر سو پچاس سال پہلے عام مسلمانوں کا ایمان یہ تھا کہ حقیقت محمدی ﷺ احاطہ بیان میں نہیں آسکتی اور رسول ﷺ کی بنیادی صفت یہی ہے...... ''خطا کار سے درگزر کرنے والا'' نہیں کیونکہ اتنا کام تو خود مولانا حالی بھی کر لیتے ہوں گے۔ چنانچہ مدح رسول ﷺ لکھتے ہوئے بیان و اظہار کی ناکامی کا مضمون محسن کاکوروی بار بار لاتے ہیں:-

تشبیہ اچھی تری نہ پائی ہم نے
جس کی تشبیہ نہ ہو اس کی صفت کیا ممکن
فکر وصف درِ دنداں میں کٹا سارا دن
رات بھر تارے ہی گنتے رہے بیٹھے محسن

(یہاں صیغہ غائب کی شوخی اور طنز بجائے خود ایک نعت ہے)

ہمیں پتہ یہ چلانا تھا کہ محسن کا جذبہ کہاں تک صادق ہے۔ جذبہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے ہم تول کے دیکھ سکیں۔ شعر میں اس کا اندازہ ہم الفاظ سے ہی لگاتے ہیں۔ مگر خود محسن کے اعتراف اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق ان کے ممدوح کی تعریف الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ شاعر کا کام ہے اظہار لیکن محسن ایک ایسی چیز کا نقشہ کھینچنے بیٹھے ہیں جو ناقابل اظہار ہے۔

یہ کھینچا تانی صرف محسن کے نعتیہ کلام میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کی مذہبی شاعری میں ملتی ہے اور خصوصاً ایسی شاعری میں جو براہ راست خدا یا کسی اوتار یا پیغمبر سے متعلق ہو۔ اسی لئے دنیا کی ہر زبان میں مذہبی شاعری کے ایسے نمونے کمیاب ہیں جو شاعری کے لحاظ سے بھی امتیازی نشان رکھتے ہوں۔ اس کی وجہ نہ تو اچھے شاعروں کی مذہب سے بے نیازی ہے نہ خلوص یا جذبے کی کمی' نہ شاعرانہ تکلفات کا استعمال' نہ موضوع کی بے رنگی' (محسن کے صاحبزادے مولانا نور الحسن مؤلف نور اللغات اردو میں اچھی نعتوں کے فقدان کی توجیہہ یوں کرتے ہیں...... ''نظم اردو کی قدر دانی اور صلے کی امیدیں جن حضرات کے دامن توجہ سے وابستہ تھیں ان کی نظریں رنگین الفاظ' مبالغہ آمیز استعارات کو ڈھونڈتی تھیں۔ نعت کی سادگی میں کچھ لطف نہیں تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ نعتیہ کلام کی طرف میلان کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی' اس میں وہ مضمون ہی نایاب تھے جن میں مقناطیسی کشش ہو'') بیشتر مذہبی شاعری کے ناکام رہنے کی ایک تاویل تو ہم یوں کر سکتے ہیں کہ شاعری کا تعلق عالم طبعی سے ہے اور مذہبی تجربات عالم طبعی سے ماورا ہیں۔ اس لئے شاعری سے ان تجربات کے اظہار کا کام لیا ہی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ایسی شاعری کرنے والے اکثر شاعر اپنی ناکامی کو در گفتن نمی آید کے پردے میں چھپاتے رہے ہیں' یا پھر ایک دو بڑے شاعروں نے اسی بے اظہاری کو اظہار کا وسیلہ بنایا ہے جیسے ڈانٹے اور رومی نے۔ دوسری تصریح نفسیات کی مدد سے ہوتی ہے...... یونگ

کے نزدیک (ARCHETYPES) براہ راست کبھی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ثانوی اور اشتقاقی شکلوں میں۔ اسی طرح (ARCHETYPE) کا براہ راست تجربہ غیر شخصی اور غیر ذاتی چیز ہے۔ اس لئے فنی اظہار کی گرفت میں نہیں آتا۔ بڑے سے بڑے مصور نے بھی اگر ایسے تجربے کو تصویر میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے تو تصویر ہمیشہ بے جان رہی ہے۔ فنی اظہار کامیاب اس وقت ہوتا ہے جب شاعر بذات خود (ARCHETYPE) کو بیان کی قید میں لانے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس سے اپنا ایک شخصی اور ذاتی رشتہ قائم کرے اور اس رشتہ کو اظہار کا موقع دے۔ یعنی جو مقام صوفیوں کے نزدیک اعلٰی ترین ہے۔ وہاں پہنچ کر شاعری نہیں ہو سکتی۔ البتہ جب عارف عارضی طور سے ہی سہی روبہ تنزل ہو اس وقت البتہ شعر کہہ سکتا ہے۔ اسی لئے بعض لوگوں کے نزدیک تصوف اور شاعری ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

شعر کہنا روحانی تنزل کی علامت ہو یا ترقی کی بعض لوگوں کے لئے یہ حرکت ایسی ہی ضروری بن جاتی ہے جیسے سانس لینا اور ہر قسم کے تجربے کو جسم اور شکل عطا کرنے کی ترغیب کبھی بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی ایسی صورت میں شاعروں نے عموماً چار طریقے اختیار کئے ہیں......

(۱) اظہار کی ناکامی کا اعتراف کر لیا اور اس طرح یا تو واقعی ناکام ہو گئے یا پھر یہی بے چادری عصمت بن گئی۔

(۲) حقیقی تجربے کا اظہار عقلی اصطلاحات یا رسمی الفاظ میں کیا' یوں شعر تو پھس پھسا اور بے جان ہو کے رہ گیا۔ یا صرف ان لوگوں کو جاندار معلوم ہوا جن میں میلان قبولیت پہلے سے موجود تھا۔ یہ پر خلوص بے خلوص کا معاملہ نہیں' بہت سی مذہبی شاعری جو کامیاب کہلاتی ہے اسی قسم کی کامیابی حاصل کرتی ہے۔ اسی لئے بیشتر مذہبی شاعری صرف ایک ہی عقیدے کے لوگوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس میں نہ تو شاعر کی خامی ہے۔ نہ کسی خاص مذہب کی۔ مذہبی شاعری کی نفسیاتی نوعیت ہی ایسی ہے۔

(۳) روحانی حقائق کو مجازی عشق کی اصطلاح میں بیان کیا۔ مذہبی شاعری کی یہ صنف سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ خود ہمارے یہاں ایسی ہی نعتوں کو ہر دل عزیزی حاصل ہوئی ہے۔ اس نوعیت کی شاعری کو سب سے زیادہ کامیابی کرشن جی کے سلسلہ میں رہی کیونکہ انہوں نے خدا کا جلوہ مجازی عشق کی شکل میں دکھایا تھا۔ ہندوؤں کا عقیدہ شاعری کے لئے معاون ثابت ہوا۔ ہمارے یہاں نعتوں میں مجازی عشق کے تصورات خاصی فراوانی سے استعمال ہوئے۔ خصوصاً ایسی نعتیں جو عوام میں مقبول ہوئیں۔ مثلاً رخسار سے برقع کو اٹھا کیوں نہیں دیتے''، ''نبی جی صورتیا دکھانی پڑے گی''، مگر نعت گو ہمیشہ ڈرتے رہے کہ اس معاملہ میں کہیں حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

(۴) مذہبی شاعری کو ایک الگ نوعیت کی شاعری نہ سمجھا جائے۔ بلکہ شاعر سادگی یا سلاست یا خیال آرائی اور مضمون آفرینی کا اسلوب جو اور جگہ برتتا ہے یہاں بھی برتے اور فن شعر کو جہاں دوسرے موضوعات کے سلسلے میں بیان کرتا ہے وہاں مذہب کے سلسلہ میں بھی استعمال کرے۔ اس رویے میں غالباً وہ لطافت و طہارت یا ماورائیت تو نہیں ہے جو ہم مذہبی شاعری میں دیکھنا چاہتے ہیں لیکن شاعری کی حدوں اور پابندیوں کا جرأت مندانہ

اعتراف ضرور موجود ہے۔ یہ رویہ اختیار کرنے کے لئے خاصی دلیری چاہیے بلکہ شاید طبیعت میں خالص رومانیت کے بجائے تھوڑی سی مجلسیت اور دنیاداری بھی ہونی چاہیے۔ یہ رویہ شاعر کو ڈانتے اور رومیؔ یا اقبالؔ تو نہیں بناتا مگر اُس کی شاعری کو پھس پھسا اور بے جان بھی نہیں بننے دیتا۔ مثلاً محسنؔ کاکوروی کے یہاں ہمیں جذب و سرمستی یا استغراق کی شاعری نہیں ملتی ان کے لب ولہجہ پر مجلس آرائی غالب ہے۔ دیدار رسول ﷺ کا جلال یا جمال انہوں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔ وہ کسی ایسے مقام کا تصور نہیں کر سکتے جہاں پہنچنے سے ان کے پر جلتے ہوں رسول ﷺ کے حضور میں پہنچتے بھی ہیں تو خلوت میں نہیں بلکہ بھرے دربار میں اور اپنی محبت و عقیدت اور سخن گوئی کی داد وصول کرنے کے لئے مثال کے طور پر "سراپائے رسول اکرم ﷺ" کا خاتمہ دیکھئے۔

ہے یہ امید کہ جب گرم ہو بازار نشور   یوں کہے بادشہ بارگہ عالم نور
لو سراپا ہمیں تو عوض حور قصور   میں کہوں واہ مجھے یہ نہیں ہرگز منظور
مفت حاضر ہے مگر اس کی یہ تدبیر نہیں   کھوٹے داموں بکے یوسف کی یہ تصویر نہیں

یہی حال قصیدہ لامیہ کے آخری اشعار کا ہے......

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح   ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ   سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

ان اشعار کی نفاست بیان، چستی، بے ساختگی اور عقیدت مندانہ شوخی پر تو میں بھی فدا ہوں اور اس ایمان کی پختگی، معصومیت اور بھولے پن میں بھی کلام نہیں جسے یقین ہو کہ قیامت کے ہنگامے میں بھی شافع محشر اپنے عاشق کا کلام سننے اور داد دینے کو تیار ہوں گے مگر جس شخص کو "احمد بلا میم" کے سامنے پہنچ کے سب سے پہلے اپنا کلام یاد آئے وہ بڑا شاعر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارے یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ برا شاعر بھی نہیں ہو سکتا۔

جلال الدین احمد جعفری کہتے ہیں کہ محسنؔ کاکوروی نے نعت گوئی کو فن شریف بنایا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کا عشق رسول ﷺ اوروں سے زیادہ صادق تھا یا انہوں نے حقیقت محمدی ﷺ کو اوروں سے زیادہ سمجھا تھا۔ نعت گوئی میں ان کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ نہ تو انہوں نے اپنی صلاحیتوں کی حد سے آگے جانے کی کوشش کی اور نہ اپنی صلاحیتوں کے استعمال سے شرمائے جوئس کا مشہور قول ہے...... "میں جیسا کچھ بھی ہوں اسی کا اظہار کروں گا۔" فنی تخلیق اسی اعتراف اور اسی تسلیم و رضا سے شروع ہوتی ہے ممکن ہے محسنؔ کاکوروی کے عقائد میں کوئی اختصاص یا امتیاز یا انفرادیت نہ ہو اور ان کا اسلوب بیان خالی تصنع اور تکلف ہو۔ مگر شاعری اپنے آپ کو قبول کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

یہاں ایک دوسری الجھن یہ نکلتی ہے کہ محسنؔ اچھے شاعر سہی لیکن کیا یہ بات مناسب تھی کہ وہ دربار رسالت میں ایسا جذبہ، ایسا لب ولہجہ اور ایسا انداز بیان لے کر پہنچیں؟ اول تو محسنؔ کے عقیدے کی رو سے رسول ﷺ کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے کسی امتی کو رد نہیں کرتے اور انہیں ہر قسم کی پر خلوص عقیدت قبول ہے۔ یہ اعتماد محسنؔ کی شاعری کی جان ہے۔ یہ مصرع دیکھ لیجئے، کیسے لاڈ میں آ کے بولے ہیں۔

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ

پھر جس چیز کو مغرب والے اور ان کے زیر اثر ہم بھی قرون وسطیٰ کی ذہنیت کہتے ہیں وہ عجیب شے تھی۔ کہا جاتا ہے کہ فرد کی اہمیت کا حقیقی تصور انسانیت کی تاریخ میں پہلی بار اٹھارویں صدی کے یورپ میں پیدا ہوا لیکن انیسویں صدی کے معتوب آرنلڈ نے "اعلیٰ سنجیدگی" کا ڈھکوسلا شروع کیا۔ جس نے کم سے کم ساٹھ ستر سال سے خود ہمارے ادب کو خراب کر رکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس شخص میں "اعلیٰ سنجیدگی" نہ ہو وہ بیچارہ کیا کرے؟ کیا ایسا شخص حقیر و ذلیل ٹھہرے گا؟ اس کے برخلاف قرون وسطیٰ کی ذہنیت (جو ہمارے یہاں اور کچھ نہیں تو غدر کے زمانہ تک ضرور چلی) ہر انفرادی مزاج اور طبیعت کو قبول کر لیتی تھی۔ اس کی نوعیت کے لحاظ سے اسے عزت کا درجہ دیتی تھی اور اعلیٰ ترین موضوعات کے سلسلے میں بھی انفرادی مزاج کو اظہار کی اجازت دینے سے انکار نہ کرتی تھی۔ رومانی دور کو انفرادیت پرستی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے لیکن اس دور میں رونا انسان کی بلندی کی علامت تھی اور ہنسنا معیوب، جب ہمارے ادب پر مغرب کی رومانیت کا اثر پڑنا شروع ہوا یعنی مولانا حالیؔ کے زمانے میں تو ہمارے ادیب بھی ہنستے ہوئے جھینپنے لگے مگر قرون وسطیٰ کی ذہنیت انسانی فطرت کے ہر عنصر کو اعلیٰ ترین مقاصد کے لئے استعمال کر لیتی تھی بلکہ اصرار کرتی تھی کہ ہر انسانی صلاحیت اپنے دین و ایمان کی خدمت میں صرف کی جائے اور انسان کے لئے اس سے بلند درجہ اور کوئی نہ تھا کہ وہ جیسی کچھ بھی صلاحیتیں رکھتا ہوا اپنے خدا کے حضور میں پیش کر دے چنانچہ محسنؔ کاکوروی کو زمانہ اچھا ملا۔ ممکن ہے ان کے مزاج میں ٹھٹھول بازی اور ہنسوڑپن کے سوا اور کچھ نہ ہو، یا انہوں نے شاعری کو محض خیال آرائی اور لفظوں کی بازی گری تک محدود کر دیا ہو۔ لیکن یہ چیزیں بھی انسانی فطرت کے عناصر ہیں اور اس اعتبار سے اعلیٰ ترین مقاصد کے لئے استعمال ہونے کے لائق۔ ان کے معاشرے نے انہیں یہ چھوٹ دے رکھی تھی اور انہوں نے جو ہنر بھی سیکھا تھا اس کے کمالات بے جھجک دربار رسالت میں پیش کر سکتے تھے۔ ایسا راسخ ایمان، ایسی طمانیت قلب اور یہ سچی انفرادی آزادی ہمارے یہاں سے غدر کے بعد غائب ہونے لگی اور سرسید کی عقلیت اور افادیت اور مولانا حالیؔ کی پیروی مغربی نے محسنؔ کی قسم کی نعت گوئی کو ناممکن بنا دیا۔

مطلب یہ کہ نعت گوئی کے سلسلے میں محسنؔ کاکوروی پر کسی خاص اسلوب یا خاص لب ولہجہ کی پابندی نہ تھی۔ سوائے اس روایتی پابندی کے "باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" چنانچہ انہوں نے وہی انداز بیان اختیار کیا جو اس زمانہ میں لکھنوی شاعری کا تھا اور جو انہوں نے سیکھا تھا، گو اس انداز بیان کو استعمال اس طرح کیا کہ بازی گری، کرشمہ کاری بن گئی اور لفاظی میں معنویت پیدا ہو گئی چونکہ حقیقت محمدی بذات خود ایک ایسی چیز ہے جو الفاظ کی گرفت میں نہیں آ سکتی اور جس کے متعلق محض خیال آرائی ہو سکتی ہے، اس لئے بے دھڑک خیال آرائی اور مضمون آفرینی کر کے محسنؔ نے تصنع کو خلوص میں بدل دیا۔ خیر اس قلب ماہیت کا بیان تو بعد میں ہوگا۔ پہلے محسنؔ کی غزلیہ شاعری کے نمونے دیکھ کر اندازہ لگایئے کہ انہوں نے لکھنؤ کی مروجہ شاعری سے کیا سیکھا اور شروع سے ان کی طبیعت کا رنگ کیا تھا۔

گل و بلبل کو لئے ساتھ صبا چلتی ہے   کچھ عجب رنگ کی گلشن میں ہوا چلتی ہے

آنکھ پر ٹھہری نظر مائل ابرو ہو کر	ہم پھرے کعبہ سے بے قبلہ تو ہندو ہو کر
کیوں نکلتے ہو ابھی کنج لحد سے محسن	حشر کا دن ہے بہت گرم ہوا چلتی ہے
رات بھی دوزخی آئے جو کرو وعدۂ جمال	کہئے تو چار گھڑی دن سے اندھیرا ہو جائے

کچھ تو لکھنوی شاعری میں اور پھر خود محسن کے مزاج میں جو ولولہ شوخی‘ جولانی اور نشاطیہ کیفیت تھی اسے نعت گوئی میں آ کر انہوں نے بدلنے کی کوشش نہیں کی اور نہ یہ چیز انہیں اپنے موضوع کی سنجیدگی کے خلاف معلوم ہوئی‘ بلکہ موضوع نے اس انداز میں ایک نئی معنویت پیدا کر دی کہ ذات محمدی کی برکت سے دنیا میں نشاط کے سوا کسی اور کیفیت کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ چنانچہ موضوع کے تقدس نے ان کی شوخی کو بھی سنجیدگی اور پاکیزگی عطا کر دی۔ اس شعر میں محسن نے اپنی نعتیہ شاعری کی صحیح تعریف پیش کر دی ہے۔

سلام حق کو لے کر دم بدم جبریل آتے ہیں
عجب مضمون کھپا اس بیت میں آورد و آمد کا

آورد کو آمد بنانے والی چیز ایک تو خود موضوع کی وسعت‘ سنجیدگی اور ہمہ گیری ہے۔ دوسرے محسن کی جسارت جو ضدین کو نہ صرف ایک جگہ جمع کرتی ہے بلکہ ان کی کایا پلٹ کر کے رکھ دیتی ہے۔ مثلاً جزالت الفاظ اور بازاری لب ولہجہ سے گریز قصیدے کی متانت برقرار رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے لیکن محسن کا ایمان ایسا کچھ نہیں جو رکاکت سے ڈر جائے وہ رکاکت سے بھی ایک مضمون نکال لیتے ہیں۔ مثلاً ایک مشہور مصرع ہے۔ غالباً انشا کا...... ''دیکھ آئینے کو کہتی تھی کہ اللہ رے میں......'' محسن اسے یوں کام میں لائے ہیں

ناز سے خانۂ قدرت نے کہا واہ رے میں
بول اٹھا عارض پرنور کہ اللہ رے میں

چونکہ جمال محمدی کی صحیح تعریف صرف اس کا خالق کر سکتا ہے اس لئے جو چیز عام انسان کے حق میں ابتذال ہوتی وہ یہاں لطافت بن گئی۔ اس طرح موضوع محسن کو شوخی پر اکساتا ہے اور محسن کی شوخی موضوع کی لطافت کو اور نمایاں کرتی ہے۔

موضوع کے تقدس اور بیان کی شوخی کے اجتماع ضدین ہی سے نعت میں ان کا امتیازی رنگ پیدا ہوا ہے۔ ان کے فرزند مولوی نور الحسن ان کے کلام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ''انہوں نے شاعرانہ شوخی کو گستاخانہ وخلاف ادب سے بچا کر متانت‘ سنجیدگی ونفاست کے ساتھ نعت گوئی میں صرف کیا بیان حکایت میں شاعرانہ شوخی حدود تہذیب ومتانت سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتی ہے اور مبالغے کے استعارات صلاحیت کا جوہر اپنے ساتھ لئے رہتے ہیں ان کی سدا بہار طبیعت حسرت ویاس کے مضامین سے الگ رہتی ہے۔ شگفتگی طبع اور زندہ دلی کی برقی روشنی ہر بیان میں اپنی چمک دکھاتی ہے۔ مضامین کی بلند پروازی‘ الفاظ کا شان وشکوہ‘ بندش کی چستی ان کا خاصہ طبیعت ہے۔'' اس بیان کے مطابق محسن کی نعتیہ شاعری کے اجزائے ترکیبی تین ہوئے۔

(۱) موضوع کی متانت (۲) مضمون آفرینی اور بلند پروازی (۳) شوخی۔

محسن اپنی شاعری کے اجزائے ترکیبی سے اچھی طرح واقف تھے اور انہوں نے باقاعدہ شعوری طور پر اپنے اسلوب کو نکھارا تھا۔ مثلاً مضمون آفرینی کے متعلق اشارے دیکھئے۔

مضموں کو ہے ازدیاد کا شوق	مصرع کو ہے مستزاد کا شوق

ہے جی میں اس زمیں کو تختۂ سرو رواں کیجئے
قیامت ایک سیدھا سا ملا ہے قافیہ قد کا

مضموں نئے روپ کی دلہن ہے	اک راستی اکھ بانک پن ہے
منشیٔ دفترِ عالی کا کرم کافی ہے	مشق کرنے کو میرے لوح وقلم کافی ہے
وقت ہے برہمی انجمن گردوں کا	کہ شفق پر بھی ارادہ ہے مرا نجموں کا

اسی طرح بیان کی شوخی کا اعتراف جا بجا ملے گا۔

یوں خرامہ بشوخی قلم رعنا ہے

مجھ کو گستاخ نہ کرتا جو ترا عشق کہن

ہو معاف اب نظر لطف سے بے ساختہ پن

اس عشق کہن اور نظر لطف کے بل پر محسن شوخ بیانی کی ہمت کرتے ہیں اور انہیں پوری طرح احساس ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کا سارا امزاج اسی شوخی اور جسارت میں پنہاں ہے اور تقابل‘ تضاد اور اجتماع ضدین کے ذریعے پیدا ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے ایک شعر میں اپنی شاعری کی بالکل صحیح تعریف پیش کر دی ہے۔

ہم دکھاتے ہیں طبیعت سے تماشے کتنے	عالم نور میں چھوڑ آئے ہیں شوشے کتنے

عالم نور کے بیان میں بھی اپنی طبیعت کی شوخی کو دبایا نہیں بلکہ ابھارا‘ ان کے معاشرے نے اس کی اجازت دی‘ موضوع کی رنگا رنگی نے شوخی کو کھل کھیلنے کے مواقع فراہم کئے اور ساتھ ہی کثافت میں لطافت پیدا کی۔ نعتیہ شاعری میں یہ جرأت کوئی اور شاعر نہ کر سکا تھا‘ اس لئے محسن کا کلام عالم نور میں شوشے چھوڑنے کی بدولت اوروں کے کلام سے امتیاز حاصل کر گیا۔ یہ ہے محسن کی نعتیہ شاعری کا نقشہ۔

اس شاعری میں وہ جذب وسرمستی نہ سہی جو ''محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم'' میں ہے۔ اس پر یہ اعتراض بھی وارد ہو سکتا ہے محسن کاکوروی نے نعت نہیں قصیدہ کہا ہے۔ مگر نعت کا میدان ہی ایسا مشکل ہے کہ محسن سے بڑے شاعر عالم نور میں شوشے چھوڑنے کا تماشہ تک نہ دکھا سکے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ جو چیز بیان کی گرفت میں نہ آ سکے اس سے عہدہ برآ ہونے کا ایک طریقہ یہ ہے۔ یہ شوشے چھوڑنا اور اس طریقہ کار کا جواز خود محسن کے عقیدے کے اندر موجود ہے۔ لہٰذا اب محسن کی شاعرانہ پھلجھڑیوں کے نمونے دیکھئے:۔

الٰہی کس کے غم میں نکلے آنسو چشم فتاں سے
کہ عطر فتنہ میں ڈوبا ہے رومال اس سہی قد کا
کہاں ہے آتش یاقوت لب میں وہ بھڑک باقی
کہ خط سبز نے چھینٹا دیا آب زمرد کا
چھپے کیوں مجھ سے تم سب جنتے ہیں شاخیں نکلتی ہیں
تمہارے پردے میں عالم ہے ذوالقرنین کی سد کا
ہوا میں ناتواں سن کر صدائے پائے دلبر کو
مجھے کھٹکا تھا مثل ہمزہ وصل اس کی آمد کا
نکالی چیستاں چوٹی کی گیسوئے مسلسل سے
معما نام رکھا ہے ترے موئے معقد کا
ملا ہے لب کو جس کے وصف سے گنجینۂ معنی
زباں نے رتبہ پایا ہے کلید قفل ابجد کا
عجب کیا ہے جو خواب ناز میں سوتی رہے ناگن
نہ کھولے آنکھ گر چھینٹا نہ دیں آب زمرد کا

ہر شعر میں آپ کو وہی مبالغہ آرائی سے لفظوں کی بازی گری ملے گی؛ جس کی مذمت مولانا حالی کر گئے ہیں۔ اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ محسن کاکوروی متاثر ہوئے بھی ہیں تو کس سے "مثنوی گلزار نسیم" سے جو آج کل اردو تنقید میں تصنع اور مہمل خیال آرائی کا شاہکار سمجھی جاتی ہے "چراغ کعبہ" اور "صبح تجلی" کی بحر تک وہی ہے جو "مثنوی گلزار نسیم" کی۔ مثلاً چند شعر دیکھئے جن میں یہ اثر نمایاں ہے:-

بھیگی ہوئی رات آبرو سے
داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلی گل اندام
شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال
جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
آنا کھلتا ہوا نہ جانا
انداز خرام صوفیانہ
کہتے میں ہیں گل یہ کیا کھلا ہے
اس رات کا رنگ روپ کیا ہے
دامان نگاہ بن کے پھیلی
کس دیدۂ منتظر کی پتلی
اعلٰی کی طرف ہے میلی انوار
پروانہ چراغ سے خبردار
شبنم کی ہے پر لگائے گلشن
بلبل سے کہو کہ پکڑے دامن
ذروں کی طرح نہ دشت اڑ جائیں
دیوانوں سے کہئے ہوش میں آئیں
شمشاد نہیں کسی کے بس میں
قمری نہ پڑی رہے قفس میں

رعایت لفظی، مراعات النظیر، صنائع بدائع کی بھر مار یہاں ہر وہ چیز موجود ہے جسے معیوب سمجھنے کی تلقین پچھلے سو سال سے ہو رہی ہے مگر محسن نے ایسے تصنعات کو فن شریف کیسے بنایا؟ اس رمز کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کے شعری اسالیب کا رشتہ ان کے موضوع اور ان کے عقائد سے ملائیں۔ رعایت لفظی بری چیز سہی لیکن محسن کی نعتیہ مثنویوں میں یہ رعایت تین دائروں میں یا تین سطحوں پر بیک وقت عمل کرتی ہے۔

(۱) انفرادی طور سے شعر کے اندر رعایت لفظی اور مناسبات کا استعمال۔

(۲) پوری مثنوی میں ایک خاص مضمون کی رعایت اور اس کے مناسبات کا انتخاب۔

(۳) مناسبات سے اس طرح کے مضمون کا نکالنا جن سے حقیقت محمدی کی طرف اشارہ ہو۔

اگر یہ رعایت لفظی اور مضمون آفرینی صرف الگ الگ شعروں میں ہی کام کر رہی ہوتی تو بھی ہمیں کم سے کم ان کی قوت ایجاد کی داد دینی پڑتی۔ جو پارے کی طرح بے تاب رہتی ہے اور مچلتی ہوئی ایک شعر سے دوسرے شعر میں نکلتی چلی جاتی ہے، لیکن یہ مسلسل اور انتھک مضمون آفرینی بجائے خود حقیقت محمدی ﷺ کی گونا گوں کیفیتوں کا ایک استعارہ ہے جو لمحہ بہ لمحہ نئی سے نئی شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ محسن کے کلام کی شگفتگی اور تازگی سدا بہار جمال محمدی کا ایک عکس ہے۔ محسن کا کمال اس بات میں ہے کہ ان کا آئینۂ شعر کبھی ماند نہیں پڑتا اور ہر لحظہ یہ بدلتے ہوئے عکس قبول کرتا رہتا ہے۔ ان کی قوت ایجاد صرف شعروں میں ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ مناسبات کو شعر میں، شعر کو مثنوی کے نقش میں اور اس نقش کو اپنے مستقل موضوع میں پیوست اور منضبط کرتی ہے۔ تنظیم کا یہ عمل کسی معمولی درجہ کے تخیل کے بس کا روگ نہیں۔ اس کے لئے تعمیری صلاحیت درکار ہے۔

چنانچہ محسن کے کلام کی صحیح داد اسی وقت دی جا سکتی ہے۔ جب ہم ان کے اسالیب شعر کو ان کے عقائد کے مطابق رکھ کر دیکھیں، لکھنؤ کی بہت سی شاعری کی خرابی یہ ہے کہ وہاں خیال آرائی اور مناسبت لفظی بجائے خود مقصد بن گئی ہے۔ محسن نے انہی چیزوں کو مقصد نہیں بلکہ ذریعہ اور وسیلہ بنایا۔ رعایت لفظی سے زیادہ انہوں نے رعایت معنوی ملحوظ رکھی۔ انہیں شوخی سے بھی کام لینا تھا اور پاس ادب بھی لازمی تھا۔ لہٰذا پہلی ہوشیاری تو انہوں نے یہ دکھائی کہ اپنی خیال آرائی کے لئے شوشے بھی چھوڑ لئے اور حد ادب سے آگے نہ نکلنے پائے پھر ادب اور شوخی کی یہ مسلسل آویزش ان کے کلام میں ایک مزید لطف پیدا کر گئی مثلاً کمر کی تعریف میں یہ شعر دیکھئے:-

نہیں ثابت قدم اس نفی سے استثناء بھی
یہ وہ لا ہے کہ نہیں اس سے بچا الا بھی

یا اسی قبیل کے چند اور اشعار

صاف و بے موہے نبی کا بر سیمیں شفاف
جیسے لفظوں سے حروف لک صدرک ہیں صاف
ہاں مگر سینہ سے ہے اک خط مشکیں تا ناف
جس کو کہتا ہے سخن ور کشش مرکز کاف

صدر پر نور کے شق ہونے کی تمثال ہے یہ
عقل کہتی ہے وہ آئینہ ہے اور بال ہے یہ

آیا سوئے بزم لی مع اللہ   آئینے میں جیسے پر تو ماہ

اسی طرح کی مزید مثالیں پیش کرنا تحصیل حاصل ہوگا۔ کیونکہ محسن کے بیشتر اشعار تلمیح طلب ہیں اور بیشتر مضامین اسلامی روایات اور اسلامی علوم سے اخذ کئے گئے ہیں۔ رعایت معنوی پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ محسن نے یہ نکالا ہے کہ پوری مثنوی ''صبح تجلی'' میں ایک مرکزی استعارہ رکھا ہے کتاب اور پھر اس مناسبت سے تمام مضامین اور تشبیہات تفسیروں اور مفسروں کے ناموں اور متعلقہ روایات سے نکالے ہیں۔ مثلاً

بیضاوی صبح کا بیاں ہے   تفسیر کتاب آسماں ہے
عنوان فلک ہے در منثور   لوح زرین سورہ نور
موقوف حدیث شب کی تصحیح   رکھ دیجئے طاق پر مصابیح
مظہر کا خطاب میرزا ہے   منظر کا لقب ابوالعلا ہے

کتاب کے استعارے کو اس مثنوی میں تو خیر انہوں نے کمال کو پہنچا دیا ہے۔ لیکن ویسے بھی یہ استعارہ انہیں بہت عزیز ہے۔

تیری صورت سے کھلے معنی ماقل و دل   انبیاء شرح مفصل ہیں تو متن مجمل
تو ہے خورشید تیرے سامنے انجم ہیں نبی   تو ہے شمسیہ تصور ہیں تو سب ہیں قطبی

اسی طرح علمی اصطلاحات سے مضمون نکالنے کا انہیں خاص شوق ہے۔ مثال کے طور پر علم صرف کی اصطلاحات کا استعمال دیکھئے:۔

لکھوں اک مختصر جملہ کہ روضہ ہے محمد ﷺ کا   یہی مسند الیہ اچھا سبب ہے رفع مسند کا
محمول کا کس طرف ہے موضوع   مسند کو کہا ہے کس نے مرفوع
یہ کس کی خبر کا مبتدا ہے   موصول کہاں کہاں صلہ ہے
ہیں کس سے مضاف یہ عجائب   راجع ہے کدھر ضمیر غائب

ایک استعارے اور اس کی شاخوں کو اتنی دور دور تک لے جانا ہی کوئی معمولی بات نہیں' یہ کام صرف شوخی نہیں بلکہ ذہانت اور تخیل مانگتا ہے۔ لیکن محسن نے تو خصوصیت کے ساتھ ''صبح تجلی'' میں اپنے موضوع اور استعارے کے درمیان ایک خاص ربط پیدا کیا ہے۔ یہاں نور محمدی ﷺ کا بیان مقصود ہے۔ جس کا عرفان شاعر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ علم وعرفان بذات خود نور ہے۔ پھر سارا علم وعرفان ذات محمدی ﷺ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ معنویت کتاب کے مرکزی استعارے اور اس سے نکلنے والے تمام استعاروں میں پنہاں ہے۔ اس التزام اور تکلف نے نظم کو اور بھی معنی خیز بنا دیا ہے' اور اسلوب کو معنی کے ساتھ یک جان کر دیا ہے۔

اسی طرح مثنوی ''چراغ کعبہ'' میں استعارے نظام شمسی اور کائنات سے لئے گئے ہیں۔ بدیہی سبب تو یہ ہے

کہ اس نظم میں معراج کا بیان ہے لیکن استعارے کا موضوع سے اصل رشتہ اور ہے۔ پوری نظم کے پیچھے یہ عقیدہ کام کر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ باعث تکوین کائنات ہیں۔

اس قسم کی خیال آرائی اور اس قسم کے استعارے تو خیر پھر بھی ایسی چیز ہیں جنہیں مولانا حالی اور ان کے پیروؤں کی ''اعلیٰ سنجیدگی'' بہ جبر واکراہ قبول کر ہی لے گی لیکن محسن کی تشبیہوں اور استعاروں کا میدان صرف قرآن وحدیث یا نظام شمسی تک محدود نہیں ہے۔ ان کی شوخی اور جولانی طبع ایسے ایسے استعارے نکال کر لائی ہے جنہیں نعت تو الگ رہی کسی سنجیدہ نظم میں استعمال کرتے ہوئے دوسرے شاعر ڈرتے مگر محسن بے دھڑک اور اطمینان کے ساتھ کھپا جاتے ہیں۔ استعارے انہوں نے زندگی کے ہر شعبے سے لئے ہیں۔ اس لئے فہرست بنانا تو مشکل ہے صرف چند نمونے پیش کروں گا۔

ساہوکارے کی اصطلاحات -

پلا بے حساب اب تو ساقی مجھے   دکھا اپنی اصل نہ باقی مجھے
کہاں ناتوانوں کو گرمی کی تاب   انہیں بخش دے کر کے ڈیوڑھا حساب
حساب ان کی نیکی ہی کی مد میں ہو   جو ان کی بدی ہے مری بد میں ہو

انگریزوں کے ساتھ جو نئے الفاظ اور نئی ایجادات آئی تھیں۔-

ہر اک دیدۂ تر ہوا تار گھر   اسی تار میں ہے ہماری خبر
ہوا بے قرار ان حق کا گذر   چلے تار برقی پہ جیسے خبر

پل صراط کے بیان میں۔-

یہ بگڑی ہے گردوں کی جیسی گھڑی   کہ ایک ایک پل میں ہو سو سو گھڑی

ترا اسم گرامی زیر بسم اللہ عنواں میں
ازل کے ہر صحیفے میں ابد کے ہر رجسٹر میں

ہندوؤں کی رسوم:۔

جہنم کے گھر میں غمی وہ گئی   مرا غصہ آتش ستی ہو گئی

ایسے استعارات سے اول تو انہوں نے قاری کو چونکانے کا کام لیا ہے۔ دوسرے بے جوڑ چیزوں کو بے ساختہ ایسے غیر متوقع طور پر ایک جگہ لاتے ہیں کہ پہلے تو پڑھنے والا حیران وششدر رہ جاتا ہے۔ موزونیت کا احساس تو بعد میں ہوتا ہے۔ ویسے تو شاعری میں یہ ایک مسلمہ طریقہ کار ہے لیکن محسن کے یہاں اس کی بڑی ریل پیل ہے اور انہوں نے اسے ایک عجب رعنائی اور گھنڑاپے کے ساتھ برتا ہے۔ خیر مثالیں دیکھئے۔

براق کی سبک روی -

یا دیدۂ منتظر میں نقشا   اڑتی ہوئی وصل کی خبر کا

خدا کے دیدار کا بیان -

پتلی میں ہے وہ جمالِ دل خواہ　　　جس طرح چنے پہ قل ہواللہ

حشر کے دن کے لئے دعا:-

یوں سر پہ ہو مہر آتشیں خو　　　ٹوپی میں کسی کی جیسے جگنو

بظاہر تو یہ شاعری نہیں بلکہ دل لگی بازی معلوم ہوتی ہے مگر تشبیہ سے مفہوم یہ نکلتا ہے کہ رسول ﷺ کی شفاعت ایسی کارگر ہوگی کہ قیامت ایک کھیل بن کر رہ جائے گی۔

جسارت اور بے ساختگی کی تین چار مثالیں اور دیکھتے چلئے۔

لب جاں بخش کی تشبیہ دمِ عیسیٰ سے　　　دی نہ دم دیتے رہے گرچہ مسیحا بھی مجھے
آبِ حیواں نہ کہا خضر نے گو چھینٹے دیئے　　　اب فقط رہ گئے خورشید کے جھوٹے شوشے
کہیں یاقوت تو وہ باتیں یہاں پائیں نہیں　　　لعل سمجھوں اسے آنکھیں میری پتھرائیں نہیں
باک اللہ وہ گردن ہے کہ فوارہ نور　　　جس سے ڈوبی عرق شرم میں ہے شمع طور
کسی محفل کی صراحی کا یہاں کیا مذکور　　　بزم تنزیہہ کی کہئے اسے سرجوش سرور
جس کی کیفیت اگر دیدۂ باطن میں نہ آئے　　　خلد میں شربتِ دیدار حق اچھو ہو جائے
ہنگام سپیدۂ سحر گاہ　　　ساعات میں روز شب کی واللہ
اک مخبر صادق البیاں ہے　　　پیغمبر آخر الزماں ہے
القاب نسیم دامن دشت　　　مخدوم جہانیاں جہاں گشت

استعارات کا یہ استعمال محسن کے یہاں محض ایک طریقہ کار نہیں رہا بلکہ ایک اندازِ فکر اور اندازِ احساس بن گیا ہے اور اس میں بڑا دخل ان کے عقائد کا ہے۔ ایسے استعارات کے ذریعہ عام رنگ و بو کے تنوع اور زندگی کی ہماہمی کا احساس تو انشاء بھی پیدا کر لیتے ہیں اور یہ چیز محسن کے یہاں بھی موجود ہے مگر محسن اس لئے انشاء سے آگے نکل جاتے ہیں کہ ان کے پورے نعتیہ کلام میں یہ عقیدہ جاری و ساری ہے کہ کائنات میں شکلوں کے تنوع کے پیچھے ایک وحدت پنہاں ہے اور یہ وحدت ہے ''احمد بلا میم'' کا نور۔ چنانچہ استعارات کی کثرت میں معنی کی وحدت پوشیدہ ہے۔ چونکہ ہر چیز کی حقیقت وہی ایک ہے اس لئے ایک چیز کا بیان دوسری چیز کی اصطلاح میں ہو سکتا ہے اور ہر جگہ سے بے جھجک استعارات لئے جا سکتے ہیں ...... کیونکہ ہر چیز وقیع ہے۔ اگر ہر چیز کے پیچھے حقیقت محمدی ﷺ ہے تو ہر چیز جاندار ہے، باحرکت ہے اور اپنی اصل کی طرف راجع ہے۔ اس عقیدے کی قوت سے محسن نے کائنات کی ہر چیز کو سمیٹ کے رسول ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا ہے۔

دوسرے نبیوں نے اچھے اچھے لقب پائے ہیں لیکن ہمارے نبی کا سیدھا سادا لقب ہے...... رحمت اللعالمین۔ اس جمع کے صیغے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ہستی متضاد حقیقتوں کو امتزاج و انضباط دینے والی ہے۔ محسن کا ایک نعتیہ شعر ہے

عاشقوں سے ہے موافق بخدا دور فلک　　　اب تو اضداد کو ہے شوق بہم پیوستن

یہ شوق بہم پیوستن ان کی ساری خیال آرائی اور مضمون آفرینی اور ان کے سارے استعارات کی تہ میں کارفرما ہے۔ مفہوم اور مطلب تو الگ رہا، ان کے اسالیب شعر کی بنیاد بھی اسی ''بہم پیوستن'' یا اجتماع ضدین پر ہے۔

چنانچہ یہ کہنا غلط ہوگا کہ یہاں تصنعات اور تکلفات کے سوا کچھ نہیں۔ سلاست اور سادگی پر بھی انہیں ایسی ہی قدرت حاصل تھی۔ ان کی نظم ''پیاری باتیں'' کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

چھینٹے دے دے کے رلاتا ہے مجھے
غیر بن بن کے بناتا ہے مجھے
زردی چھائی ہوئی رخساروں پر
سرسوں پھولی ہوئی انگاروں پر
مردنی چھائی ہے چہرہ دیکھو
اپنی جاتی ہوئی دنیا دیکھو
بند آنکھیں کئے روتے دیکھا
رات ہم نے تجھے سوتے دیکھا
بیٹھے بھلائے یہ سودا تجھ کو
کیا ہوا میرے کنھیا تجھ کو
جال پھیلائے ہیں منتر والے
بال کھولے ہوئے گھونگھرو والے
جان لیتے ہیں نکھرنے والے
تم سلامت رہو مرنے والے

محسن نے اپنے شاعرانہ کمالات کے بارے میں کہا ہے　بڑے استاد نے مجھ کو سکھایا ہے پھری گدکا۔ اگر انہوں نے نعت کا میدان اختیار نہ کیا ہوتا اور ان کے عقائد ایسے نہ ہوتے تو شاید ان کی شاعری پھری گدکا بن کے رہ جاتی لیکن موجودہ صورت میں ان کا کلام ''بہم پیوستن'' کی صنعت کا ایک شاہکار ہے۔ کیونکہ اس میں طرح طرح کے اضداد گھل مل کے یکجان ہو گئے ہیں　شوخی اور ادب، تکلف اور سادگی، خیال آرائی اور سہل ممتنع، علمیت کی خشکی اور بیان کی رعنائی، متانت اور ٹھٹھول، عالمانہ الفاظ اور روزمرہ کے الفاظ، عالم طبعی کا حسن اور عالم روحانی کی طہارت، بلند و پست، ناممکن البیان کا بیان، محسن کی شاعری آپ کو ضدین کا امتزاج پیدا کرتی ہوئی نظر آئے گی، معنی اور اسلوب دونوں اعتبار سے محسن کی بنیادی صفت ہی یہ ہے کہ وہ دو متضاد چیزوں کو ایک جگہ لا کر کشاکش پیدا کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان دونوں کو ایک دوسرے میں ضم کر کے یہ کشاکش رفع کرتے ہیں۔ یہ عمل ان کے ہاں مسلسل چلتا رہتا ہے۔

یہ وہ صفت ہے جس کے بل پر اس سے بڑے درجے کی شاعری بھی ہو سکتی ہے۔ مگر محسنؔ ان لوگوں میں نہ تھے جو اپنی جان گھلا کر نئے حقائق دریافت کرتے ہیں۔ یا اپنے ایمان کو شک کی بھٹی میں تپا کے نکھارتے ہیں۔ انہیں جو تصورات اپنے ماحول سے ملے وہ انہوں نے قبول کر لئے اور اسی پر قناعت کی۔ بہر حال یہ اطمینان محسنؔ کا کوروی سے ایسی شاعری کرائے گیا جس نے کم از کم اس زمانے میں ہزاروں کا دل موہ لیا۔

اب آخر میں اس سوال کی طرف آیئے کہ محسنؔ کے پورے نعتیہ کلام میں سے صرف ''سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل'' ہی کو اتنی زبردست مقبولیت کیوں حاصل ہوئی ہے..... جو نظمیں ضرب الامثال کی حیثیت حاصل کر لیتی ہیں ان کی ہر دلعزیزی کا سبب محض ادبی نہیں ہوا کرتا۔ ایسی نظمیں عموماً صرف افراد کی نہیں بلکہ پورے اجتماعی گروہ کی کوئی نہ کوئی لاشعوری ضرورت پوری کرتی ہیں یا کسی پوشیدہ جذباتی الجھن کا تھوڑا بہت حل سمجھاتی ہیں۔

برصغیر ہند کے مسلمانوں کا ایک بہت ٹیڑھا جذباتی مسئلہ رہا ہے۔ ہندو اور مسلمان نہ تو ایک دوسرے کو جذب کر سکے نہ ختم کر سکے۔ اس لئے دونوں کے درمیان منافرت کا ایک مستقل رشتہ قائم ہو گیا۔ اس لئے مسلمانوں نے کبھی تو ہندوؤں کو بت پرست کہہ کر انہیں رد کیا اور کبھی ان کے عقائد قبول کئے ان کی تہذیب کے بعض عناصر سے محبت کرنی چاہی۔ چنانچہ بعض صوفیاء نے رام چندر جی اور کرشن چندر جی کو پیغمبروں کا درجہ دیا۔ یا حسرت موہانی نے نعتوں کے ساتھ ساتھ کرشن جی کی مدح میں غزلیں کہیں۔ پھر دوسری چیز یہ تھی کہ مسلمانوں کا خدا تو عالم طبعی سے بلند تر ہے اور ہندوؤں کا خدا اسی عالم خاکی میں رہتا ہے۔ چنانچہ ہندو جس آسانی کے ساتھ عالم طبعی سے محبت کر سکتے ہیں اس آسانی کے ساتھ مسلمان نہیں کر سکتے۔ برصغیر ہند سے باہر بھی عام مسلمانوں کے لئے یہ بات ہمیشہ ایک مسئلہ بنی رہی ہے کہ مادی اور طبعی حقیقت کے بارے میں کیا رویہ اختیار کریں۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی روایات کا اس سرزمین سے کوئی واسطہ نہ تھا جہاں ہندی مسلمان رہتے تھے اسلام ایک عالم گیر مذہب سہی لیکن انسانی فطرت مذہب کے معاملے میں بھی مادی مناسبات ڈھونڈتی ہے جن ملکوں میں پوری کی پوری آبادی مسلمان ہو گئی وہاں اسلامی تصورات کا مقامی مناسبات پیدا کر لینا کچھ ایسا مشکل نہ تھا جیسے ایران میں ہوا مگر یہاں ہر مقامی عنصر کے پیچھے ایک مذہبی عقیدہ تھا جو مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ تھا۔ جب سے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ہندوستان سے اٹھا یہ کشمکش اور بھی زور پکڑ گئی اور مسلمان مقامی عناصر سے دور ہٹنے یا ان کے قریب آنے کی کوشش کئے گئے اس قسم کے اشعار جیسے۔

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے — میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے
احمد پاک کی خاطر تھی خدا کو منظور — ورنہ قرآن اترتا بزبان دہلی

اسی جذباتی الجھن کی پیداوار ہیں۔

''سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل'' والے قصیدے میں اجتماع ضدین کی وہ تمام قسمیں موجود ہیں جو محسنؔ کی شاعری کی بنیاد ہیں بلکہ یہاں محسنؔ کا فن اپنے عروج پر ہے مگر ان کے علاوہ اس میں ایک اور طرح کا

امتزاج ہے جس کی جھلکیاں تو پہلے بھی دکھائی دیتی ہیں مگر جو اس شان کے ساتھ کسی اور نعت میں نمودار نہ ہوا تھا۔ عالم طبعی کو جس کیف کے ساتھ محسنؔ نے یہاں قبول کیا ہے اس کا تو نشان بھی ان کی کسی اور نظم میں نہیں ملتا۔ فطرت اور انسان اس طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے ہیں کہ انسانی عوامل کا بیان فطرت کی اصطلاح میں ہوا ہے اور فطرت کا بیان انسانی زندگی کی اصطلاح ہیں۔

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
دھر کا تر سا بچہ ہے برق لئے جل میں آگ
ابر چوٹی کا برہمن ہے لئے آگ میں جل
ابر پنجاب تلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم
برق بنگالہ ہے ظلمت میں گورنر جنرل
جوگیا بھیس کیے چرخ لگائے ہے بھبوت
یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمبل
خوب چھایا ہے سرگوکل و متھرا بادل
رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا دل
دل بے تاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی
چشم پر آب کا ہے ایک کرشمہ بادل
راجہ اندر ہے پری خانے کا پانی
نغمۂ نے ہے سری کرشن کنھیا بادل

محسنؔ نے عناصر فطرت میں ایسی زندگی کی لہر دوڑائی ہے۔ روح فطرت کی تازگی اس طرح نچوڑی ہے۔ انسان اور فطرت میں وہ انضباط پیدا کیا ہے کہ صرف ہند اسلامی تہذیب میں نہیں بلکہ پوری اسلامی تہذیب میں اس نظم کا ایک خاص مقام ہے اور مسلمانوں کے یہاں فطرت کا جو تصور رہا ہے اس کے متعلق کچھ کہنا ہو تو اس نظم پر غور کئے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اس نظم سے اندازہ ہوتا ہے کہ یورپ کے مستشرقین نے اردو سے بے اعتنائی برت کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

فطرت کے علاوہ دوسری چیز جسے محسنؔ نے جذب کرنے اور اسلامی تصورات کے ساتھ انضباط دینے کی کوشش کی ہے۔ مقامی عناصر ہیں جن کا تعلق سری کرشن سے ہے چونکہ سری کرشن اوتار بھی ہیں اور جسمانی محرکات سے ان کا خاص رشتہ ہے۔ اس لئے فطرت کے حسن اور مقامی عناصر کی لطافت کے محسنؔ ہوس وعشق اور جسم وروح کی دوئی مٹانے میں بھی کامیاب ہوئے ہیں۔ یہاں بھی وہی امتزاج کا عمل کام کر رہا ہے۔

گھر میں اشنان کریں سروقدان گوکل

جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے ایک طول امل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دوچار گھڑی
پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش کا نہ ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

ان اشعار میں عربی و فارسی اور ہندی الفاظ کا سنگم بھی معنویت سے خالی نہیں اور اضداد کے اسی امتزاج پر دلالت کرتا ہے۔ الفاظ کے ذریعہ محسنؔ نے ہند و عرب کو گلے ملا دیا ہے۔

اس قصیدے میں سب سے گہرا اجتماع ضدین کفر و اسلام کا ہے۔ امیر مینائی اور خود محسنؔ نے تشبیب کا جواز پیش کرتے ہوئے یہ شرعی حیلہ تو ضرور نکالا ہے کہ قصیدے میں نور اسلام کو ظلمت کفر پر غالب آتے دکھایا گیا ہے۔ یہ بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں۔ محسنؔ کے عقیدے کے مطابق اسلام کفر سے بلند تر درجہ رکھتا ہے اور انہوں نے اپنے پورے کلام میں اجزائے شعر کا استعمال اس اصول کے مطابق کیا ہے۔

روئے معنی ہے بہکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف　　تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل

لیکن اس غلبہ اسلام کا تعلق فکری عنصر سے زیادہ ہے۔ قصیدے کی جذباتی کیفیت کچھ اور کہتی ہے ہر قصیدہ نگار کی طرح محسنؔ نے بھی تشبیب پر مدح کی نسبت زیادہ زور دیا ہے اور تشبیب کی ملاحت بیان آگے چل کر کم ہو گئی ہے۔ سری کرشن کے مناسبات جس چٹخارے کے ساتھ نظم ہوئے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کفر کوئی ایسی چیز نہیں جس سے گھبرایا جائے۔ خصوصاً قصیدے کا خاتمہ

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

صاف اعلان کرتا ہے کہ اسلام نے کفر کو قبول کر لیا۔ اس قصیدے کی سب سے بڑی جذباتی معنویت یہی ہے۔

اسلام کو چھوڑے بغیر کفر و اسلام کا امتزاج
اور یہی اس قصیدے کی مقبولیت کا راز ہے۔

یہ قصیدہ پڑھتے ہوئے محسنؔ کی پوری شاعری کے بارے میں ایک سوال میرے ذہن میں پیدا ہوتا ہے جس کا میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ نعت گوئی میں محسنؔ نے جس شوخی سے کام لیا اس میں کرشن بھگتی کی روایت کو دخل ہے یا نہیں؟ مجھے محسنؔ کی شاعری کی کمزوریوں کا احساس ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ جذب و سرور کی شاعری نہیں بلکہ مجلس آرائی اور طباعی کی شاعری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ محسنؔ نشاطیہ رنگ میں ایسے ڈوبے کہ قیامت کے بیان اور پیری خداوندی کے بیان میں سخت ناکام رہے۔ لیکن محسنؔ کا کلام محض کامیاب یا اچھی شاعری نہیں۔ یہ ایک تہذیبی مظہر ہے۔ اس سے ہمیں اپنی قوم کی اندرونی نشو و نما اور اس کی سمت کا پتہ چلتا ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب کی تاریخ میں ان کا کم سے کم ایک قصیدہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

میں نے یہ مضمون اس امید میں نہیں لکھا کہ محسنؔ کی شاعری کو حیات نو مل جائے گی اور لوگ تو الگ رہے ہمارے شاعروں میں سے بھی مختار صدیقی کے سوا کسی نے محسنؔ کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ یہ شاعری ایک خاص معاشرے اور ایک خاص ذہنیت کی پیداوار تھی رات گئی بات گئی۔ اب دوسرے ذہن ہیں اور ان کی دوسری ضرورتیں ہیں۔ محسنؔ کا کلام وہیں پہنچ گیا' جہاں ہر کتاب آخر میں پہنچتی ہے۔ کتب خانے میں؟ ممکن ہے موہنجوداڑو کی طرح کسی دن یہ بھی برآمد ہو جائے۔ بہر حال دو شخص تو اسے پڑھتے ہی رہیں گے۔ ایک حضرت جبرئیل ایک میں۔

1959ء

(ستارہ یا بادبان)

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

مولوی سید محمد محسن کاکوروی

سید محمد محسن کاکوروی کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد حجاز کی سکونت کو ترک کر کے قصبہ سحرام میں آ بسے تھے۔ یہ قصبہ بغداد و ممالک خراسان کے بیچ میں واقع ہے۔ ہندوستان کا رخ کرنے والے بزرگ قاری محمد صدیق ہیں جن کی اولاد کا سلسلہ پھیل کر محسن تک پہنچا۔ محسن کے اجداد میں قاری امیر سیف الدین نے کاکوری ضلع لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت سے ان کی اولاد اس قصبہ کو برابر وطن بنائے رہی۔ حضرت محسن بھی یہیں سنہ 1242ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی حسن بخش تھے۔ محسن سات سال کی عمر تک اپنے دادا مولوی حسین بخش (شہید) کے زیر تربیت رہے۔ مذہبی رنگ بچپن ہی سے طبیعت پر غالب تھا نو سال کی عمر میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جس کی کیفیت انھی کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہے:

> ''شبے کہ صبح آں روز جمعہ تاریخ نہم ذی قعدہ سنہ 1251ھ بود بہ عمر نہ سالہ و چند ماہ در کنار جد بزرگوار خود بہ مقام اٹاوہ در خواب دیدم کہ بصحرائے ہمراہ جد بزرگوار خود دست گرفتہ بطرفے می روم۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تشریف می آرند۔ بدست مبارک ایشان تسبیحے ست کہ دانہائے کلاں سیاہ دارد۔ پس دست من و جد بزرگوار من گرفتہ بمکان پر نور باصفا بردند و روبقبلہ نشانیدہ اول جد بزرگوار را مرید کردند۔ بعدازاں مرا بمریدی گرفتند۔ متوجہ بسوی رستم شدہ دست و پا لش شستہ مسلمان کردند۔ می خواستند کہ اورا نیز مرید نمایند۔ فاما اتفاق نیفتاد و بعدازاں بیدار شدم۔''

یہ خواب تفصیل سے اس لئے بیان کیا گیا کہ محسن کی نعتیہ شاعری اسی خواب سے شروع ہوتی ہے۔ سب سے پہلی فارسی نظم جو انہوں نے لکھی وہ اسی خواب کی خوشی میں تھی۔

اپنے والد کے ساتھ محسن مین پوری میں رہے اور والد اور مولوی عبدالرحیم سے تحصیل علم کی۔ اصلاح سخن کے لئے محسن کو مولوی ہادی علی اشک جیسا متقی پرہیزگار اور باکمال استاد مل گیا۔

محسن مین پوری میں نظارت کے عہدے پر فائز رہے اور آخر قانون کے امتحان میں کامیاب ہو کر آگرہ میں وکالت شروع کر دی۔ ان کی قانونی قابلیت کو دیکھ کر متھرا کی منصفی کا عہدہ پیش کیا گیا جسے محسن کی آزاد طبیعت نے قبول نہ کیا۔ سنہ 1857ء کے ہنگامے سے پریشان ہو کر آگرہ چھوڑ دیا اور اپنے وطن کاکوری آ گئے۔ شورش فرو ہونے کے بعد مین پوری میں وکالت شروع کر دی اور اس پیشے میں بڑا نام پیدا کیا۔ ... دیانت ... معاملات کی صفائی کی بناء پر حکام اور عوام سب ہی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انتقال سے تین سال پہلے وکالت اور زمینداری دونوں سے قطع تعلق کر لیا اور فصوص الحکم کا مطالعہ اکثر کیا کرتے۔

دوشنبہ 18 صفر سنہ 1322ھ مطابق 24 اپریل سنہ 1905ء کو بہ مرض اسہال کبدی رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی سید محمد محسن کاکوروی کے کلیات میں ان کا حسب ذیل کلام شامل ہے -

(۱) گلدستہ کلام رحمت (سنہ 1258ھ) جو محسن نے 16 سال کی عمر میں لکھا تھا یہ 51 شعر پر مشتمل ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔

(۲) سراپائے رسول اکرمؐ (سنہ 1266ھ) میں 222 شعر ہیں۔ مسدس کے 74 بند ہیں

(۳) ابیات نعت (سنہ 1274ھ) اس کے 101 شعر ہیں۔ یہ قصیدہ ہے۔

(۴) چتر شاہنشاہی کے عنوان سے 12 بند کی ایک مثنوی ایک دوست کے لئے لکھی جو تکلس کی تبدیلی سے واجد علی شاہ اودھ کی مدح میں ہے۔ سنہ تصنیف 1275ھ۔

(۵) مثنوی ''صبح تجلی'' سنہ 1289ھ۔ سال ولادت اصبح اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) فغان محسن (سنہ 1289ھ) مثنوی۔

(۷) نگارستان الفت۔ (مثنوی)

(۸) مدیح خیر المرسلین (نعتیہ قصیدہ سنہ 1293ھ)

(۹) چراغ کعبہ (مثنوی معراج) (سنہ 1301ھ)

(۱۰) شفاعت ونجات (1311ھ مثنوی)

(۱۱) شرح حال روز قیامت (مثنوی ہے جو سنہ 1311ھ میں لکھی گئی)

(۱۲) حشر وحشت افزا مثنوی (سنہ 1311ھ۔)

(۱۳) طلب دعائے خیر نفوس قدسیہ (مثنوی سنہ 1311ھ)

(۱۴) نعت مع الطاف احمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وسلم (1311ھ حتیہ مثنوی)

(۱۵) شفاعت شفیع (مثنوی۔ سنہ 1311ھ)

(۱۶) خزانہ رحمت (مثنوی۔ سنہ تصنیف 1311ھ)

(۱۷) شفاعت مکرر (مثنوی۔ مصنفہ 1311ھ)

(۱۸)چشمہ اشت دعاوی مقبول (انشاء اللہ) (سنہ 1311ھ مثنوی)

(۱۹)رباعیات ۔ (جملہ 28)

(۲۰)نظمیں بطور مناجات

(۲۱)غزلیں (جملہ ۲۰)

(۲۲)نظم دل افروز (قصیدہ۔ سنہ 1318ھ)

(۲۳)انیس آخرت (قصیدہ۔ سنہ 1322ھ)

ان کے علاوہ کئی قطعات تاریخ بھی لکھے ہیں۔

محسن کاکوروی کا مقام اردو نعت گو شعراء میں نہایت بلند بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے کلام کے متعلق ڈاکٹر ابواللیث کا خیال ہے:

''محسن کی نعت میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے(۱)۔ محسن کا کلام بھی شاعرانہ صناعی کا نادر نمونہ ہے(۲) ہے۔ محسن کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادوں پر استوار ہے خلوص اور محبت شیفتگی اور عقیدت جو محسن کی زندگی کے عناصر ہیں انہی سے ان کی شاعری نے ترکیب پائی ہے۔''(۳)

اس رائے سے بالکل برعکس مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''متاخرین کے دور میں محسن کاکوروی نے نعت گوئی کو...... اپنا خاص فن بنالیا اور غیر معمولی شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس مقدس موضوع کے متعلق لکھنؤ کی برخود غلط شاعری کا استعمال اور بھی غلط طریقے سے کیا۔(۴)

اوران تمام خصوصیات کے اجتماع نے ان کے کلام کو اس قدر بے اثر کردیا کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں کسی مذہبی جذبے سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔

غرض انہوں نے جو نعتیہ قصائد اور نعتیہ مثنویاں لکھی ہیں ان کا بیشتر حصہ ایک معما اور چیستان ہے۔ نعت نہیں ہے۔(۵)

اب محسن کاکوروی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم دیکھیں گے کہ یہ بیانات ان کے کلام پر کہاں تک منطبق ہوتے ہیں۔ محسن کاکوروی کی زندگی کے حالات میں اس خواب کا ذکر کیا گیا ہے جس میں وہ رسول کریمؐ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ حقیقت میں وہی خواب محسن کی شاعری کا پیش خیمہ ہے۔ ایک نعتیہ قصیدہ جو محسن نے 16 سال کی عمر میں لکھا یہ ان کے نعتیہ کلام کے ارتقاء کی پہلی کڑی ہے۔ یہاں محسن کے خواب کو صرف اس حیثیت سے پیش نظر رکھنا ہے کہ سن شعور سے پہلے ہی شاعر کی فطرت اور جبلت جمال محمدی ﷺ پر فریفتہ رہی ہے۔ اور یہی کیفیت اسے ان جذبات کی ترجمانی کے لئے ابھارتی رہی۔ محسن نے اس کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعتیں محسن
کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لئے

محسن سخن سنجی کو پروردگار عالم کا ایک بڑا انعام قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں اس انعام کی عطا کا مقصد یہ ہے کہ اس کا سارا کمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں صرف ہو۔

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے
زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے

شاعر کو بجا طور پر فخر ہے کہ محاسن کلام کے سارے مراتب جو اس کی زبان کو حاصل ہیں ان کا استعمال اس نے غلط طریقے پر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی شاعر کا تخیل نعت کے مضمون کو چھوڑ کر کسی اور طرف چلا بھی جاتا ہے تو اس کا خلوص اسے پھر نعت کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

مضمون نعت میں پڑھوں محسن کوئی غزل
کیوں گل زمین شعر کی مٹی خراب کی

شاعر فنافی اللہ کے بجائے فنافی الرسول ہونے کی تمنا میں بارگاہ رسولؐ میں دست سوال دراز کئے ہوئے ہے۔

محسن کی التجا ہے فنا فی الرسولؐ ہو
اے بحر فیض لے خبر اپنے حباب کی

یہ خلوص و محبت کی باتیں ہیں۔ منطقی تنقید کی یہاں گنجائش نہیں۔

نعت گو شعراء میں محسن کی خصوصیت نہایت ممتاز ہے کہ ان کی شعر گوئی کی ابتدا نعت سے ہوئی ہے۔ محسن کے ذہنی ارتقا کو ہم ان کے کلام کی روشنی میں جانچیں تو ہمیں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ شاعر شاہد مجازی کی محبت کے مضامین سے گزر کر آخر عشق نبی کی طرف لوٹا ہے۔ دیگر شعراء کا مقام بھی نعت گو کی حیثیت سے نہایت بلند ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی گوناگوں خصوصیات نے انہیں اردو ادب میں ایک خاص رتبہ بخشا ہے لیکن انہیں یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ ان کی زبان کھلی تو ذکر محمدی ﷺ سے۔ محسن کے حسن کلام کا آغاز اور انجام دونوں صرف نعت ہیں اور ان کی ادبی عظمت کا سارا دارومدار ہی نعت گوئی پر ہے۔ شاعر اپنے کلام کی رنگینی کو زاد آخرت سمجھ کر ایمان و ایقان کے ساتھ بارگاہ اقدس میں پہنچتا ہے۔

خدا کے سامنے محسن پڑھوں گا وصف نبی
سجے ہیں جھاڑ یہ باتوں کے لامکاں کے لئے

محسن کے خلوص کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ جب اس قادر الکلام شاعر نے بارگاہ سرور کائنات میں مدح سرائی کی خدمت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار بنالیا تو پھر کسی دوسرے کی بارگاہ میں پہنچ کر مدح نہ کی (۶)۔

یہ ہے خواہش کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی
نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہلِ دنیا کی خوشامد کا

یہ نہیں کہ شاعر کا یہ جذبہ انعام و اکرام کی تمنا سے مستغنی ہونے کی بنا پر ہے اور اسی لئے وہ اہلِ ثروت کی مداحی کو عار خیال کرتا ہے۔ حقیقت میں جو انعام و اکرام محسن کی نظر میں ہے وہ اس کے حوصلے کی بلندی کا ثبوت دیتا ہے۔ شہنشاہِ کونین سے شاعر کی امیدواری ان اشعار سے ظاہر ہے۔

گزرے مری نعت کے سخن میں — رکھی ہو یہ مثنوی کفن میں
اس دم کھلے چشمِ آرزو مند — جب دفترِ حشر ہو چکے بند
جلدی کرے شوقِ قلبِ مضطر — کھل جائیں مرے براق کے پر
اس تیزی سے آئے وہ سبک بال — پیچھے رہیں کاتبانِ اعمال
پہنچے مرا بادپا ارم تک — پہنچا دے مجھے ترے قدم تک
رہ جائیں نہ میرے دل کے ارماں — مشکل سے نہ مشکلیں ہوں آساں
پھولے پھلے گلشنِ تمنا — عقبیٰ مری پھل ہو پھول دنیا
یاں شوق و خلوص و التجا ہو — واں میں ہوں آپ ہوں خدا ہو

وصفِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں محسن کے اشعار کا رنگ بھی یہی ہے۔

نورالقمرین و الکواکب — خورشیدِ مشارق و مغارب
ہاشم کی کلاہ میں گلِ تر — دامن میں قریشیوں کے گوہر
امکاں کے گہر کا ابرِ نیساں — دریائے قدم کا شاخِ مرجاں
صانع کے قلم کا رنگِ ایجاد — بندوں کے چمن کا سروِ آزاد

جس والہانہ جذبے کا اظہار محسن کے ہر لفظ سے ہو رہا ہے اس سے محسن کے خلوص کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ ذکرِ نبیؐ کے وقت شاعر کے احساسات تمام تر بیدار ہو جاتے ہیں اور اس کے دل و دماغ میں حقیقتِ محمدیؐ جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ اس کا یہی خلوص، کلام میں یہ خصوصیت ہر جگہ نمایاں ہے۔ چنانچہ ذیل کی مثالوں سے اس کی بخوبی وضاحت ہو جائے گی۔

ہم رتبہ صفیِ باصفا کا — مصداق خطاب مصطفیٰ کا
وہ روزِ ازل کا سعدِ اکبر — وہ اول ماخلق کا مظہر
وہ سطرِ اخیر صفحۂ راز — وہ مطلعِ اولین آغاز
وہ آخرِ انبیا مرسل — جس کا ثانی نہیں وہ اول
تنزیہہ کا لطف پانے والا — شانِ وحدت دکھانے والا

پھر وہ سببِ ظہورِ ایماں — ظلماتِ جہاں میں آبِ حیواں
جس کے شہداء کا واپسیں دم — مسیحِ انفاسِ ابنِ مریم
جیسا کرم آیتِ شفا ہے — بیمار کے درد کی دوا ہے
ہے جس کی اذان صبح گاہی — احیائے شریعتِ الٰہی
وہ گوہرِ آبِ زندگانی — جس کا اول نہیں وہ ثانی
شانِ احد احمدِ مکرم — شاہنشاہِ کشورِ دو عالم (۷)

پھر وہ گلِ نو بہارِ معنی — وہ گوہرِ شاہوارِ معنی
ہے جس کی زبان میں فصاحت — ہے جس کے کلام میں ملاحت
ہے جس کی شگفتہ رنگ تقریر — ینطق عن الہوی کی تفسیر
اعجازِ اثر بیانِ شیریں — قرآں کا ورق زبانِ شیریں
اورنگ نشینِ عزت و جاہ — زورِ سرپنجۂ یداللہ (۸)

محبوبِ خدا نبیِ مرسل — صبحِ دو یمینِ روزِ اول
شاہنشہ انبیاء محمدؐ — تاجِ سرِ اصفیاء محمدؐ
خورشیدِ سپہرِ دیں محمدؐ — نورِ عین الیقیں محمدؐ
سلطانِ فلک حشم محمدؐ — مہرِ عرب و عجم محمدؐ
جانِ و دلِ مرسلیں محمدؐ — روحِ روح الامیں محمدؐ
گنجینۂ اصطفا محمدؐ — آئینۂ حق نما محمدؐ (۹)

طوالت کے خوف سے اس قدر نعتیہ اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ محسن کے کلام میں ہر جگہ یہی رنگ جلوہ گر ہے۔

محسن کے کلام کی دوسری خصوصیت الفاظ کے انتخاب کا اعجاز ہے

شاعر اپنے گراں بہا موتیوں سے نظم کو سنوار کر شہنشاہِ کونین کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب بیان کرنے میں محسن کو خاص مہارت حاصل ہے۔ لکھنؤ کی شاعری کے سارے معائب میں ایک حسین پہلو وہاں کی زبان کا نکھار ہے۔ صنائع بدائع کے برتنے میں شعرائے لکھنؤ کا اعتدال قائم نہ رکھنا ایک ایسا عیب ہے جو حقیقت میں حسن کی بگاڑی ہوئی شکل ہے۔ لکھنوی رنگ میں ہم صنعت گری کے نادر نمونے پاتے ہیں لیکن یا تو وہ نری صنعت گری ہے یا جو مضمون اس کے اندر سمویا گیا ہے وہ نہایت قبیح

ہے۔اس لحاظ سے کہیں نہ کہیں لکھنؤ کی شاعری کے حسین چہرے پر بھی داغ ضرور نظر آتا ہے۔ عشق ومحبت کے صحیح جذبات کی لطافت کا فقدان' سوز وگداز سے محرومی' جذب' کیف' تڑپ اور درد والم کی نامرادی حسین سے حسین تخیل کے حسین چہرے سے رونق چھین لیتی ہے اور فن کار کی ساری صناعی اپنی جگہ رہ جاتی ہے۔ایک خاص ماحول کے لئے ایسا کلام ممکن ہے جاذب توجہ ہو لیکن اسے بقائے دوام حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جس بیان میں زندگی کی ان سرمدی کیفیتوں کو نہ سمویا جائے گا جو ازل سے انسان کے رگ وپے میں جاری ہیں اور ابد تک رہیں گی اس وقت تک اس کو زندہ شاعری میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ لکھنؤ کی اس رنگ کی شاعری نے اپنے انتہائی عروج میں بھی اردو ادب کے اس ذخیرے کو زینت بخشی جسے ناقد کے مذاق سلیم نے پست قرار دیا۔اس لحاظ سے محسن ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے ماحول کے اس بگاڑ میں اصلاح کی بہترین راہیں پیدا کیں۔نہ صرف لکھنؤ کے محاسن کے کھوٹ کو دور کیا بلکہ ان میں اور چار چاند لگا دیئے۔حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا محل استعمال ہی اس کی قدر کو گھٹاتا یا بڑھاتا ہے۔وہی زبان جو امراء القیس کے تخیل کی زد میں فنی حیثیت سے نہایت حسین لیکن اخلاقی لحاظ سے نہایت گھناؤنی تصویر کشی کے لئے مامور تھی قرآن کی زبان بن کر پاکیزگیوں کے موتی رولتی ہے اور احساسات کو ستاروں سے آگے پرواز کے لئے ابھارتی ہے۔محسن نے زبان کے اعجاز کو ایک ایسے موضوع کے لئے وقف کر دیا جو خود سراپا اعجاز ہے۔ان کے یہاں زبان کی سلاست' روانی' سادگی اور صوفیت ایک موسیقی کا سماں باندھ دیتی ہے جو سمجھ کر پڑھتا ہے' سر دھنتا ہے اور جو سمجھ کر نہیں پڑھتا وہ بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہتا۔یہ ضرور ہے کہ مطلب پر احاطہ کرنے کے لئے اور محاسن کو پوری طرح سمجھنے کے لئے کچھ علمی استعداد کی ضرورت ہے' ایسی استعداد جس میں دینی معلومات کو بھی دخل ہو۔اس لئے محسن کو عوام کا شاعر کہنے میں ناقدین کو تامل ہو سکتا ہے۔

محسن نے معانی کے دریا بہا دیئے اور الفاظ کی نشست' محل استعمال مضمون سے ان کی مناسبت کی نئی نئی صورتیں پیدا کر کے تخیل کے لئے بے پایاں وسعت کا سامان کیا۔اس ہمہ گیری کے باوجود خیال اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں پاتا۔پھر زبان کے آب وتاب کا یہ عالم ہے کہ

ہر گوہر قلزم تکلم
سیارۂ آسمان ہفتم

شاعر کا تخیل ہمیشہ بلند سے بلند مقامات پر کمندیں ڈالتا ہے۔اگر محسن کو یہ دعویٰ ہے کہ

جاتا ہے کلیم آسماں تک
معراج سخن ہے لامکاں تک

تو اس میں حسن مبالغہ کے ساتھ محسن کے کلام کی بڑی خصوصیت پائی جاتی ہے ساتھ ہی ان کا یہ کہنا بھی معنی خیز ہے کہ

مضموں نئے روپ کی دلہن ہے
ایک راتی لاکھ بانکپن ہے

محسن نے جن بدیع اور نادر تشبیہات اور استعاروں سے اپنے کلام کو مزین کیا ہے ان سے شاعر کے حسن مذاق اور شاعرانہ صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔محسن کی باریک بین نگاہ اور احساسات کی شدت تاثر نے تخیل کو جذبات کے پر لگا کر اڑایا ہے۔ساتھ ہی طبیعت کی رنگینی کچھ اس طرح جاگزیں ہے کہ کسی مقام پر ساتھ نہیں چھوڑتی۔شاعر الفاظ کو ہمیشہ پیچ وتاب میں مبتلا رکھتا ہے' اس لئے ان کی تشبیہیں نہایت متحرک اور کیف آور ہوتی ہیں۔مثلاً

سرسبزی طبع نکتہ پرور
کشاف رموز خلد و کوثر

کاغذ میں سطور کا تسلسل
ہے کھیت میں چاندنی کے سنبل

شبدیز قلم کی شان اعلیٰ
جنگل میں براق کے غزالہ

تحریک انامل سخن گو
جبریل امین کا دست بازو

از رفعت طبع من چہ پرسی
ہر حرف کی عرش پر ہے کرسی

ایک رات کی روشنی ہے دل میں
چھٹکی ہوئی چاندنی ہے دل میں

مدح جبریل کوئی معمانہیں ہے بلکہ شاعری کی صناعی کا اعجاز ہے۔

عمان کرم کے در منثور
قرآن شریف کے سورۂ نور

مانند دوا زمیں پہ نازل
مانند دعا سپہر منزل

وصف براق میں جو لطافت نادر تشبیہوں اور استعاروں سے پیدا کی گئی ہے اسے دیکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک غیر محسوس لطافت کا بیان اس سے زیادہ محسوس طور پر کیوں کر ہو سکتا ہے شاعر نے ایک غیر مرئی حقیقت کو حواس پر واضح کرنے کے لئے الفاظ سے سحر کا کام لیا ہے۔

مہ پارہ فلک سے آنے والا
اطلس کو کتاں بنانے والا

یوں چرخ سے نکلے وہ سبک رو
فانوس سے جس طرح کہ پرتو

شیشے سے پری چمن سے شبنم
سیپی سے گہر حباب سے دم

گلشن سے بہار جسم سے جاں
آنکھوں سے نیند دل سے ارماں

محسن کے کلام میں تلمیحات جا بہ جا ہیں جن کی مثالیں نمونہ کلام میں کثرت سے ملیں گی یہاں صرف دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

محبوب خدا وانس وجاں کا
مقصود رموز کن فکاں کا

منظور اشارہ فکبر
قائم بہ مقام قم فانذر

اس میں شک نہیں کہ تلمیحات کو سمجھنے کے لئے قرآن اور حدیث کے مضامین کا نظر میں رہنا ضروری ہے لیکن اس سے کلام کی خوبی پر کوئی حرف نہیں آتا۔حقیقت میں نعت کا موضوع ہی ''خلق قرآن'' ہے اور ظاہر ہے کہ محسن کا نعتیہ کلام تفسیر ہے ''خلقہ القرآن'' کی۔اسی لئے محسن کی صناعی اور لفظی رعایت کی ساری صورتیں قرآن اور حدیث کے مضامین کے اطراف گھومتی ہیں۔اس کے ساتھ یہ ضرور ہے کہ محسن انداز وبیان میں شاعرانہ صناعی سے کام لیتے ہیں اور دل ودماغ کے لئے لطف اندوزی کی سیکڑوں راہیں کھول دیتے ہیں۔

حسن تعلیل کا مضمون نہایت حسین ہے۔شعراء کے کلام میں ایسی مثالیں کم ملیں گی کہ مسلسل ایک صنعت کو مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہو۔

کیفیت وحی میں ہے بلبل
ہے وقت نزول مصحف گل

محو تکبیر فاختہ ہے   قد قامت سرودلربا ہے
اک شاخ رکوع میں رکی ہے   اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات   جاری لب جو سے التحیات
تسبیح شگوفہ یا مصور   تحریمہ تاک رب اغفر

کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے   اور آب رواں طواف میں ہے
ہر تخم بہ خلوت آرمیدہ   ہر ایک ثمر خدا رسیدہ
سجادہ بدوش لالہ یک سو   یک سو شب زندہ دار شبو
ہے استغراق نیلو فر کو   پاس انفاس ہے سحر کو
سیفی جو زبان خار پر ہے   نرگس کی نگاہ میں اثر ہے
کہتا ہے اشارۂ لجالو   موتو امن قبل ان تموتوا

جگنو کا ہوا میں یہ اشارہ   ظلمت کا چمک رہا ہے تارا
ہرقطرہ وضو کی فکر میں گم   ہر ذرہ کئے ہوئے تیمم
کہتا ہے جھکا ہوا اندھیرا   ہو جائے قبول سجدہ میرا

تخیل کی بلندی

اس حاصل زندگی کے ظہور کے وقت وجود کو جو کمال نصیب ہو رہا ہے اس کی تفصیل شاعر مسلسل کرتا جاتا ہے اور زور بیان میں کہیں تکان، چستی میں کہیں جھول، تخیل کی ہمہ گیری میں کہیں تنگی اور شگفتگی میں کہیں کمی نظر نہیں آتی۔ ہر شعر محسن کے کمال پر شاہد ہے۔

پستی کا دماغ آسماں پر   اوج افلاک مہر گستر
ذرہ ہے بلغ العلیٰ کی تفسیر   یہ ہے کشف الدجیٰ کی تعبیر (۱۰)
شبنم کو دم فلک مآبی   مٹی میں کمال بو ترابی
ہرقطرے میں آب و تاب گوہر   ہر موج شعاع مہر انور
ہے فرش پہ عرش کی تجلی   کہتی ہوئی لالہٗ غیری
ہے قبلہ ہر ایک سمت پرنور   ہر بیت ہے مثل بیت معمور
ہر نقش کمال کا سزاوار   ہر جز و میں عقل کل کے آثار
کیا رنگ قبول جلوہ گر ہے   ہر گل پہ ہزار کی نظر ہے

ہے چاندنی ایک ماہ پیکر   سورج مکھی آفتاب انور
اورنگ نشین باغ ہے گل   اور ہفت ہزاریوں میں بلبل
ذی حکم خزانہ اشرفی ہے   صد برگ کا اسم پانصدی ہے
عباسی کو دعوئ فتوت   داؤدی کو شبہ نبوت
ہر دانہ ہے عابد سحر خیز   ہر ذرہ خاک شمس تبریز
القاب نسیم دامن دشت   مخدوم جہانیاں جہاں گشت

شاعر کے تخیل نے وہ تمام لوازم ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں جو زیارت بیت اللہ سے متعلق ہیں۔ رات کے اس انداز سے مقدس مقام میں داخل ہونے کے لئے محسن نے بڑا التزام کیا ہے اور اس طرح ماحول کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ جس میں پاکیزگی ہی پاکیزگی بسی ہوئی ہے۔ یوں تو رات کی آمد کا مضمون دیگر شعراء کے کلام میں بھی ملتا ہے۔ لیکن محسن نے اس منتخب رات کی منظر کشی میں اپنا پورا کمال صرف کر دیا اور نہایت بدیع الفاظ اور ترکیبوں سے اسے مزین کیا ہے۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے   داخل ہوئی کعبے میں وضو سے
اوڑھے ہوئی لیلی گل اندام   شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال   جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے   سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرموں سے چھپائے چہرہ   پروین کو بنائے منہ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا   انداز خرام صوفیانہ
سناٹے کا دم انیس و ہمدم   انفاس ہوا رفیق و محرم

محسن کی قصیدہ گوئی

محسن نے (51) ابیات کا پہلا قصیدہ گلدستہ کلام نعت (1258ھ) 16 سال کی عمر میں لکھا۔ اس کی تشبیب بہاریہ ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن
غنچہ ہے نام خدا نافۂ آہوئے ختن

گریز کے لئے شاعر نے عشق نبیؐ میں پریشانی کے مضمون کو لیا ہے۔

کس کی کاکل کے تصور میں پریشاں ہوں میں   کون سے آئینہ رخ پر ہوں میں حیراں ہمہ تن
جس کی توصیف میں خود خامہ نقاش ازل   لکھ چکا مطلع ایجاد بوجہ احسن
جس کی ہے مشرع متیں ناسخ ادیان و ملل   مثبت حق و یقیں کاشف ہر شبہ و ظن

مدح نبیؐ میں زیادہ تر کاکل، ابرو، زلف، دندان وغیرہ کا ذکر ہے۔ محسن کاکوروی کے جس قصیدے نے بڑی شہرت حاصل کی وہ مدیح خیر المرسلینؐ (1392ھ) ہے اس کے 142 اشعار ہیں جن میں تشبیب کے 78 اشعار ہیں۔ اس طرح گریز کے بعد مدح کے مضمون تک پہنچتے پہنچتے 82 ابیات سے گزر جانا پڑتا ہے۔ اس تشبیب کا ایک نقص تو یہ ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد مدحیہ اشعار سے بہت بڑھی ہوئی ہے پھر جو منزلیں شاعر کے تخیل کو اس نور کے میدان میں پہنچنے کے لئے طے کرنی پڑیں اس کی وضاحت محسن کے ان اشعار سے بخوبی ہوسکتی ہے۔

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا
کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر
گھاگرا پر کبھی گزرا کبھی سوئے چمبل

اس تشبیب کا حسن بھی اپنی جگہ مسلم ہے اور عیب بھی جو چیزیں قصیدے کے معائب میں شمار کی گئی ہیں ان کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کہ اس کا جواز سابق کے نمونوں میں ملتا ہے (۱۱)۔ یہ درست ہے کہ حضرت کعب بن زہیر کا 59 اشعار کا نعتیہ قصیدہ ''بانت سعاد'' 34 اشعار تک تشبیب ہی میں الجھا ہوا ہے جس کا مضمون نعت رسولؐ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ دوسرا قصیدہ حضرت حسانؓ بن ثابت کا یعنی قصیدہ ہمزیہ جو فتح کہ موقع پر آپؐ نے پڑھا تھا نمونۃً لیا جائے تو وہ بھی تشبیب کے لحاظ سے عام روش اختیار کئے ہوئے ہے۔ یہاں بھی ذکر محبوب و دیار خالیہ، شراب، عورت سب کچھ ہے لیکن اس کے جواز کے لئے یا اسے شاعری کے محاسن میں شمار کرنے کے لئے یہ دلیل قوی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ کسی قوم کا مذہب بدل جانے سے مذاہب ادبیہ ایک دم نہیں بدل جاتے۔ ان کو بدلتے ہوئے وقت لگتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ادب کے لئے زمانہ جاہلیت کے ادب کو نمونہ قرار دینا صحیح نہیں ہے چنانچہ تین سو سال کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ المتنبی (متوفی سنہ 357ھ) جو قصیدہ کا بادشاہ ہے قصائد کو ان معائب سے پاک کر دیتا ہے۔

اس نے گریز کی بھونڈی شکلوں سے بھی پرہیز کیا ہے اور وہ تشبیب میں مدح کی مناسبت سے مضمون لاتا ہے۔

شاعر تشبیب اور مدح کے مضامین کو اس طرح مربوط کر دیتا ہے کہ سننے والے کو محسوس نہیں ہوتا کہ وہ زبردستی غیر متعلقہ بات چھیڑ رہا ہے۔ ساتھ ہی تشبیب کے اشعار کی بے جا طوالت سے بھی اس کے قصیدے پاک ہیں۔ تشبیہیں رقصاں اور مدلل ہوتی ہیں۔ وہ گھوڑے کی لگام کو سلسلاتے ہوئے ناک سے تشبیہ دیتا ہے اور شوق اور جذب کی کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے کہ جسم زین سے نکل کر آگے بڑھنے کو بیتاب ہے اور قلب جسم سے نکل کر شوق کے پر لگا کر اڑنا چاہتا ہے۔ کافور کی مدح میں قصیدہ صرف 47 اشعار کا ہے۔ ان اشعار میں تشبیب اور گریز کے 20 شعر ہیں جن میں عشق و محبت کے ساتھ اخلاقی مضامین اور گھوڑوں کی تعریف سب کچھ سما گئی ہے۔ اس لحاظ سے محسن کاکوروی کے قصیدے مدیح خیر المرسلینؐ میں نہ تو تشبیب اس معیار پر اترتی ہے اور نہ گریز میں کوئی جدت اور خوبی پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی مدیح خیر المرسلینؐ کے عنوان کو دیکھ کر فطری طور پر پڑھنے والا مدح کے مضمون کے لئے بے چین رہتا ہے۔ یہاں اس شوق کا لحاظ کرتے ہوئے بھی شاعر کا فرض ہے کہ وہ تشبیب کے راستے سے اس طرح

گزر جائے کہ یہ بے چینی کسی اور دلچسپی میں کھو جائے یا یہ کہ تشبیب کا مضمون نعت سے مناسبت رکھتا ہو۔ یہ ضرور ہے کہ تشبیب کا مقصد یہ رہا ہے کہ لطیف جذبات اس طرح برافروختہ ہوں کہ مدحیہ اشعار تک پہنچتے پہنچتے سرور کیف میں تبدیل ہوجائے۔ محسن کی تشبیب کے اکثر حصے کیف آور ضرور ہیں اور ان کی اس بیانیہ شاعری میں تخیل کی رنگ آمیزی کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ اس میں ایک جدت یہ بھی شاعر نے پیدا کی ہے کہ ہندوستانی فضا کا دلآویز سماں باندھ دیا ہے اور اس لحاظ سے قصیدے کے اس حسین پہلو کی داد دینی پڑتی ہے۔ اردو نعت گوئی پر ہندوستانی ضمیات کا اثر کے عنوان کے تحت محسن کے کلام کی اس خصوصیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اب محسن کے قصیدے کے اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سروقدان گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل (۱۲)
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل
تہ و بالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے
بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل (۱۳)

حسن مبالغہ ملاحظہ ہو:

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل (۱۴)

شاعر نے گریز کے لئے یہ صورت اختیار کی ہے:

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار
ہوئی آئینہ مضموں کی دو چنداں صیقل
روئے معنی ہے بھٹکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف
تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن
ہاتھ میں جام زحل شیشہ مے زیر بغل
گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں
کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں
خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل
تار باران مسلسل ہے ملائک کا ورود
بپے تسبیح خداوند جہاں عزوجل
کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں
کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل

گل بیرنگئ مطلق سے مہکتے گلزار
بے نیازی کے ریاحیں سے مہکتے جنگل
باغ تنزیہ میں سرسبز نہال تشبیہ
انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کوپل
گل خوش رنگ رسول مدنی عربی
زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل (۱۵)

اس قصیدے کے مدحیہ اشعار یہ ہیں:

نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر   نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر   بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو   شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول
مرجع روح امین زیب دہ عرش بریں   حامی دین متین ناسخ ادیان و ملل
ہفت اقلیم ولایت میں شہ عالی جاہ   چار اطراف ہدایت میں نبی مرسل(۱۶)

اوصاف نبیؐ کے بیان میں شاعر ہمیشہ جذب و کیف کے ساتھ والہانہ انداز رکھتا ہے۔ گویا شمع محمدیؐ پر پروانہ وارنثار ہورہا ہے۔ اس کی کیفیت کا یہ عالم ہے کہ بہ قول محسن

''وجد میں آ کے قلم ہاتھ سے جائے نہ اچھل''

شاعر کی مناجات درد اور اثر سے لبریز ہے:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل   میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی   نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے   صرف تیرا ہو بھروسہ تری قوت ترا بل
آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تادم مرگ   شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
نام احمد بزباں سربلا میم بصدر   لب پہ ہو صل علیٰ دل میں میرے عزوجل
روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل   کہ میری جان مدینے کو جو چلتی ہے تو چل

محسن مثنوی نگار کی حیثیت سے

محسن نے چھوٹی چھوٹی مثنویاں کئی لکھی ہیں جن کی فہرست شروع میں دی جا چکی ہے نیز ان کی مثنویوں سے ان کے کلام کا نمونہ بھی پیش ہو چکا ہے۔ مثنوی کے مضامین محدود نہیں ہیں۔ محسن نے اسے نعت نبیؐ کے لئے استعمال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محسن کی مثنویاں قصیدے کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ ''چراغ کعبہ'' محسن کی مشہور مثنوی ہے۔ اس کی تمہید تشبیب کے رنگ میں ہے۔ شفاعت شفیع میں شراب کا ذکر چھیڑ کر گریز کی اچھی راہ نکالی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ محسن اس صنعت کو فنی اعتبار سے کہاں تک نباہ سکے ہیں۔ مثنوی نگاری کے چند اصول ہیں جن میں مقدم اصول یہ ہے کہ بیتوں اور مصرعوں کی ترتیب سنجیدہ ہو اور ایک بیت دوسری بیت سے اس طرح مربوط ہو کہ پڑھنے والا ان کے درمیان کوئی خلاء محسوس نہ کرے۔ مثنوی میں کسی واقعہ یا داستان کا بیان اس طور پر ہو کہ قصے کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں۔ ساتھ ہی جس پہلو کو زیادہ نمایاں کرنا ہے اس کے مناسب اس کے بیان میں زور اور ابھار پایا جائے۔ واقعہ یا قصے کو پیش کر کے جو اثر پیدا کرنا مقصود ہے اس کے لئے جذبات موقع بہ موقع ابھارے جائیں محسن کاکوروی کے یہاں ان لوازم کی پابندی کما حقہ پائی جاتی ہے۔ محسن کا جو کلام اس سے قبل نمونۃً

پیش کیا جا چکا ہے اس میں اس کی مثالیں جا بہ جا ملتی ہیں۔

نعت گو شاعر مثنوی نگاری کی اس شرط سے آزاد ہے کہ جو قصہ بیان کیا جائے اس کی بنیاد ممکن اور ناممکن کے امتیاز پر ہو۔ اس لئے وہ اپنے عقیدے کے مطابق آسمانوں کی سیر کو بھی نظم کر سکتا ہے۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے بھی بہا سکتا ہے۔ چاند کے دو ٹکڑے بھی کر سکتا ہے۔ استن حنانہ کی آہ وزاری کو بھی بیان کر سکتا ہے۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد فوراً اسے مغرب سے طلوع بھی کر سکتا ہے۔ غرض کہ وہ زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اسرار خداوندی کی صادق البیانی میں سب کچھ کہہ سکتا ہے البتہ اتنی پابندی ضرور ہے کہ جو بھی کہے اس کے لئے مذہبی جواز حاصل ہو۔ جہاں تک محسن کی کردار نگاری کا تعلق ہے تو وہ حدیث اور قرآن کی بنیاد پر نہایت مستحکم ہے۔ شاعر کے تخیل کی رنگ آمیزی نے اس میں ناہمواریاں کہیں پیدا نہیں کیں۔ کردار نگاری کی دشواریاں شاعر کے لئے اس وقت پیدا ہوتی ہیں جبکہ وہ طبع زاد کردار کی تشکیل میں صرف تخیل سے کام لیتا ہے۔ یہاں شاعر اس زحمت سے بھی بچا رہا۔

مثنوی نگاری کے اصول و قواعد میں ایک واقعہ نگاری ایسا اہم اصول ہے جس کی گرفت میں نعت گو اور نعت گو شعراء یکساں آسکتے ہیں لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ محسن اس فرض سے کہاں تک عہدہ برآ ہو سکے ہیں۔ اس خصوص میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپے کا بیان ہماری صحیح رہنمائی کرے گا۔

نقشے کی ہے وہ لطیف صورت   جس سے کہ ہے اہل دل کو حیرت
صورت کا وہ دل پذیر نقشہ   جس سے کہ ہے آئینہ کو سکتہ
سورج کی نہ دوپہر پلٹ جائے   اس دم میرے سامنے سے ہٹ جائے
گر بدر کہیں ادھر ادھر ہو   کہہ دو مرے شہر سے بدر ہو(۱۷)

تشبیہیں نہایت بدیع ہیں اور لطافت میں ایک خاص کیف رکھتی ہیں لیکن شاعر جو نقشہ پیش کرنا چاہتا ہے وہ نظر کے سامنے نہیں آتا۔

اور دیکھئے۔

ابرو پہ جبیں مہ شمائل   رکھی ہوئی رحل پر حمائل
پیشانی ہے جز و مصحف رو   اس پارے کے دو رکوع ابرو
والیل کا ترجمہ ہے گیسو   تفسیر اذا سجیٰ ہے گیسو
آنکھوں سے لکھوں صفت وہ آنکھیں   مالا عین قرأت وہ آنکھیں
بیداری بخت چشم ایجاد   سیپارۂ رخ کی سورۂ صاد

شاعر اپنے تخیل ہی میں کھو رہا ہے اور یکے بعد دیگرے تشبیہوں اور استعاروں کے ڈھیر لگا رہا ہے لیکن وہ جمال محمدیؐ کے مشاہدے میں اس قدر بے خود اور مست ہے کہ اسے محسوس نہیں ہوتا کہ یہ اس کے اپنے جذبات کی ترجمانی ہے یا سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان۔

زبان اور بیان کی لطافت سے کوئی مقام چھوٹا ہوا نہیں ہے۔

بنی سے بلند اختر حسن   معراج پہ ہے پیمبر حسن
اسرار دھن ہیں وحی منزل   اور حامل وحی ریش مرسل
احباب میں لب مسیح تقریر   اعداء میں لئے کلیم شمشیر
کیا ذکر تبسم بنی ہے   گل کی گلشن میں جو ہنسی ہے
کانوں کی سنی ہے کیا روایت   جو سر دھنے خطیب کی ولایت
جوہر کا بھرا ہوا خزینہ   آئینۂ بے مثال سینہ
اسرار نہ آسماں نظر میں   ڈوبے ہوئے ہفت بحر بر میں
اس گردن صاف کی بلندی   تکبیر فریضۂ سحر کی
رعنائی قامت مناسب   روزے میں اذان وقت مغرب
دیکھے ہیں فلک میں یا زمین میں   ہاتھ ایسے کسی کی آستین میں

لیکن سارا بیان شاعر کے اپنے تاثرات کا ہے۔ لفظی صنائی میں شاعر کہاں سے کہاں پہنچ گیا لیکن جمال محمدی کی ایک جھلک بھی نہ دکھا سکا اس میں معنوی صفات کا بیان ضرور آ گیا جو در اصل سراپا کا مقصود نہیں ہے۔

محسن کو غزل گوئی سے زیادہ واسطہ نہیں رہا۔ چند غزلیں ضرور کہی ہیں ان کے کلیات میں کل (20) غزلیں درج ہیں۔ چند تو دو دو تین تین اشعار کی ہیں۔

نمونۂ کلام درج ذیل ہے:

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے   زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے
زمیں بنائی گئی کس کے آستاں کے لئے   کہ لامکاں بھی اٹھا سر وقد مکاں کے لئے
دکھائی خامہ تنزیہہ حق نے تیری شبیہہ   جو بے نشانوں کو خواہش ہوئی نشاں کے لئے
تھی خوش نصیبی عرش بریں شب معراج   کہ اپنے سر پہ قدم شاہ مرسلاں کے لئے
نزول نسخہ پاکیزۂ کلام مجید   ترے عروج ترے حمد کے بیاں کے لئے
عجب نہیں جو کہے تیرے فرش کو کوئی عرش   کہ لامکاں کا شرف ہے تیرے مکاں کے لئے

رباعیوں کی تعداد (28) ہے۔ یہ رباعیاں سنہ 1857ء کے ہنگاموں کی پریشانیوں میں لکھی گئیں جب محسن کو خطرات کے پیش نظر آگرہ چھوڑ کر کاکوری جانا پڑا تھا۔ نمونہ درج ذیل ہے۔

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے
کہہ دو کہ ملک گوش بر آواز رہیں
مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے

مواجی طوفان بلا ہر سو ہے   اور قلب کو اضطراب ہر پہلو ہے
کر دے بہ طفیل مصطفےٰ بیڑا پار   اس کشتی کا ناخدا خدایا تو ہے

کلام کا یہ بھی رنگ ہے جس میں اگر کوئی خوبی ہے تو رعایت لفظی اور عیب ہے تو وہ بھی رعایت لفظی اس لکھنوی رنگ کی خوبی نے ان اشعار سے شعریت کو سلب کر لیا ہے۔

تری زلف سیہ کا شعر ایک ادنیٰ سالٹکا ہے   کرشمہ ہے غزل تیری غزال چشم اسود کا
لکھا سو جان سے دیباچہ گلستان کا سویدا پر   تصور جس کے دل میں خال خال آیا ترے قد کا
بعینہ افتتاح سورۂ صاد کو کہئے   جو ابروئے کشیدہ میں ہے نقشہ صاد کی مد کا
نکالی چیستاں چوٹی کی گیسوئے مسلسل سے   معما نام رکھا ہے تری موئے معقد کا
محل گفتگو میں کیا حساب خامشی سمجھیں   مگر صفر دہان تنگ اشارہ ہے ندارد کا (۱۸)

مشکل از بسکہ تھا مضمون دہن کا نکتہ   اس لئے حاشیہ لکھا ہے خط رنگیں کا
رخ جو ایماں ہے تو اک جزو ہے یہ ایمان کا   ہے نیا حاشیہ یہ منہ ہے قرآن کا
نکہ پاک الف صاد ہے چشم زیبا   لام گیسو ہیں سر مو نہیں کچھ فرق اصلا
چہرے پہ ہے خط گلزار سے یعنی لکھا   کہ وہ ہے اصل لئے خلقت دین و دنیا (۱۹)

حواشی

۱۔ لکھنو کا دبستان شاعری، صفحہ ۳۱۳
۲۔ ایضاً، صفحہ ۳۱۶
۳۔ ایضاً، صفحہ ۳۱۷
۴۔ شعر الہند، حصہ دوم، صفحہ ۱۹۹
۵۔ ایضاً، صفحہ ۲۰۰
۶۔ ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی شان میں "شاہی چتر" کے عنوان سے اپنے لیے نہیں بلکہ کسی دوست کی خاطر تخلص تبدیل کر کے لکھا تھا۔
۷۔ کلیات محسن (چراغ کعبہ) صفحہ ۲۱۰۔۲۱۱
۸۔ کلیات محسن، صفحہ ۲۱۹
۹۔ کلیات محسن (صبح تجلی)، صفحہ ۱۴۱۔۱۴۲
۱۰۔ کلیات محسن (صبح تجلی)، صفحہ ۱۲۵
۱۱۔ قصیدے کی اس تشبیب کے جواز کیلئے امیر مینائی نے یہی دلیل پیش کی۔
۱۲۔ کلیات محسن، صفحہ ۱۵۹۔۱۶۰
۱۳۔ ایضاً، صفحہ ۱۶۱
۱۴۔ ایضاً، صفحہ ۱۶۱
۱۵۔ ایضاً، صفحہ ۱۷۵
۱۶۔ ایضاً، صفحہ ۱۷۵
۱۷۔ ایضاً، صفحہ ۳۱۴
۱۸۔ ایضاً، صفحہ ۹۷
۱۹۔ کلیات نعت، صفحہ ۸۲

صلاح الدین احمد

محسنؔ کاکوروی کی نعت گوئی

ہمارے عظیم شعراء میں جس طرح انیسؔ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ گفتۂ انیسؔ سرتا سر مدح سید الشہداء اور مرثیہ امام مظلوم سے معمور ہے اسی طرح محسنؔ کاکوروی کا، گلستانِ سخن بھی شروع سے آخر تک گلہائے نعت کی شمیم مدح افزا سے معطر و معنبر ہے۔ اور جس طرح انیسؔ نے بجا طور اپنے جذبہ تفاخر کا اس سوال سے اظہار کیا تھا کہ

غیر کی مدح کروں' شہ کا ثناء خواں ہو کر؟

اسی طرح محسنؔ نے بھی مدح خیر الوریٰ میں اپنے غریق ہونے کا یوں اظہار کیا ہے کہ

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعتیں محسنؔ
کلام نعتیہ رکھا مری زبان کے لئے

محسنؔ نے یہ شعر پندرہ برس کی عمر میں کہا تھا اور اس کا محرک ایک مقدس اور متبرک خواب تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آغاز بلوغت کے اثرات انسانی زندگی کے بیشتر اثرات سے قوی تر ہوتے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محسنؔ تمام عمر، ان پاکیزہ اثرات سے شدید طور پر متاثر رہے جو اوائل شباب میں ان کی طبیعت پر وارد ہوئے تھے وہ سادات کے ایک نجیب خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی سیرت اور ان کے مذاق کے فروغ میں ان کے خاندانی ماحول کا بھی بہت بڑا حصہ تھا لیکن جس طرح شاعری اکتسابی نہیں بلکہ وہبی ہوتی ہے اسی طرح وہ ذوق وشوق بھی بارگاہ خداوندی ہی سے عطا ہوتا ہے جس کی حرارت طبع شاعر کو رواں کرتی اور اس کی جولانیوں کے لئے ایک موزوں عرصہ سخن تجویز کرتی ہے چنانچہ جس طرح انیسؔ نے آغاز کار ہی میں مرثیہ نگاری کو اپنی شاعری کے لئے منتخب کیا اور آخر عمر میں بھی اسی کو دنیا کی عزت وسعادت کا ذریعہ اور آخرت کی فلاح ونجات کا وسیلہ گردانا اور اسی پر ناموری اور کامیابی کی بنیاد رکھی اور از راہ تفاخر اس کا اظہار کچھ اس انداز سے بھی کیا کہ

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاہی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی ہیں

بعینہ اسی طرح محسنؔ نے اپنی شاعری کی ہر صنف میں عام اس سے کہ وہ قصیدہ ہیں یا غزل' رباعی ہو یا قطعہ' مثنوی ہو یا مسدس ہمیشہ انہی جذبات ومحسوسات کا اظہار کیا اور بیشتر وہی مضامین باندھے' جو نعت پیمبر ﷺ اور

بیان حب رسول ﷺ سے خاص ہیں اور پھر اسی پیشکش کو جو شاعر کے خلوص اور فن دونوں کی آئینہ دار تھی نہ صرف اپنے لئے اس زندگی میں باعث افتخار وامتیاز سمجھا بلکہ عقبیٰ کے لئے بھی اسی کو اپنی نجات کا موجب اور شفاعت کا کفیل جانا۔

ان کیفیتوں سے قطع نظر جو شاعر کی شخصیت اور اس کے ذاتی رجحانات سے منسوب ومخصوص ہیں اگر ہم محض اس کے فن کا مطالعہ کریں اور اس کی شاعری کا خالص فنی جائزہ لیں تو بھی یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ اگرچہ وہ مبدا فیاض سے ایک شستہ مذاق اور موزوں طبع لے کر آیا تھا اور شاعری کی دولت اسے ذہنی طور پر عطا ہوئی تھی لیکن اس کے جوہر طبع کے فروغ اور مذاق سخن کی نشوونما میں اس کے خلوص کی شدت اس کے ضمیر کے صدق اور اس کی عقیدت کے کیف نے بہت بڑا حصہ لیا اور اسے مدح کا اعجاز کہیے یا مداح کی شفتگی یا خود ممدوح کی توجۂ عالیہ کا پرتو کہ محسنؔ کی نعتیہ شاعر کو اس کی زندگی میں قبول عام اور اس کے بعد بقائے دوام کی وہ نعت عظمیٰ عطا ہوئی جو سخن کی معراج ہے اور سخنور کا منتہائے مقصود اور جسے یہ سعادت مل جائے اسے دنیا کے گنج ہائے گراں مایہ میں سے اور کیا چاہیے۔

محسنؔ کی نعتیہ شاعری کا شاہکار اس کا وہ قصیدہ مدحیہ ہے جو اس نے عام روش سے بالکل ہٹ کر اور مروجہ اسالیب نعت سے قطعاً منہ موڑ کر لکھا ہے اس قصیدے کی تشبیب خالص ہندی رنگ لئے ہوئے ہے اور اس کا ماحول وادی گنگ وجمن کی نکھری ہوئی فضا میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس پر اضافہ یہ کہ برج اور بندرابن کی روایات اور کرشن کنھیا کی روپ کہانی کو پس منظر میں اجاگر کیا گیا ہے اور پھر تشبیب سے گریز کی طرف انحراف میں جس نادرہ کاری سے کام لیا ہے وہ دیدنی ہے.....ذرا دیکھئے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
دیکھئے ہوگا سری کرشن کا درشن کیونکر
سینہ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل
شاہد کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ
چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل
جوش پر رحمت باری ہے چڑھاؤ خم سے
چشمک برق سے کرتا ہے اشارہ بادل
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل

اور یہاں سے گریز ملاحظہ ہو۔

چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم و نیل
نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں
خرمنِ برقِ تجلی کا لقب ہے بادل
کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں
کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل
کیا جھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل
سجدے کرتا ہے سوئے یثرب و بطحا بادل
چھوڑ کر میکدۂ ہند و صنم خانہ برج
آج کعبے میں بچھائے ہے مصلا بادل
بحر امکاں میں رسولِ عربی دُرِّ یتیم
رحمتِ خاصِ خداوندِ تعالیٰ بادل
گل خوش رنگ رسول مدنی و عربی
زیبِ دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ عدیل
نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
ہفت اقلیم میں اس دیں کا بجا یا ڈنکا
تھا تیری عام رسالت کا گرجتا بادل
دین اسلام تری تیغ دو دم سے چمکا
یا اٹھا قبلے سے دیتا ہوا کاندھا بادل
محسنؔ اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل
صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا امداح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریلؑ اشارے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

کم وبیش ڈیڑھ سو اشعار کے اس قصیدے میں سے یہ چند شعر فن کار کی ندرت بیان کا جزوی اظہار بھی نہیں کر

پاتے' تاہم تشبیب وگریز کا حیرت انگیز تقابل اور پھر کم وبیش ایک ہی قافیے کا استادانہ استعمال محسنؔ کی شاعرانہ عظمت کا شاہد کامل ہے اور اس کے اس خلوص کا حامل جس کے اعجاز سے وہ شاعری کے ہر خارزار میں نعت کے گلہائے رنگا رنگ کھلاتا اور ان کی خوشبو سے مشام عالم کو معطر کرتا ہے۔

قریب قریب یہی کیفیت اس کی بیشتر غزلوں کی ہے' وہ مضامین حسن وعشق کو غزل میں بطور تمہید کے استعمال کرتا ہے اور پھر نہایت چابک دستی سے اپنے رہوار سخن کو عرصۂ نعت کی طرف موڑ دیتا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔

کھلے تھے لب نہ ابھی نالہ و فغاں کیلئے
کہ مانگی خیر فرشتوں نے آسماں کیلئے
صنم کدہ سے اٹھوں زاہد و جناں کیلئے
کہاں سے مجھ کو اٹھاتے ہو تم کہاں کیلئے
تڑپ تڑپ کے تو پہنچا ہوں کوئے دلبر تک
یہاں سے اے طپشِ دل اٹھوں کہاں کیلئے
غزل سرائیٔ رندانہ ہو چکی یارہ
کھلیں گے لب مرے اب دلربا بیاں کیلئے
زمیں بنائی گئی کس کے آستاں کے لئے
کہ لامکاں بھی اٹھا سروقد مکاں کیلئے
تھی خوش نصیبیٔ عرش بریں شب معراج
کہ اپنے سر پہ قدم شاہ مرسلاں کیلئے
نزول نسخۂ پاکیزہ کلام مجید
ترے عروج ترے عہد کے بیاں کیلئے

محسنؔ کی نعت گوئی کی ایک دلکشا کیفیت یہ ہے کہ عشق پیغمبر ﷺ کی فراوانی کے باوجود اس کا انداز سخن ہمیشہ مودبانہ ہوتا ہے اور وہ اس نازیبا انداز بیان سے ہمیشہ گریز کرتا ہے جو بعض دیگر نعت گو شعراء غایت محبت کو بہانہ بنا کر بے تکلفی کے لباس میں اختیار کر لیتے ہیں اور حضور ﷺ کی صفات محبوبی کو عام محبوبوں کی صفات سے خلط ملط کر دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ رجحان نہایت مذموم ہے اور اس قابل نہیں کہ اسے کسی صورت میں روا رکھا جائے محسنؔ نے حضور ﷺ کا سراپا بھی لکھا ہے لیکن انداز دیکھئے' کیسا محتاط اور ادب آموز ہے:۔

صورت کا وہ دلپذیر نقشہ
جس سے کہ ہے آئینے کو سکتہ
سورج کی نہ دوپہر پلٹ جائے
اسدم مرے سامنے سے ہٹ جائے

گر بدر کہیں اِدھر اُدھر ہو
کہہ دو مرے شہر سے بدر ہو
حقا کہ وہ جسم سر سے تاپا
ہے شاہد غیب کا سراپا
کھینچی بہ کمال حسن تدبیر
نقاش ازل نے اپنی تصویر
رخ میں صفت جمال دی ہے
صورت میں جان ڈال دی ہے
ابرو پہ جبین مہ شمائل
رکھی ہوئی رحل پر حمائل
پیشانی ہے جزوِ مصحفِ رو
اس پائے کے دو رکوع ابرو
والیل کا ترجمہ ہے گیسو
تفسیرِ اذا سجے ہے گیسو
اس گردنِ صاف کی بلندی
تکبیر فریضۂ سحر کی
رعنائی قامتِ مناسب
روزے میں اذانِ وقت مغرب
آنکھوں میں سمائی وہ تجلی
جو خواب میں تھی کہیں نہ دیکھی

اور اب چلتے چلتے محسنؔ کی ایک اور غزل دلکشا کے چند شعر دیکھتے چلئے جس میں ایک طرفہ رعنائی سے نعت پیمبر ﷺ کی طرف انحراف کیا ہے:-

حالت نہ پوچھئے مرے شیب و شباب کی
دو کروٹیں تھیں عالمِ غفلت میں خواب کی
ہونے نہ پائی خشک بھی تر دامنی مری
محشر میں دھوپ ڈھلنے لگی آفتاب کی
میدان حشر میں لئے رندان تشنہ کام
پیر مغاں سبیل لگا دے شراب کی

اور انحراف ملاحظہ ہو کہ

اٹھتی ہے لامکاں سے جو چلمن حجاب کی
آمد ہے کس پیمبرِ عالی جناب کی
چلنے لگی ہوائے شفاعت جو تیز تیز
آتش نہ کیوں کہے مری مٹی خراب کی
ارواح انبیاء کو وہ نسبت ہے تیرے ساتھ
جو نسبت آفتاب سے ہے ماہتاب کی
بالائے ہفت چرخ ہے محبوب حق کا نور
ہے لامکاں میں دھوپ اسی آفتاب کی
مقصود آفرینش و محبوب کبریا!
کیا بات ہے جنابِ رسالت مآب کی
محسنؔ کی التجا ہے فنا فی الرسول ہو
اے بحرِ فیض لے خبر اپنے حباب کی

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

محسن کاکوروی کا قصیدہ "مدیح خیر المرسلین"

اردو میں محسن کاکوروی کا نام آتے ہی نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے اور نعت گوئی پر کوئی کتاب لکھی جائے مفصل یا مختصر جیسا بھی تذکرہ ہو۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

کا ذکر ضرور آئے گا' محسن کو اپنے فن سے خلوص تھا اور موضوع سے عشق' ان کا فن مدح رسالت مآب ﷺ تھا اور موضوع خود ذات گرامی تھی حضور انور وا حنا فداہ کی' غالب نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ کام یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح لکھنا آرائش جنت کی کوشش سے کم نہیں ہے۔

کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا
کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بریں

ان کا وہ قصیدہ جس کا نام انہوں نے "مدیح المرسلین" رکھا تھا ان کے فن شاعری ان کی علمی صلاحیت' جودت فکر' ذہانت وطباعی اور تمام محاسن شعری پر کامل دست گاہ کا نمونہ اور ان کے عصر کی شاعری کا بہترین نمائندہ ہے' یہ قصیدہ اس لائق ہے کہ اس کا فنی طور پر جائزہ لیا جائے اور اس کے محاسن کا تعین کیا جائے۔

عربی میں اسلامی ادب کے نمونے جو شعر الدعوۃ الاسلامیہ کے عنوان سے مرحوم ڈاکٹر عبدالرحمن رافت پاشا نے اپنے شاگردوں سے مرتب کرائے تھے' ان میں زیادہ تر وہی قصائد اور ابیات ہیں جو مدح نبوی ﷺ میں کہے گئے ہیں لہٰذا اردو میں بھی قدیم ادب سے اگر اسلامی عناصر کا انتخاب کیا جائے تو سب سے مقدم صنف مدائح نبویہ ﷺ ہی کی ہوگی۔

مولوی محمد محسن کاکوروی کا سن پیدائش 1242ھ ہے' تعلیم اپنے والد اور خاندانی بزرگوں سے حاصل کی آخر میں قانون کا امتحان پاس کر کے وکالت کرنے لگے جو ان کے والد مرحوم کا مشغلہ تھا اور اس بناء پر قیام بھی مین پوری میں رہا' کچھ عرصہ کے بعد ان کا تقرر منصف شہر آگرہ کی حیثیت سے ہو گیا اور وہاں 1758ء تک مقیم رہے' جنگ آزادی ... ہوئے مسلمانوں پر جب دہلی میں قیامت ٹوٹی اور اطراف دہلی میں جب ان کے لئے زمین تنگ ہو گئی تو ... دو روز کا مسلسل سفر کر کے اپنے وطن واپس آئے اور کچھ دنوں بعد پھر مین پوری میں وکالت کرنے

لگے' یہی شہر ان کا مولد تھا اور بالآخر 1323 ہجری میں اسی خاک کے پیوند ہوئے۔

ان کا گھرانہ سادات علوی کا علمی و دینی گھرانہ تھا' شعر شاعری کا مشغلہ اس وقت شرفاء کا ہنر سمجھا جاتا تھا' یہ دو بھائی تھے احسن اور محسن' احسن کے کلام کا پتہ نہیں' ایک مختصری غزل ہے جو "کلیات محسن" میں ضمناً مذکور ہے' ان اشعار کی روانی اور اسلوب کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کا عام رنگ کیا تھا' کہتے ہیں:-

ہم ہیں تری محفل میں گنہگار کی صورت — گلزار میں رہتے ہیں مگر خار کی صورت
رونے پہ مرے کہتے ہیں کیا اب نہ ملیں گے — اقرار بھی کرتے ہیں تو انکار کی صورت
ابرو کی کجی اور یہ گیسو کی کجی اور — چھپتی ہے کہیں کافر دیں دار کی صورت
احسن یہ تمنائے دلی ہے کہ دم نزع — میں آنکھوں سے دیکھوں شہ ابرار ﷺ کی صورت

محسن کاکوروی کا نام نعت سے وابستہ ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ جب سے انہوں نے نعت شروع کی کسی اور صنف سخن میں طبع آزمائی نہیں کی' لیکن شروع میں وہ بھی گل و بلبل کی شاعری کرتے تھے' اس وقت کے کلام میں بھی ایک بانکپن اور ادا میں تیکھا پن موجود تھا' نمونہ کے طور پر چند اشعار کی ایک غزل سنئے:-

دشمن و دوست پہ شمشیر جفا چلتی ہے — آج کچھ اور ہی مقتل میں ہوا چلتی ہے
گل و بلبل کو لئے ساتھ صبا چلتی ہے — کچھ عجب رنگ کی گلشن میں ہوا چلتی ہے
نوک مژگاں کے تصور نے یہ کانٹے بوئے — کہ چھری آج میانِ شہداء چلتی ہے
اے مسیحا ترے بیمار کی حالت یہ ہے — نہ دوا چلتی ہے اس پر نہ دعا چلتی ہے

کیوں نکلتے ہو ابھی کنج لحد سے محسن
حشر کا دن ہے بہت گرم ہوا چلتی ہے

محسن کی شاعری کا یہ رنگ امیر مینائی (م 1318ھ) اور ان کے استاد منشی امیر اللہ تسلیم کے اسکول کا رنگ ہے' نوعمری کے اس کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اگر وہ گل و بلبل' زلف و رخسار' جیب و دامن کی شاعری کرتے' فصل بہار اور چاک دامن کی حکایت باندھتے جب بھی ان کا شمار اپنے دور کے اساتذہ میں ہوتا' مگر ان کے طالع بیدار نے انہیں محفل قدس میں پہنچا دیا اور اس صنف کو انہوں نے اپنا میدان بنایا جس میں کوئی ان کا حریف نہ بن سکا اور جس کی بدولت وہ شاعری میں منفرد مقام کے مالک ہوئے اور شعراء کے صف اولیں ہی میں نہیں بلکہ صدر نشین میں آ کر زبان حال سے گویا ہوئے۔

جگہ خالی کرو...... مداح آتا ہے محمد ﷺ کا

اور جگہ خالی کر دی گئی' مداح خیر البشر کا خلعت فاخرہ عطا ہوا' سر پر مقبولیت کا تاج دمکنے لگا' سننے والوں کے بے کیف دلوں میں سرور پیدا ہوا' برسوں کی سوکھی اور نمی کو ترسی ہوئی آنکھیں سیراب ہو گئیں' اردو شاعری کا دامن نعت نبوی ﷺ کے موتیوں سے بھر گیا' ان موتیوں میں وہ قصائد ہیں' جو سراپائے رسول اکرم ﷺ' ولادت با سعادت اور معراج کے عنوان سے ہیں' ان میں دو قصیدے عمومی نعت کے ہیں' ایک سو شعروں کا قصیدہ "ابیات

نعت'' کے عنوان سے ہے' اس کی زمین کرامت علی شہیدی (1260ھ) کے نعتیہ شعر کی ہے۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

حضرت محسن اپنے ابیات نعت کی ابتداء فرماتے ہیں:-

مٹانا لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا
دبستان محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

اس قصیدہ کا ایک شعر ہے:

ہوئی شام آفتاب بت پرستی پر زوال آیا
مہ نو خوب چمکا بدر میں تیغ محمد ﷺ کا

اسی قصیدہ کا ایک اور شعر سنئے اور حسن تلاش دیکھئے کہ قافیہ کہاں سے ڈھونڈ کر لائے ہیں:

لکھوں اک مختصر جملہ کہ روضہ ہے محمد ﷺ کا
یہی مسند الیہ اچھا سبب ہے رفع مسند کا

درحقیقت محسن کاکوروی کے کلام پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے' یہ اردو پر ریسرچ کرنے والوں کا فرض بھی ہے اور ان پر یہ قرض بھی ہے' ہم ان کے صرف ایک قصیدہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس کا عنوان ''مدح خیر المرسلین'' ہے جس کا مطلع:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

قصیدہ کے سلسلہ میں ایک سوال وضاحت کا طالب ہے کہ شاعر نے تیرتھوں' کاشی' متھرا' دریاؤں گنگا' جمنا اور ہندوستان کی مقدس شخصیات گوکل اور کرشن کنھیا کا نام تشبیب میں کس مناسبت سے ذکر کیا ہے اور مدح نبوی ﷺ سے ان کا کیا ربط ہے؟ بعض ناقدوں کو اس پر اعتراض رہا ہے' لکھنؤ کے بعض مشہور شعراء اور سخن فہم حضرات کے بارے میں یہ سنا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ یہ اشعار سرے سے بے معنی ہیں یہ اعتراض خود شاعر کی زندگی میں کیا گیا تھا چنانچہ کلیات محسن جو 1334ھ میں شائع ہوئی ہے اور جس کو حضرت محسن کے نامور فرزند صاحب نور اللغات مولوی نور الحسن نیر (متوفی 1355ھ) نے ترتیب دیا ہے اس میں حضرت امیر مینائی کے قلم سے اس کا جواب حسب ذیل الفاظ میں مذکور ہے۔

''بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدہ نعت میں متھرا' گوکل وکنھیا کا ذکر بے محل ہے لہٰذا دفع دخل کیا جاتا ہے کہ نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصطلاح شعراء میں مضامین عشقیہ کا بیان کرنا اساتذہ نے تخصیص مضامین عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی' کوئی شکایت زمانہ کی کرتا ہے' کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے' الغرض متبعان کلام اساتذہ وحقیقت شناسان تشبیب وقصیدہ پر

پوشیدہ نہیں ہے کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ اس مناسبت کی قید ہے کہ حمد ونعت ومنقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اسی کی رعایت رہے' مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع ہے۔

صبح کہ در ہوائے پرستاری وثن
جنبد کلید بت کدہ در دست برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں' عمدہ ترسند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجہ ہردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قصیدہ بانت سعاد جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے پڑھا گیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔

امیر الشعراء کی اس توجیہ کے بعد خود حضرت محسن نے چند ابیات میں اس کا جواب دیا ہے مگر وہ نظم اور کنایہ کی زبان میں ہے جس سے ان کا مدعا تو ظاہر ہو گیا مگر ضرورت تھی کہ اس کی ایسی وضاحت کی جائے کہ اس تشبیب کے لئے تاویل وتوجیہ کی ضرورت نہ رہے بلکہ اس کا حسن سامنے آ جائے۔

شاعر زمین ہند میں پیدا ہوا ہے' یہ ملک کئی ہزار برس قدیم تہذیب کا وارث ہے' حکمت ودانائی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی میں روم اور یونان اس کے شاگرد کہے جاتے ہیں یہاں ایسی عبادت گاہیں ہیں جہاں لوگ زیارت کو جاتے ہیں' یہاں ایسے دریا ہیں جن کی تقدیس کی جاتی ہے' اب ایک شخص تلاش حق میں نکلتا ہے' اور ان منازل سے گذرتا ہوا اپنے منزل مقصود کو پہنچتا ہے' اس نے جو دیکھا اس کو گل وبلبل کی زبان میں یا پرندوں اور حیوانوں کے استعارہ میں نہیں بلکہ بادل اور بارش کے استعارہ میں بیان کرتا ہے کیونکہ بادل رحمت خداوندی اور عطائے آسمانی ہے وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کہاں کس طرح کی بارش ہے' ضلال وظلمت کی یا نور ہدایت کی وہ اس طلب میں کاشی اور متھرا جاتا ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ شاید بادل کی گردش ان ہی دو شہروں میں محصور ہے اور ایک خاندان یا ذات کے لئے محدود ہے اور اس کو ایسا لگتا ہے جیسے یہ بادل سیاہ اور بھیانک ہوں اور ساری دنیا میں صرف انہی کا عمل دخل ہو۔

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

اور یہ ''ابر سیاہ'' ان منازل کی طرف بڑھ رہے ہیں' جہاں سے سارے عالم کے لئے خیر وبرکت کی مینہ برسا کرتی تھی' دین ابراہیمی کا جو مرکز تھا۔

جانب قبلہ ہوئی یورش ابر سیاہ
کہیں پھر کعبہ پہ قبضہ نہ کریں لات وہبل

ان مقامات زیارت میں جہاں لوگ ہدایت کے طالب جا رہے ہیں اب بادل چھائے ہیں اور آسمان بھبوت ملے ہوئے ہے ''ظلمات بعضھا فوق بعض'' (اندھیرا ہے ایک پر ایک چھایا ہوا)

شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید   ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیر زحل

وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع — گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈھے اسے لے کر مشعل

اور اگرچہ وحی و رسالت کی ایک دو کرنیں تاریخ کے ادوار قدیم میں پڑی ضرور ہیں مگر ان کا اثر عرصہ ہوا ختم ہو چکا۔

جس طرف سے گئی بجلی پھر ادھر نہ آ سکی
قلعہ چرخ میں ہے بھول بھلیاں بادل

اس سرزمین پر نور ہدایت کا طالب ہر تیرتھ پر جاتا ہے، ہر عبادت گاہ کا رخ کرتا ہے، ہر بت کو دیکھتا ہے، ہر پجاری کو دیکھتا ہے اور۔

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا — کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر — گھاگھرا پہ کبھی گزرا کبھی سوئے چمبل
چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم و نیل — نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل
مگر جہاں بھی گیا ایک ہی عالم پایا اور ہر طرف
شب دیجور اندھیرے میں ہے ظلمت کے نہاں — لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل
شاہد کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ — چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

اس نے سوچا کہ مرور ایام سے لوگ نور سے روگرداں ہو کر ظلمت کی طرف مائل ہو گئے ہوں گے' اگر یہاں تاریکی ہی تاریکی ہے تو ممکن ہے پرانے منتروں میں کچھ بات ضرور ہوگی دیکھا گیا ہے کہ پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت کو ان کے حاملین ضائع کر دیتے ہیں لیکن جب سینوں سے یہ روشنی معدوم ہو جاتی ہے اس وقت سفینوں میں وہ بات مل جاتی ہے، جب اس نظر سے یہاں کے قدیم و جدید صحائف کا مطالعہ کیا تو اس کو نظر آیا۔

دل میں کچھ اور ہے پر منہ سے نکلتا ہے کچھ اور
لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے انکل

ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون. یہ محض خیال کے پیچھے چلتے ہیں اور نرے انکل کے تیر چلاتے ہیں۔ (الانعام ۱۱۶)

کی اس سے بہتر اور کیا تفسیر ہو سکتی ہے۔

طالب ہدایت ان راستوں پر چلتا ہے مگر تاریکی کی وجہ سے چل نہیں سکتا' اگر ابدی صداقت کی بجلی کبھی کوندتی ہے تو دو چار قدم آگے بڑھ جاتا ہے' پھر گھٹا ٹوپ اندھیرے میں حیران و ششدر کھڑا رہ جاتا ہے۔

بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیوں
وہ اندھیرا ہے کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل

یکاد البرق یخطف ابصارھم کلما اضاء لھم مشوا فیہ واذا اظلم علیھم قاموا. (بقرہ ۲۰) — قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی آنکھوں کی بصارت کو لے جائے جب بجلی (چمکتی اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں اور اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ اس پورے نظام عبودیت اور عقائد و اعمال کا یہی حال ہے کہ

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل

گویا کہ یہ عالم ہے کہ:

او کظلمت فی بحر لجی یغشہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب. — یا (ان کے اعمال) کی ایسی مثال ہے جیسے دریائے عمیق جس پر لہر چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر آ رہی ہو اور اس کے اوپر بادل ہو

ظلمت بعضھا فوق بعض' اذا اخرج یدہ لم یکد یرلھا. — غرض اندھیرے ہوں ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ دیکھ نہ سکے

ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور. (سورۂ نور آیت نمبر ۴۰) — اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو کہیں بھی روشنی نہیں مل سکتی

مگر ہدایت کا متلاشی مایوس نہیں ہوتا' اپنا سفر جاری رکھتا ہے' پورب پچھم ہر طرف جاتا ہے' بلآخر اس کی جستجو کامیاب رہتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے۔

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں — کہ تصور بھی جہاں جا نہ سکے سر کے بل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں — خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل
تار باران مسلسل ہے ملائک کا ورود — پے تسبیح خداوند جہاں عزوجل
کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں — کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل
گل بیرنگی مطلق کے لہکتے گلزار — بے نیازی کے ریاحیں کے مہکتے جنگل
باغ تنزیہ میں سرسبز نہال تشبیہ — انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کونپل

اس حسین گریز کے بعد شاعر اپنے ممدوح پاک کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے اور اس کو نظر آتا ہے

گل خوش رنگ رسول مدنی و عربی — زیب دامان ابد طرہ دستار ازل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر — بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو — شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول
مرجع روح امیں زیب دہ عرش بریں — حامی دین متیں ناسخ ادیان و ملل

ہفت اقلیم ولایت میں شہ عالیجاہ — چار اطراف ہدایت میں نبی مرسل
جی میں آتا ہے لکھوں مصرع برجستہ اگر — وجد میں آ کے قلم ہاتھ سے جائے نہ اچھل
منتخب نسخہ وحدت کا یہ تھا روز ازل — کہ نہ احمد کا ہے ثانی' نہ احد کا اول

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح جو اس قصیدہ کا عنوان ہے وہ حصہ خاصہ جاندار ہے۔ اس میں جوش ہے' الفاظ کا انتخاب اور قافیوں کی تلاش بہت اعلیٰ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ شاعر کا خلوص ہر شعر سے نمایاں ہے زمین ہر چند کہ سنگلاخ ہے اور الفاظ بھی روزمرہ کے نہیں ہیں لیکن بندش چست ہے' اور روانی وسلاست میں کوئی فرق نہیں آنے پایا ہے۔ اس قصیدہ کا اختتام انہوں نے مناجات پر کیا ہے۔

محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر — کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل — مرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی — نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

اور آخر میں کہتے ہیں:

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح — ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ — سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

یہ تھا قصیدہ کا آخری شعر' آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ محسن کاکوروی پر یہ اعتراض بے بنیاد ہے کہ ان کی تشبیب بے معنی اور اصل موضوع یعنی نعت نبوی ﷺ سے بے ربط ہے' درحقیقت تمام سیرت نگاروں کا طریقہ یہی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر لکھنے سے پہلے عہد رسالت سے پہلے کی دنیا کا حال لکھتے ہیں' جاہلیت کے زمانے میں جو رسم ورواج تھے ان کو بیان کرتے ہیں تاکہ قاری کو اندازہ ہو سکے کہ کتنا وسیع اور کس درجہ اہم کام تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ سے لیا اور کس درجہ اس کی ضرورت تھی اور یہ تو بہت عام سمجھی ہوئی بات ہے کہ روشنی کی قدر تاریکی ہی کی وجہ سے ہوتی ہے' لہٰذا عرب سے دور ایک ملک سے ایک شخص اٹھتا ہے جس کو تلاش ہوتی ہے آسمانی ہدایت کی وہ آسمانی ہدایت کے نام پر ظلمات کی بارش دیکھتا ہے' جہاں جاتا ہے اس کو سیاہی اور تاریکی سے واسطہ پڑتا ہے۔ جو بات سنتا ہے اس میں وحی کی روشنی نظر نہیں آتی لیکن اس کی طلب صادق اس کو کشاں کشاں اس نور کے میدان میں پہنچا دیتی ہے کہ اگر قسمت نے یاوری نہ کی ہوتی تو تصور بھی سر کے بل نہیں جا سکتا تھا اور جہاں ایک دو سیکنڈ کے لئے چمکنے والی بجلی نہیں بلکہ برق تجلی سے ہر ذرہ ہر لحظہ روشن رہتا ہے یعنی وہ دین جس کے لانے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا۔

"ترکتکم علی المحجة البیضاء لیلها کنهارها"

(میں نے تم کو بہت کھلی ہوئی اور روشن پگڈنڈی پر چھوڑا ہے جس کی راتیں اس درجہ روشن ہیں جیسے اس کے دن)

یہاں تک تو اس قصیدہ کے معنوی محاسن کا ذکر کیا گیا' اب اس کے چند ایسے اشعار سنئے جو صناعات لفظی' قافیہ کی بے ساختگی اور مضامین کی آمد کا بہترین نمونہ ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا اس قصیدہ میں بادل کے قافیے پر دو

دلیں ہیں' ایک غزل دوران تشبیب کی ہے یعنی بحر ظلمات کی اور دوسری غزل گریز کے بعد کی ہے دونوں غزلوں کے چند اشعار پیش کرتا ہوں تاکہ دونوں کا فرق واضح ہو جائے پہلی غزل کے اشعار ہیں:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برج میں آج سری کشن ہے کالا بادل
خوب چھایا ہے سرگوکل و متھرا بادل — رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل
سطح افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی — روپ بجلی کا سنہرا ہے رو پہلا بادل
بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیوں — وہ اندھیرا ہے کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل
میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش وخروش — کسی بے درد کو دکھلائے کرشمہ بادل
دل بے تاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی — چشم پر آب کا ہے ایک کرشمہ بادل
تپش دل کا اڑایا ہوا نقشہ بجلی — چشم پر آب کا دھویا ہوا خاکہ بادل
اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے — میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقہ بادل
دیکھتا گر کہیں محسن کی فغاں وزاری — نہ برستا کبھی ایسا نہ گرجتا بادل

یہی بادل اب گریز کے بعد دیکھئے کس کس طرح بندھتا ہے:

کیا جھکا کعبہ کی جانب کو ہے قبلہ بادل — سجدہ کرتا ہے سوئے یثرب وبطحا بادل
چھوڑ کر میکدۂ ہند وصنم خانہ برج — آج کعبے میں بچھائے ہے مصلا بادل
بحر امکاں میں رسول عربی ﷺ در یتیم — رحمت خاص خداوند تعالیٰ بادل
قبلہ اہل نظر کعبہ ابروئے حضور — موئے سر قبلہ کو گھیرے ہوئے کالا بادل
دور پہنچی لب جاں بخش نبی کی شہرت — سن ذرا کہتے ہیں کیا حضرت عیسیٰ بادل
چشم انصاف سے دیکھ آپ کے دندان شریف — در یکتا ہے ترا' گرچہ یگانا بادل
تھا بندھا تار فرشتوں کا در اقدس پر — شب معراج میں تھا عرش معلیٰ بادل
تو وہ فیاض ہے در پر ترے سائل کی طرح — فلک سیر کو لایا دیئے کاندھا بادل
تیغ میدان شجاعت میں چمکتی بجلی — ہاتھ گلزار سخاوت میں چھلکتا بادل

محسن کاکوروی کا یہ قصیدہ اردو ادب کا نایاب تحفہ ہے اس زبان کی طرف سے اسلامی ادب کی نمائندگی اگر نظم میں تلاش کی جائے تو انتخاب کی سرفہرست میں اس کو جگہ دی جائے گی' اردو ادب میں اس کا وہی مقام ہے جو عربی میں قصیدہ بردہ کو حاصل ہے' اور شاعر کو یہ زیب دیتا ہے کہ: یہ تمنا اور دعا کرے۔

فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں میدان محشر میں
جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمد ﷺ کا

دلی داس پیتا رضا

محسنؔ کاکوروی

مولوی محمد محسنؔ کاکوروی (26 ستمبر 1846ء تا 24 اپریل 1905ء (۱) پر فرمائشی مضمون لکھنے بیٹھا تو سب سے پہلے اپنے کتب خانے سے مشاہیر کاکوروی (۲) کا خیال آیا۔ کیونکہ ظاہراً اسی کتاب کو حوالے کی پہلی کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے ص 368 پر درج ہے۔

انہوں نے (محسنؔ نے) جب سے قصیدہ مدیح خیر المرسلین ﷺ لکھا اور عہد کیا کہ۔

ہے تمنا نہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

اس کے بعد سے سوا نعت کے کل اصناف سخن ترک کر دیئے۔ کلام نعت جیسا کچھ ہے محتاج ثنا و صفت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جامی و نظامی جو نعت گوئی میں بے مثل گزرے ہیں، اگر اردو کہتے تو اس سے بہتر نہ کہتے۔ مستقل تالیفات نظم سے سراپائے رسول اکرم ﷺ، مثنوی صبح تجلی، مدیح خیر المرسلین، چراغ کعبہ، مخمس نعتیہ، مثنوی شفاعت ونجات ہیں اور ان کے علاوہ اور قصائد و مثنویاں و رباعیات و غزلیں و مخمس و نغز و معمہ و تواریخ ہیں اور سب کا مجموعہ موسومہ بہ ''کلیات نعت مولوی محسنؔ'' ان کے بڑے صاحبزادے نور الحسن نیر نے مطبع نامی کانپور میں طبع کرایا۔ اس کے بعد یہ مجموعہ ایک بار اور طبع ہوا۔ اس سے قبل مصنف کی حیات میں بھی کلام ''سنبلستان رحمت'' کے نام سے طبع ہوا تھا۔

خوش قسمتی سے میرے کتب خانے میں یہ دونوں مجموعے موجود ہیں۔ مختصراً ان کا حال ملاحظہ کر لیجئے۔

سنبلستان رحمت:۔

جیسا کہ اوپر درج کیا جا چکا ہے محسنؔ کا انتقال 24 اپریل 1905ء کو ہوا تھا۔ یہ کتاب ان کے انتقال سے چند روز پہلے ہی چھپی تھی چونکہ ''سنبلستان رحمت'' سے 1301ھ برآمد ہوتے ہیں، اس لئے سرورق پر اس نام کے ساتھ تاریخی نام بھی درج کر دیا گیا ہے یعنی ''سنبلستان بے خزاں'' جس سے 1323 ہجری سال برآمد ہوتا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ ''یہ مجموعہ ہے آٹھ رسالوں (۳) کا''
صبح تجلی، چراغ کعبہ۔ سراپائے رسول اکرم ﷺ، مخمس نعتیہ، مدیح خیر المرسلین ﷺ، حدیقہ خاتم

النبیین ﷺ، انیس آخرت۔ شفاعت ونجات اہتمام سے خاکسار ابو الحسنات قطب الدین ... ماہ محرم الحرام (۴) 1323 ہجری مطابق اپریل 1905ء مطبع نامی لکھنؤ میں ہوئی۔''

لیکن خاتم الطبع میں صاف لکھا ہے کہ یہ کلیات ''ماہ محرم الحرام 1323ھ مطابق مارچ 1905ء میں طبع ہوا۔'' کل صفحات 144 ہیں جن میں آٹھ صفحے تاریخی قطعات کے بھی شامل ہیں۔

کلیات نعت مولوی محمد محسنؔ

اس کا سرورق یوں ہے

''کلیات نعت مولوی محمد محسنؔ 1334ھ (۵)

قصائد، مثنویاں، مسدس، غزلیں، رباعیات، قطعات، تاریخ، معما، نغز شامل کئے گئے ہیں۔

(مرتبہ)

مولوی محمد نور الحسن (۶) صاحب بی اے۔ ایل ایل بی
وکیل ہردوئی

محمد اسحاق علی علوی کے انا ظر پریس واقع چوک لکھنؤ میں چھپا۔

اس کتاب میں ''سنبلستان رحمت'' کی تمام منظومات شامل کر لی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت کلام اضافہ کر دیا ہے۔ اس طرح کل صفحات 258 ہو گئے ہیں۔ یہ عنوانات اسی اضافے کے تحت آتے ہیں۔ گلدستہ کلام رحمت، چتر شاہنشاہی، فغان محسنؔ، نگارستان الفت، رباعیات تضمین بطور مناجات (...)، غزلیات، قطعات، تاریخ اور معما و نغز۔ آخری 9 صفحے تحریروں پر مشتمل ہیں، جو محسنؔ کے والد مولوی حسن بخش مرحوم کی فکر کردہ ہیں۔

اس کلیات میں سب سے اہم اضافہ یہ ہے کہ اس میں مرتب مرحوم نے اپنے والد (محسنؔ) مرحوم کا مختصر حال اور حاشیئے میں ''بعض اشعار مشکل کا حل کہیں کہیں احادیث و آیات قرآنی مع ترجمہ'' درج کر دیئے ہیں۔ ذیل میں اسی مختصر حال اور حواشی کا کچھ تذکرہ کیا جاتا ہے امید ہے کہ یہ قارئین مقالہ کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

محسنؔ کاکوروی سید علی تھے۔ والد کا نام مولوی حسن بخش تھا اور دادا کا اسم گرامی مولوی حسین بخش (شہید) تھا۔ یہ شہید یوں کہلائے کہ ''29 جمادی الاول 1258ھ (9 جولائی 1842ء) کو بمقام رسول آباد ضلع اناؤ ایک ظالم کے ہاتھ سے عین حالت نماز میں شہید'' کر دیئے گئے تھے۔ سال ولادت 1203ھ محسنؔ نے ابتدائی تعلیم و تربیت انہی کے سایہ عاطفت میں پائی تھی۔ والد مولوی حسن بخش کا زمانہ حیات (23 صفر 1221ھ (13 مئی 1806ء) تا 19 جمادی الاول 1301ھ (18 مارچ 1884ء) تھا۔

محسنؔ جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے 26 ستمبر 1846ء کو کاکوری میں پیدا (۷) ہوئے۔ طبیعت کا جھکاؤ شروع سے شب بیداری اور یادِ خدا کی طرف تھا چنانچہ لکھا ہے کہ ''نو سال کی عمر تھی شب کو اپنے جد امجد کے پہلو میں سوئے

تھے خواب میں زیارت جمال مبارک حضرت محبوب خدا ﷺ سے مشرف ہوئے۔" جس رات کو یہ خواب دیکھا تھا' اس کی صبح کو جمعہ تھا اور تاریخ 9 ذی قعد 1251ھ (27 فروری 1836ء) تھی۔ اس وقت محسنؔ اٹاوہ میں اپنے دادا کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے۔ دادا کی شہادت کے بعد اپنے والد حسن بخش کے ہمراہ مین پوری میں رہے اور تحصیل علم مولوی عبدالرحیم اور اپنے والد سے کی۔ کلام مولوی ہادی علی اشکؔ (٨) کو دکھایا کئے۔ مولوی اشکؔ فتح الدولہ برقؔ لکھنوی کے شاگرد تھے اور برقؔ ناسخ کے اس طرح فن شعر میں محسنؔ ناسخؔ کے خاندان سے ہیں۔ اشکؔ کی وفات کے بعد پھر کسی سے اصلاح نہیں لی۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد محسنؔ نے وہیں مین پوری میں چندے عہدہ نظارت پر کام کیا۔ پھر وکالت ہائی کورٹ کا امتحان پاس کیا۔ چونکہ اس زمانے میں صدر دیوانی عدالت آگرہ میں تھی' اس لئے وہیں مقیم ہو کر وکالت کرنے لگے اور اس پیشے میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی۔ اسی اثناء میں 1857ء کا ہنگامہ پھوٹ پڑا۔ آگرہ بھی اس کی زد میں آ گیا انہیں مجبوراً کاکوری واپس آنا پڑا۔ وہاں سے مین پوری منتقل ہو گئے اور یہیں وکالت میں شہرت پائی اس شہرت کا ایک سبب ان کا حد درجہ دیانتدارانہ مزاج تھا۔ جب ان کے صاحبزادوں نے بھی وکالت کے امتحانوں میں کامیابی حاصل کی اور وہ مقدمات کی پیروی کرنے لگے تو محسنؔ نے رفتہ رفتہ کچہری جانا موقوف کر دیا اور بیشتر وقت مطالعے اور فکر سخن میں گزارنے لگے۔ "حضرات مندرجہ ذیل اکثر بغرض اصلاح کلام بھیجتے تھے۔ مولوی محمد احسنؔ احسن مرحوم' منشی عبدالمجید سحرؔ مرحوم' مولوی قیم الدین نعیم مرحوم' منشی عبدالوحید نیرنگؔ سلمہ اللہ' مولوی احسن اللہ خاں ثاقب سلمہ اللہ' مولوی رضی علی' اختر سلمہ اللہ۔"

محسنؔ 4 اپریل 1905ء سے اسہال کبدی میں مبتلا ہو گئے۔ علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا لکھا ہے 23 اپریل 1905ء روز یکشنبہ کو بعد نماز ظہر ارشاد فرمایا کہ "اب ہمارا آخری وقت ہے تجہیز و تکفین کی تیاری کرو۔ کل کوچ ہے دوسرے روز 24 اپریل 1905ء دس بجے دن کو رحلت کی مزار مین پوری میں مولوی حسین بخش مرحوم کے مزار سے متصل ہے۔"

کلیات کے مرتب رقم طراز ہیں کہ "والد مرحوم میانہ قد' گندمی رنگ' چہرے پر چند داغ رکھتے تھے۔ کلیات کے مشمولات یہ ہیں۔"

(١) گلدستہ کلامِ رحمت (1251ھ)

"یہ قصیدہ نعتیہ 16 سال کی عمر میں لکھا تھا۔ پہلا قصیدہ ہے۔ نظر ثانی سے محروم رہا۔ مولوی محمد احسنؔ مرحوم کی بیاض سے اس کا پتہ چلا۔ پرانی بیاض ہے۔ کہیں کہیں الفاظ پڑھے نہیں گئے۔ اس واسطے چند اشعار چھوڑ دیئے گئے۔" قصیدے کے کل اشعار 52 ہیں' اول و آخر کے دو دو شعر دیئے جاتے ہیں۔

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن
غنچہ بے نام خدا ناقہ آہوئے ختن

فیض تاثیر ہوا ہے کہ ہوا جاتا ہے
روش باغ خلیل اب کی سراپائے سخن

نہ رہے' چشمۂ کوثر کی تمنا مجھ کو
اس طرح کر لے تو اپنا مجھے مستون دہن
یاد میں جلوۂ رخسار کے ہو حشر مرا
صبح محشر کو یہ سمجھوں کہ وہ ہے صبح وطن

(٢) چتر شاہنشاہی (1275ھ)

"یہ مسدس ایک عزیز دوست کی طرف سے واجد علی شاہ' بادشاہ اودھ کی مدح میں لکھا تھا جو دربار شاہی میں تخلص تبدیل کر کے متعدد بار پڑھا گیا۔"

اس مسدس کے کل بارہ بند ہیں۔ اول و آخر کا ایک ایک بند پیش ہے۔

عزیز مصر جب تک مشتری ہو مہر قیصر ہو
قمر پرویز زہرہ مثل شیریں ناز پرور ہو
دبیر چرخ توقیعات میں کسریٰ کا ہمسر ہو
ہو کیواں مثل کۓ مریخ بہرام دلاور ہو
الٰہی جان عالم بادشاہ ہفت کشور ہو
فلک پر سات اختر ہیں' زمیں پر ایک اختر ہو

شرف حاصل کرے جب تک سخن سے نفس انسانی
دہن میں ہو زباں اور ہو زباں میں گوہر افشانی
ہو موزوں صحبت احباب میں رسم غزل خوانی
مسلم اس مسدس سے ہو محسنؔ کی سخن دانی
ستائش میں ہو تیری جو سخن جس کی زباں پر ہو
غزل ہو یا قصیدہ یا مخمس یا معتر ہو

(٣) فغانِ محسنؔ (1289ھ)

"یہ مثنوی سچی ہمدردی اور پرانی محبت کا نمونہ ہے۔ حضرت محسنؔ کے ایک دوست پر سرکاری معاملہ میں گرفت ہوئی جس میں اندیشہ تھا کہ ان کی عزت و آبرو میں فرق آئے۔ حضرت محسنؔ اپنے پریشانی و اضطراب کا صدمہ نہ اٹھا

سکے بیمار ہوگئے۔ جب خدا کے فضل سے وہ معاملہ رفت وگزشت ہوگیا' حضرت محسنؔ کو بھی صحت ہوگئی۔ بعد صحت یہ مثنوی لکھی تھی جو نظر ثانی سے محروم رہی''

مثنوی 43 اشعار پر مشتمل ہے۔ ملاحظہ کیجئے شروع کے چند اشعار

یہ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہوا — تڑپنے لگا دل اچھلنے لگا
زمین تک مرے آنسو آنے لگے — فلک تک مرے نالے جانے لگے
جگر میں تپش لب پہ شیون ہے کیوں — مجھے آپ ہی آپ الجھن ہے کیوں
مری چشم تر کا یہ کیا حال ہے — کہ دامن سے تا آستین لال ہے
مرا رنگ فق ہوتا جاتا ہے کیوں — بدن خود بخود سنسناتا ہے کیوں

(4) نگارستانِ الفت (1293ھ) معروف (بہ) ''پیاری باتیں''

''یہ مثنوی ایک دوست کے اصرار سے لکھی تھی۔ شب کو ان کے یہاں مشاعرہ تھا۔ سہ پہر کو ان کے اصرار سے مجبور ہو کر صرف ایک گھنٹہ میں یہ مثنوی لکھی۔ نظر ثانی کی نوبت نہیں آئی۔ بر سبیل تذکرہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ مثنوی ناتمام ہے۔''

باون اشعار کی اس مثنوی کے پہلے اور آخری چند شعر دیکھیے۔

اک نظر مہر کی مجھ پہ ساقی — ماہرو آئینہ پیکر ساقی
مہرباں تشنہ لبوں پہ ہو جا — دل کی لہروں کا سمندر ہو جا
کشتی مے نہ چلی میرے بغیر — میرے دریا ترے بیڑے کی خیر

بس مجھے آتے ہیں چکر ساقی — لے مرے ہاتھ سے ساغر ساقی
ہاتھ لینا مجھے غش آتا ہے — دل کہیں اور لئے جاتا ہے
تیری محفل کا یہی طور رہے — دور جب تک ہے یہی دور رہے

(5) رباعیات

''غدر کے زمانے میں آگرہ سے مع عیال واطفال کاکوری تشریف لے گئے۔ وہ زمانہ بڑی مصیبت کا تھا۔ عزت آبرو جان کے لالے پڑے تھے۔ آگرہ کا مکان اسباب سے بھرا چھوڑ کر کاکوری پہنچے۔ اس زمانے میں یہ رباعیات اور ''یا حبیب اللہ خذ بیدی'' (۹) پر مصرے لکھے تھے۔''

کل رباعیات تعداد میں 20 ہیں۔ چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں۔

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے

کہہ دو کہ ملک گوش بر آواز رہیں
مداحِ پیمبر ﷺ کی زباں کھلتی ہے

گھر بیٹھ رہوں وہ کارخانہ ہی نہیں
باہر نکلوں تو وہ زمانہ ہی نہیں
کیا دونوں جہاں میں اے خداوند کریم
مداحِ پیمبر ﷺ کا ٹھکانہ ہی نہیں

....

کیوں حشر میں انتشار بے حد ہوگا
سر پر میرے دامان محمد ﷺ ہوگا
اٹھوں گا لحد سے جب میں انشاء اللہ
دل میں احد اور زبان پر احمد ﷺ ہوگا

....

یارب آہ رسا مدینے پہنچے
ہر نالۂ دل میرا مدینے پہنچے
چہرے کا رنگ ناتوانی سے اڑے
گرتا پڑتا ہوا مدینے پہنچے

....

رہ جاؤں گا ہاتھ زندگی سے دھو کر
پچھتائیں گے اقربا تمہارے رو کر
محسنؔ کیا پوچھتے ہو چھوڑا گھر بار
جنت کو چلے چلو مدینے ہو کر

(۶) غزلیات

''ابتدائی غزلیں کہیں جمع نہیں ہوئیں۔ مولوی محمد احسنؔ مرحوم کی بیاض میں جو غزلیں اور اشعار ملے وہ درج کئے جاتے ہیں۔''

غزلوں کے کل اشعار 128 ہیں۔ جن میں مکمل بھی یعنی مطلع اور مقطع کے ساتھ صرف دس غزلیں ہیں۔ اس ابتدائی کلام میں بھی مدحِ پیمبر ﷺ کے اشعار موجود ہیں۔ یہاں خالص غزلیہ رنگ کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

پہلے برنگ تاریخ کہ محسن فنِ شعر میں تاریخ ہی کے خاندان سے ہیں۔

ہے عیاں جلوہ بتوں میں بھی خدا کے نور کا
زاہد آنکھوں میں لگائے سرمہ سنگ نور کا
مغبچوں کی کتنی خاطر کی خدا نے حشر میں
جرم ٹھہرا ٹوٹ جانا شیشہ انگور کا

....

خدا نے تل کیا پیدا لبِ رنگین جاناں پر
تو گویا تیل چھڑکا آتش لعل و بدخشاں پر
ہم آخر جان دے بیٹھے لب جاں بخش جاناں پر
ہمارا مردہ دیکھو تیرتا ہے آب حیواں پر

....

کرشمہ خوں بہا ٹھہرا شہید ناز ابرو کا
یہ مضموں ہے براتِ عاشقاں میں شاخ آہو کا
مسلماں ہوں قسم کھاتا ہوں چشم روئے جاناں کی
کہ قرآں میں لکھا دیکھا ہے میں نے حرف جادو کا

تاہم ان کی غزلوں میں سلیس زبان کا استعمال بھی خوب ہوا ہے جیسے

بادل ہر سو گرج رہا ہے	طوطی مستوں کا بولتا ہے
مژگان صنم کا دھیان کیسا؟	دل میں کانٹا کھٹک رہا ہے
صاحب غیروں سے جی خفا ہے	اور کیا مجھے آپ سے گلا ہے؟
ہوں محو خیالِ قامتِ یار	کیا اپنا بلند حوصلہ ہے
دل نے ترے نقطۂ دہن کو	جب سے دیکھا ہے مٹ گیا ہے
دامن سے وہ پونچھتا ہے آنسو	رونے کا کچھ آج ہی مزا ہے
محسن کو واعظو! نہ چھیڑو	اچھا ہے، جو کچھ بُرا بھلا ہے

(۷) قطعات تاریخ

''تاریخ گوئی میں جناب والد مرحوم کو ملکہ خاص تھا۔ ایک مرتبہ مسجد مدار دروازہ مین پوری میں ایک شب میں قرآن شریف ختم ہوا۔ بعد ختم کے مولوی اختر اللہ خاں منصف نے تاریخ عربی کی فرمائش کی۔ اس وقت تھوڑی دیر کے بعد فرمایا ختم المصحف۔ 1289ھ۔

''کاکوری میں خود اپنا کمرہ و حویلی تعمیر کرایا۔ مولوی افضل علی مرحوم نے کہا کہ اس عمارت کا تاریخی نام ہونا چاہیے۔ تھوڑا تامل کر کے فرمایا 'غریب خانہ' 1886ء اس کی تاریخ ہے''

مرتب کلیات نے اور بھی کئی ایسے واقعات لکھے ہیں' ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ محسن کو تاریخ گوئی میں زبردست مہارت حاصل تھی۔ مرتب کلیات نے لکھا ہے کہ ''جب بھی قطعات تاریخ حضرات شائقین منگاتے' جناب والد مرحوم خود اپنے قلم سے لکھ کر روانہ فرما دیتے تھے۔ نقل رکھنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ اس وجہ سے قطعات تاریخ کے جمع کرنے میں بڑی دقت ہوئی جو قطعات دستیاب ہوئے درج کیے جاتے ہیں'' اس کے باوجود کتاب میں شامل تاریخی قطعات کی تعداد تین درجن سے زیادہ ہے۔ کئی قطعوں میں تعداد دس سے تیس اشعار تک ہے۔ ''تاریخ ولادت پسر علی حسین خاں نواسہ قاضی محمد صادق خاں اختر'' کا قطعہ 71 اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں چھ مادے نکالے ہیں۔

بیشتر قطعے فارسی میں ہیں' کچھ اردو میں ہیں'' تاریخ مثنوی ترانہ شوق از منشی احمد علی شوق'' کے چار تاریخی قطعے ہیں۔ صرف ایک اردو میں ہے' وہی درج کیا جاتا ہے۔

اس قدر شوخ مثنوی محسن	نہ کسی نے سنی نہ دیکھی ہے
روبرو اس زبان اردو کے	فارسی کی تمام ترکی ہے
کس بلندی پہ ہے زمینِ شعر	فلک ہفتمیں پہ کرسی ہے
سحر و افسوں ہے بول چال اس کی	فتنۂ حشر لفظ و معنی ہے
اڑے جاتے ہیں لفظ سے مضموں	سطر صفحے پہ لوٹی جاتی ہے
دونوں مصرعے ہیں کیا تڑپتے ہوئے	ایک سیماب ایک بجلی ہے

ہاتفِ غیب بھی یہ کہتا ہے
بارک اللہ عجیب شوخی ہے

1305ھ

یوں تو مرتب کلیات نے جابجا کثرت سے مفید حواشی دیے ہیں مگر وہ بیشتر اشعار و واقعات کی تشریح اور نشاندہی کے لیے ہیں۔ تاہم چند مقامات کی تشریح مزید اور بعض حواشی کا اعادہ دلچسپ ثابت ہو سکتے ہیں۔

(ص 58) ایک شعر ہے

عجب کیا ہے جو خواب ناز میں سوتی رہے ناگن
نہ کھولے آنکھ گر چھینٹا نہ دیں آب زمرد کا

اس پر حاشیہ ہے

''یہ ثبوت اس بات کا ہے کہ جن چیزوں میں عداوت تھی الفت ہوگئی...... مقصود یہ ہے کہ یہ

اثر ایسا عام ہے کہ کچھ عجب نہیں' اگر ناگن پر آب زمرد کا چھینٹا دیں تو وہ آنکھ کھول دے' حالانکہ آب زمرد قاتل ہے یا یہ مطلب ہے کہ آب و تاب زمرد سانپ کو مغلوب و غافل کر دیتے ہیں۔ مگر 'ب ہوشیاری کا سبب ہے کیونکہ چھینٹا دینے سے غفلت جاتی رہتی ہے۔ غالبؔ کے شعر میں بھی یہی قافیہ ہے۔"

سبزہ خط سے ترے کاکل سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریف دم افعی نہ ہوا

غالبؔ کے شعر سے مراد یہ ہے کہ تیرا زمرد کا سا سبزہ خط (آغاز خط) بھی سانپ کی طرح لہراتی ہوئی حسین زلف کو مغلوب نہ کر سکا۔ اسے سیدھے سادھے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ خط نکل آنے کے باوجود تیری زلفوں کے حسن کی تابانی جوں کی توں ہے۔

(ص 93) پر قصیدہ بعنوان "مدیح خیر المرسلین" ہے جو محسنؔ نے 41 سال کی عمر (1293ھ) میں کہا یہ پہلے الگ رسالے کی شکل میں چھپا تھا۔ پھر "مسبلستانِ رحمت" (ص 81) میں شائع ہوا۔ بعد ازاں کلیات میں شامل کیا گیا۔ یہ محسنؔ کا معروف ترین نعتیہ کلام ہے۔ کل شعر 143 ہیں۔ اس کے آغاز و اختتام کا مصرع ایک ہی ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

چونکہ اس قصیدے کی "تشبیب" میں کاشی' متھرا' گنگا جل' گوکل' تیرتھ' سری کرشن' گوپیوں وغیرہ کا ذکر آتا ہے' اس لئے اس پر اعتراض وارد ہوا جو غلط تھا۔ کیونکہ "گریز" پڑھنے کے بعد اعتراض کا کوئی محل باقی نہیں رہتا۔

آغاز کے چند شعر دیکھئے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

جانبِ قبلہ ہوئی ہے یورش ابرِ سیاہ
کہیں پھر کعبے میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل

دھر کا تر سا بچہ ہے برق لئے جل میں آگ
ابر چوٹی کا برہمن ہے لئے آگ میں جل

ابرِ پنجاب تلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم
برقِ بنگالہ ہے' ظلمت میں گورنر جنرل

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی
پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل

دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

44 اشعار کے بعد یہ شعر آتا ہے

شاخ شمشاد یہ قمری سے کہو چھیڑے ملار
نونہالانِ گلستاں کو سنائے یہ غزل

پھر غزل شروع ہوتی ہے۔ اس کی اٹھان بھی تشبیب کی سی ہی ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل

سمت کاشی سے گیا جانب متھرا بادل
برج میں آج سری کرشن ہے کالا بادل

خوب چھایا ہے سر گوکل و متھرا بادل
رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل

اس کے بعد پہلا مطلع ہے۔ "گریز" تو وہیں سے شروع ہو جاتا ہے' مگر دوسرے مطلع اور اس کے بعد کی غزل میں بالکل نمایاں ہو جاتا ہے۔ غزل کے چند شعر دیکھئے اور محسنؔ کے کمال کی داد دیجئے

کیا جھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل
سجدے کرتا ہے سوئے یثرب و بطحا بادل

چھوڑ کر میکدہ ہند و صنم خانہ برج
آج کعبے میں بچھائے ہے مصلا بادل

سبزہ چرخ کو اندھیاری لگا کر لایا
شہسوار عربی کے لئے کالا بادل

بحرِ امکاں میں رسول عربی ﷺ دُرِ یتیم
رحمت خاص خداوند تعالیٰ بادل

محسنؔ نے اپنے اس قصیدے کو "مستانہ قصیدہ" کہا ہے اور ان کا یہ ناز ہر لحاظ سے بجا ہے فرماتے ہیں

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اس قصیدے پر اعتراض کا جواب امیرؔ مینائی مرحوم جیسے جید اور متقی استاد نے یہ کہہ کر دیا تھا کہ "نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصطلاح شعراء میں مضامین عشقیہ کا بیان کرنا...... نہ کچھ اس مناسبت کی قید ہے کہ حمد و نعت و منقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اسی کی رعایت رہے...... غالبؔ دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع ہے۔

صبح کہ در ہوا ے پرستاری وثن
جنبد کلید بت کدہ در دست برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں۔"

مؤلف کلیات نے لکھا ہے کہ "اس قصیدہ پر متعدد تضمینیں لکھی گئی ہیں۔ سب سے عمدہ تضمین (۱۰) منشی عبدالجید سحرؔ مرحوم کی ہے۔"

(ص 176) 48 شعر کی مثنوی "خزانہ رحمت" 1311ھ میں کہی گئی تھی۔ یہ "مسبلستانِ رحمت" میں شامل ہے۔ اس کا آٹھواں شعر ہے۔

ردی جب ہوا پرچہ آفتاب
کھلا دفتر امتحان حساب

بعض نے اس ردی (بروزن مفا) کو ردی (بروزن فعلن) کے بجائے سمجھ لیا ہے اور وہ اس مصرعے کو ذیل کے مصرع میں ردی (بروزن مفا) کے استعمال کے لئے سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

کیا تماشا ہے ردی کاغذ سے کن جاتا ہے تو

پہلا ردی (بروزن مفا) قطعی نامناسب ہے کیونکہ اس مصرعے میں ردی کاغذ کا ذکر ہے جو دال کی تشدید سے بولا جاتا ہے جبکہ محسن کے مصرعے میں ردی کاغذ کے لئے استعمال نہیں ہوا ہے۔ فارسی میں پرچہ پارچہ کا مخفف ہے جس کے معنی پوشاک، جامہ، کپڑا لتا، چیتھڑا، قطعہ پارہ، وہ چیز جو بنی ہوئی ہو وغیرہ کے ہیں۔ جب محسن نے پرچہ آفتاب (پارچہ آفتاب) کہا تو گویا فارسی ترکیب کا استعمال کیا۔ لہٰذا اسے صرف فارسی معنی ہی پہنائے جا سکتے ہیں جو کاغذ کے نہیں۔ پرچہ بہ معنی کاغذ وغیرہ خالص اردو ہے۔ خود محسن کے صاحبزادے مولوی نور الحسن نے نور اللغات میں یہی کہا ہے:

ردی بروزن تباہ، بگڑا ہوا، ناقص، خراب، نکما، ناکارہ (۱۱) (محسن)

ردی جب ہوا پرچہ آفتاب
کھلا دفتر امتحان حساب

ردی اردو۔ بہ تشدید دال مکسورا۔ مؤنث۔ ناقص کاغذ ۲۔ صفت نکما

ردی کر دینا...... بے کار کر دینا

ردی بہ معنی ناقص کاغذ (WASTEPAPER) کی سند کے لئے معتبر لغت سرمایہ زبان اردو، تنسیخ اللغات، فرہنگ آصفیہ، مہذب اللغات دیکھے جا سکتے ہیں۔

(ص 211) "انیس آخرت" (1322ھ) کا ایک شعر ہے۔

اسی دارالشفا میں ہے یہ نسخہ حفظ صحت کا
کہ صدہا درد ہوں لیکن خیال آئے نہ درماں کا

فٹ نوٹ میں مرتب کلیات نے لکھا ہے:

"(محسن کی) وفات سے ہفتہ عشرہ پیشتر ایک عزیز نے بذریعہ خط کے خیر و عافیت مزاج دریافت کی تھی۔ (محسن نے) اپنے قلم سے یہ شعر تحریر فرمایا تھا......"

"مداح رسول اکرم ﷺ حسان الوقت مولوی محمد محسن متخلص بہ محسن......" نے 1323ھ میں انتقال کیا۔ مولوی امجد علی بلیغ کاکوروی نے برجستہ کہا:

شد معزز بدولت جنت

1323ھ

(استدراک)

"میں یہ مضمون ختم کر چکا تھا کہ میرے کتب خانے سے محسن کاکوروی کا ایک قدیم تر مجموعہ دستیاب ہو گیا۔ چونکہ اس میں شامل سب طباعتیں پہلی بار منظر عام پر آئی تھیں اس لئے ان کے سال تکمیل کی اطلاع دلچسپی سے خالی نہیں۔ رسالے جس طرح مجلد ہیں اسی طرح دیئے جاتے ہیں:

1۔ صبح تجلی صفحات 48۔ سوم جمادی الثانی 1289ھ مطابق 28 اگست 1874ء (۲) چراغ کعبہ صفحات 40۔ 1301ھ (۳) سراپائے رسول اکرم ﷺ صفحات 26۔ 1301ھ؟ (۴) مخمس نعتیہ صفحات۔ 44۔ 1275ھ (۵) رباعیات۔ نعت۔ معما صفحات 4۔ 1275ھ؟ (6) مدیح خیر المرسلین صفحات 16۔ 1393ھ۔

حواشی

(۱) "تذکرہ مشاہیر کاکوری" میں محسن کاکوروی کی ولادت اور وفات کی تاریخیں کچھ ادھوری ہیں۔ تاریخ ولادت کے لئے صرف 1242ھ لکھا ہے جبکہ صحیح تاریخ (بقول تذکرہ ماہ و سال۔ مالک رام) 23 صفر 1242ھ ہے اور تاریخ وفات 28 صفر 1323ھ لکھی ہے جبکہ یہ 18 صفر 1323ھ ہونی چاہیے۔

(۲) مولفہ مولوی حافظ محمد علی حیدر علوی کاکوروی۔ مطبوعہ 1927ء۔

(۳) ظاہر ہے کہ یہ آٹھوں رسالے اس کتاب سے قبل جناب محسن کی زندگی میں چھپ چکے تھے۔

(۴) محرم 1323ھ۔ 8 مارچ تا 6 اپریل 1905ء

(۵) 1334ھ۔ 9 نومبر 1915ء تا 28 اکتوبر 1916ء

(۶) نور الحسن نیر 26 دسمبر 1865ء تا 6 ستمبر 1936ء

(۷) ان کے چھوٹے بھائی کے نام مولوی محمد احسن (1249ھ تا 8 ربیع الآخر 1309ھ) تھا۔

(۸) محمد ہادی علی اشک وفات 1281ھ (1875ء۔ 1864ء)

(۹) تضمین بطور مناجات "مسبلستانِ رحمت" میں شامل ہے اور بیشتر رباعیات بھی شبستانِ رحمت میں چھپ چکی ہیں۔

(۱۰) حاشیے میں یہ تضمین پوری کی پوری درج ہے مگر طوالت کے خوف سے حذف کی جاتی ہے۔

(۱۱) آج کل ان معنوں میں بھی بہ تشدید دال ہی بولتے ہیں اور لکھتے ہیں جیسے حالی

وہ تقویم پارینہ یونانیوں کی
وہ حکمت کہ ہے ایک دھوکے کی ٹٹی
یقیں جس کو ٹھہرا چکا ہے تکمی
عمل نے جسے کر دیا آکے ردی

مگر یہاں بھی ردی تقویم کے لئے آیا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے تو بات بالکل ہی صاف کر دی ہے۔

مرزا غریب چپ ہیں ان کی کتاب ردی
بدھوا کڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

محسن کاکوروی کی نعت گوئی

محسن کاکوروی متوفی 1905ء مطابق 1322ھ اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے نعت گوئی کو سنجیدگی سے ایک مستقل فن کی حیثیت سے اپنایا اور اس بلند سطح تک لے گئے جس سے آگے بڑھنا دوسروں کے لئے آسان نہ رہا۔ محسن نے دوسرے شعراء کی طرح نعت گوئی کو جزوی اور رسمی طور پر نہیں اپنایا بلکہ اسے پوری توجہ اور پورے شعور کے ساتھ اپنے فکر وفن کی جولانگاہ بنایا ہے۔ انہوں نے مروجہ شاعری کی ہر صنف مثلاً قصیدہ، رباعی، غزل اور مثنوی سبھی میں نعت کے فن کو برتا ہے اور ایسی انفرادیت کے ساتھ کہ اردو شاعری کی تاریخ میں نہ ان سے پہلے کوئی اس کی مثال نظر آتی ہے اور نہ ان کے بعد۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو شاعری میں نعت گوئی کی روایت کو مستقل حیثیت دینے، اس کے امکانات کو روشن کرنے اور شاعری کو بلند سطح تک پہنچانے میں جتنا ہاتھ ان کا ہے کسی اور کا نہیں ہے۔

''کلیات نعت مولوی محمد محسن'' مرتبہ نور الحسن مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ (1908ء) پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ محسن کاکوروی کو نعت کے موضوع سے شروع ہی سے دلچسپی رہی ہے انہوں نے اپنا پہلا نعتیہ قصیدہ جس کا مطلع ہے۔

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن
غنچہ ہے نام خدا نافۂ آہوئے ختن

سولہ سال کی عمر میں کہا تھا اس قصیدے کا نام ''گلدستۂ رحمت'' ہے۔ 1258ھ مطابق 1842ء کی تصنیف ہے پہلے علیحدہ شائع ہوا ہے پھر کلیات محسن میں شامل کر دیا گیا۔ اس قصیدے کے چند اشعار دیکھیے سراپائے حضور ﷺ سے متعلق ہیں۔

کس کی آنکھوں کا ہوں بیمار اٹھانے جو آج
میرے تلوؤں سے ملا دیدۂ آہوئے ختن
آج کس صاحب شوکت کی میں تکتا ہوں راہ
کہ فرشتے ہیں اٹھائے ہوئے در کی چلمن
رنگ و بو کس گل رعنا کی پسند آئی ہے

نہ مجھے خواہش گل ہے نہ ہے پروائے چمن
تنگ ہوں سیر گلستاں سے میں کس کے باعث
کونسا پردۂ اسرار میں ہے غنچہ دہن
وصف ابرو میں کوئی بیت لکھوں بسم اللہ
چل کے محراب عبادت میں جھکادوں گردن

یہ اشعار سولہ سال کی عمر کی تخلیق ہیں اور ان کی اٹھان بتاتی ہے کہ اس قصیدے کا نوجوان شاعر آئندہ عظیم نعت گو شاعر ہوگا۔ واقعی یہی ہوا محسن کاکوروی اردو نعت گوئی کی تاریخ کا روشن ترین ستارہ بن گئے۔

کلیات محسن میں ''گلدستۂ رحمت'' کے علاوہ چار قصیدے اور ہیں ایک ''ابیات نعت'' دوسرا ''مدیح خیر المرسلین''، تیسرا نظم دل افروز'' اور چوتھا ''انیس آخرت''۔ ''ابیات نعت'' کا سال تصنیف 1274ھ ہے اس کا مطلع ہے۔

مٹاتا لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا
دبستان محبت میں سبق تھا جو ابجد کا

محسن نے یہ قصیدہ شہیدی کے مشہور نعتیہ قصیدہ کی زمین میں کہا ہے اور حق بات یہ ہے کہ قصیدہ کہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس زمین میں امیر مینائی اور بعض شعراء نے بھی قصیدے کہے ہیں۔ تضمینیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن شہرت و مقبولیت صرف دو کو ملی ہے ایک شہیدی کو دوسرے محسن کاکوروی کو قصیدہ ''نظم دل افروز'' مرقومہ 1318ھ میں اسی (80) کے قریب اشعار ہیں۔ مطلع ہے

ہے منزل اک مہ کنعاں کی قلب زار و مضطر میں
یہ مہمان عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں

''انیس آخرت'' کے عنوان کا قصیدہ 1324ھ کی تصنیف ہے۔ یہ ساٹھ پینسٹھ اشعار پر مشتمل ہے اس کا مطلع ہے۔

ازل سے عشق حسن بے نشاں کے روئے تاباں کا
لئے صد فتنۂ محشر ہوا مہماں دل و جاں کا

ان سب قصیدوں سے محسن کی قادر الکلامی اور آنحضرت ﷺ سے ان کی والہانہ محبت کا ثبوت ملتا ہے لیکن ان کے کمال فن کا حقیقی مظاہرہ اور شہرہ فی الواقع ''مدیح خیر المرسلین'' کے سبب ہوا ہے۔ محسن کا یہ نعتیہ قصیدہ اردو میں اپنے نوع کی بالکل نئی چیز ہے۔ اس نعتیہ قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے لیکن اس کا رنگ روپ اردو فارسی کے نعتیہ قصائد کی تشبیبوں سے بہت مختلف ہے۔ محسن نے اپنی بہاریہ تشبیب میں ایسے مقامی رنگوں سے کام لیا ہے جو اس سے پہلے اردو کے نعتیہ قصائد میں نظر نہیں آتے۔ محسن نے اس قصیدے میں برسات کے موسم اس کے اثرات، ہندوانہ ماحول، مقامی رسم و رواج، تقریبات اور تہوار، ہندی الفاظ و تلمیحات اور ہندوؤں کی بعض تہذیبی و مذہبی روایات کو

اس خوش اسلوبی اور فن کاری سے برتا ہے کہ ان کے قصیدے کا کچھ اور ہی عالم ہوگیا ہے۔ تشبیب کے چند اشعار دیکھئے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دوچار گھڑی
پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
اب کے میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا
نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کو سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل
تہ و بالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے
بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل
کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہ نو کی کشتی
بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہل چل
قمریاں کہتی ہیں طوبیٰ سے مزاج عالی
لالۂ باغ سے ہندوئے فلک کھیم کسل
شاہد کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ
چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

یہ تشبیب نعتیہ قصائد کی تاریخ میں بالکل اچھوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت و محبت کے بیان میں ہندوانی تہذیب اور تہذیبی اصطلاحات کا سہارا اس سے پہلے کسی نے نہیں لیا تھا۔ عام طور پر قصیدے کی تشبیب انہی بندھے ٹکے الفاظ اور اصطلاحات و تشبیہات میں کہی جاتی تھی جو عربی اور فارسی شعراء کے ذریعہ اردو میں مروج و مستعمل تھے اس لئے محسن کاکوروی نے قصیدے کی تشبیب میں جس مقامی رنگ سے کام لیا تھا اسے بعض متشرع حلقوں میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور طرح طرح کے اعتراضات اٹھائے گئے۔ یہ محض تنگ نظری اور بدذوقی تھی ورنہ صاف ظاہر ہے کہ جس علاقے کی زبان میں آنحضرت ﷺ کی زندگی اور سیرت کا بیان کیا جائے گا اس بیان میں حسن و تاثیر پیدا کرنے کے لئے اس زبان اور اسی علاقے کی تہذیبی علامتوں سے مدد لینی ہوگی۔ محسن نے یہی کیا ہے انہوں نے ہندوانہ رسم و رواج اور اصطلاحات کا استعمال کرکے سیرت کے بیان کو خوشگوار موثر اور دلکش بنایا ہے ان کی اس تشبیب کو جب قصیدے کے گریز کے ساتھ ملا کر پڑھیے تو سارے اعتراضات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔ امیر احمد مینائی نے معترضین کے جواب میں بہت صحیح لکھا ہے کہ:-

"بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدہ نعت میں متھرا گوکل وکنھیا کا ذکر بے محل ہے لہٰذا دفع دخل کیا جاتا ہے کہ لغت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصطلاح شعر میں مضامین عشقیہ کا بیان کرنا۔ اساتذہ نے تخصیص مضامین عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ کوئی شکایت زمانہ کرتا ہے۔ کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے۔ کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے الغرض متبعان کلام اساتذہ حقیقت شناسان تشبیب وقصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ مناسبت کی قید ہے کہ حمد و نعت و منقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اس کی رعایت رہے۔ مرزا اسداللہ خاں غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع ہے

صبحے کہ در ہوائے پرستاری وثن
جنبد کلید بتکدہ، دردست برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجہ ہر دو عالم ﷺ کے حضور میں قصیدہ بانت سعاد جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے پڑھا گیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔"

(کلیات نعت مولوی محمد محسن ص 155 مطبوعہ یوسفی پریس فرنگی محل لکھنؤ)

خود محسن کاکوروی نے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ یہ جواب قصیدے ہی کی زمین میں ہے اور شاعرانہ ہونے کے ساتھ ساتھ عالمانہ و مدلل ہے۔ چند شعر دیکھئے۔

گو قصیدہ سے جدا ابر بہار تشبیب

فکر کے تازہ و تر کرنے کو ہے مستعمل
مختلف ہوتے ہیں مضموں کہیں عشق اور کہیں حسن
کہیں نغمہ ہے کہیں مے کہیں پھول اور کہیں پھل
تاہم اک لطف ہے خاص اس میں جو سمجھے ناداں
کہ سخن اور سخن گو کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلمان مع تمہید و گریز
رجعت کفر بہ ایماں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر
شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہہ
نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طولِ سخن
مگر ایمان کی کہئے تو اسی کا تھا محل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا
مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حُسنِ عمل
ہوا مبعوث فقط اس کے مٹانے کے لئے
سیفِ مسلول خدا نورِ نبیِ مُرسَل

....

محسنؔ نے اس قصیدے میں جدت یہ کی ہے کہ اس کے بیچ میں دو غزلیں بھی شامل کر دی ہیں۔ قصیدے میں غزل کی شمولیت نئی چیز نہیں۔ لیکن محسنؔ نے جس خاص شکل کی غزلیں شامل کی ہیں وہ قصیدے کی تکنیک میں نئی چیز ہے۔ اب تک یہ ہوتا تھا کہ جس زمین اور قافیہ وردیف میں قصیدہ ہوتا تھا اس کی غزلیں اس میں جگہ پاتی تھیں محسنؔ نے اس روایت سے انحراف کیا۔ قصیدے میں "بادل" قافیہ تھا۔ محسنؔ نے غزل میں اسے ردیف بنا لیا اور بادل سے پہلے کے لفظ "متھرا" کو قافیہ قرار دے لیا۔ دونوں غزلوں کے اشعار نمونے کے طور پر دیکھئے

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل
شاہد گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل
برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل
میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش و خروش

کسی بے درد کو دکھلائے کرشمہ بادل
اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے
میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقہ بادل
جوش پر رحمت باری ہے چڑھاؤ خم سے
چشمک برق سے کرتا ہے اشارہ بادل

(۲)

کیا جھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل
سجدہ کرتا ہے سوئے یثرب و بطحا بادل
چھوڑ کر سے کدۂ ہندو صنم خانۂ برج
آج کعبے میں بچھائے ہے مصلیٰ بادل

دونوں غزلیں قصیدے کے مضامین سے مربوط ہیں اور اسی مستانہ وعاشقانہ فضا میں ڈوبی ہوئی ہیں جو اس قصیدے پر مطلع سے مقطع تک چھائی ہوئی ہے محسنؔ نے دوسری غزل کے بعد قصیدے کے آخر میں مناجات کے طور پر بھی کچھ اشعار تازہ مطلع کے ساتھ کہے ہیں۔ یہ اشعار قصیدے کی روح کی حیثیت رکھتے ہیں بطور مثال اس جگہ ابتدائی دو شعر اور آخری شعر دیکھئے۔

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل
کہیں جبریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

آخری مصرع بتاتا ہے کہ قصیدہ جس مصرعے سے شروع ہوا تھا اسی پر آ کر ختم ہو گیا۔ یہی صورت قصیدے کے معنوی پہلو کی ہے۔ پہلے شعر سے حسن الفاظ و حسن معنی کی جو خوشگوار فضا قائم ہو گئی تھی وہ آخر تک برقرار رہی ہے اور ایسے ربط و تسلسل کے ساتھ کہ کہیں سے کوئی شعر نکال نہیں سکتے۔ اس لحاظ سے یہ نعتیہ قصیدہ فن قصیدہ سے آگے بڑھ کر مثنوی اور غزل کے فنی معیار پر بھی پورا اترتا ہے۔ ربط بیان اور تسلسل بیان کے لحاظ سے اس میں مثنوی کا لطف ہے۔ قادر الکلامی، زبان و بیان کے شکوہ و تخیل کی پرواز و زور کلام کے اعتبار سے یہ اچھے سے اچھے قصائد کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ محبت کے والہانہ اظہار، رندانہ و پاکبازانہ خیالات اور متغزلانہ بیان نے اسے مومن اور حسرت کی غزلوں کا حریف بنا دیا ہے لیکن لفظ و معنی کی اس ہم آہنگی و رنگارنگی میں نعت کے حدود کو پھلانگ جانے کی کوشش نہیں ملتی بلکہ محسنؔ کی نعتیں متغزلانہ وعاشقانہ فضا رکھنے کے باوجود عام طور پر آیات قرآنی اور احادیث نبوی

ہی کی ترجمان رہتی ہیں۔ کلیاتِ محسن کے مرتب نے بہت صحیح لکھا ہے کہ:-

"چونکہ نعتیہ کلام سے شہرت وعزت یا شاعرانہ وقعت و دنیاوی صلے کی خواہش نہیں تھی اس لئے ان کی نظم سے خلوص عقیدت کا رنگ ٹپکتا ہے۔ گل وبلبل کے پیش پا افتادہ مضامین سے ذہانت ان کو دور رکھتی تھی۔ وہ مضمون نکالتے قران پاک وحدیث شریف سے اور اس کو مذاق شاعرانہ میں اس خوش اسلوبی سے کھپاتے تھے کہ سامعین ادب سے سنتے اور درود کے نعرے بلند کرتے۔ ان کے قادر الکلام ہونے کا بین ثبوت اور قوی دلیل یہ ہے کہ بیان حکایت میں شاعرانہ شوخی حدود تہذیب ومتانت سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتی ہے اور مبالغے کے استعارات صلاحیت کے جوہر اپنے ساتھ لئے رہتے ہیں۔ جہاں کوئی مناسب موقع ہے اور حدیث شریف میں اس کی تصریح نہیں ہے' اس کو اس انداز سے لکھتے ہیں کہ پڑھنے والے کو صاف تمیز ہو جاتی ہے کہ اس قدر مضمون جز وحدیث نہیں ہے بلکہ کلام بزبان حال ہے۔ ان کی صدا بہار طبیعت حسرت ویاس کے مضامین سے الگ رہتی ہے۔ شگفتگی طبع اور زندہ دلی کی برقی روشنی ہر بیان میں اپنی چمک دکھاتی ہے۔ مضامین کی بلند پروازی' الفاظ کا شان وشکوہ' بندش کی چستی ان کا خاصہ طبیعت ہے۔ تشبیب وگریز لکھنا ان کا حصہ تھا۔ خاتمہ ومناجات میں وہ طرز خاص کے موجد ہیں"

فی الواقع محسن کا "قصیدہ لامیہ" اردو شاعری کے بہترین قصیدوں میں سے ایک ہے۔ محسن نے قصیدے ہی کے ایک شعر میں اسے مستانہ غزل سے تعبیر کیا ہے۔ یہ تعبیر بے بنیاد نہیں ہے۔ قصیدہ سر تا سر تغزل میں ڈوبا ہوا ہے۔ محسن میں یقین وامید اور شگفتگی وزندہ دلی کے عناصر اتنے قوی ہیں کہ وہ حسرت ومحرومی یا بے دلی وبے کیفی کی فضا کلام میں پیدا ہی نہیں ہونے دیتے۔ ان کی رجائی طبیعت نے لفظ ومعنی دونوں میں ندرت خیال وندرت بیان کے جادو جگائے ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے کیسی دلآویز ہیں۔

کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہِ نو کی کشتی
بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل

شاہد کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ
چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں
لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

جوگیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھبوت
یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمبل

صاف آمادۂ پرواز ہے شاما کی طرح
پر لگائے ہوئے مژگانِ صنم سے کاجل

محسن کے اس "قصیدۂ لامیہ" کی تقلید وتضمین میں بہت سے شعراء نے طبع آزمائی کی ہے۔ سب سے کامیاب تضمین منشی عبدالمجید سحر مرحوم کی ہے۔ اس تضمین کا تاریخی نام "مدح پیغمبر" ہے۔ 1306ھ میں کہی گئی ہے اور "کلیاتِ محسن" کے حاشیہ میں قصیدہ لامیہ کے ساتھ ہی شائع ہو چکی ہے۔

محسن نے نعت کے موضوع پر مثنویاں بھی کہی ہیں۔ ان مثنویوں میں صبح تجلی اور چراغ کعبہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پہلی 1289ھ اور دوسری 1301ھ میں لکھی گئی ہے۔ دونوں "گلزار نسیم" کی زمین میں کہی گئی ہیں اور اسی رنگ میں ہیں یعنی تلمیحات' استعارات' تشبیہات اور رعایت لفظی کی وہ طلسمی فضا جو گلزار نسیم میں نظر آتی ہے محسن کی مثنویوں پر بھی چھائی ہوئی ہے۔ "صبح تجلی" کا موضوع آنحضرت ﷺ کی "ولادت" اور "چراغ کعبہ" کا "معراج" ہے۔ پہلے چند شعر "صبح تجلی" کے دیکھئے۔

بیضاویٔ صبح کا بیاں ہے
تفسیر کتاب آسماں ہے

ہر دشت ہے مثلِ دشتِ ایمن
ہر کوہ برنگ طور روشن

آنکھیں نظارے کی طلب گار
نظارے کا بخت خفتہ بیدار

منظور ہے حسن کا تماشا
ہر دیدہ ہے دیدۂ زلیخا

ہے شرق سے غرب تک پریشاں
نور عینین پیر کنعاں

وہ سورۂ یوسف تجلی
یہ مطلع مصر کی عزیزی

ہے وقت اخیر شب خلاصا
الواح زبر جد فلک کا

ہنگام سپیدۂ سحر گاہ
ساعات میں روز وشب کی واللہ

اک مخبر صادق البیاں ہے
پیغمبرِ آخر الزماں ہے

کیفیت وحی میں ہے بلبل
ہے وقت نزول مصحفِ گل

سبزہ ہے کنار آبجو پر
یا خضر ہے مستعد وضو پر

نوبت ہے صدائے قمریاں کی
تیاری ہے باغ میں اذاں کی

محو تکبیر فاختہ ہے
قد قامت سرو دلربا ہے

اک شاخ رکوع میں رکی ہے
اور دوسری سجدے میں جھکی ہے

سوسن کی زبان پر مناجات
جاری ہے لب جو التحیات

تسبیح شگوفہ یا مصور
تحریمہ تاک رب اغفر

پھیلی ہوئی بوئے گل چمن میں
اور صلِ علیٰ کا غل چمن میں

غنچے میں سے خامشی کا عالم
یا صومِ سکوت میں ہے مریم

کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے
اور آب رواں طواف میں ہے

زبان وبیان کی یہی صناعی اور یہی آرائش "چراغ کعبہ" میں بھی شروع سے آخر تک نظر آتی ہے۔ بایں ہمہ

مثنوی حسن واثر سے خالی نہیں ہے۔ بطور مثال اس کا بھی ایک ٹکڑا دیکھئے۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے — داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام — شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال — جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے — سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرموں سے چھپائے چہرا — پردیں کو بنائے منہ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا — انداز خرام صوفیانہ
سنانے کا دم انیس و ہمدم — انفاس ہوا رفیق و محرم
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے — لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے
یا تازہ بسی ہوئی ختن کی — کلیاں یوسف کے پیرہن کی

یہ اشعار مثنوی کی تمہید یا پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد "گریز" کے عنوان سے معراج کی رحمت آفریں رات کا منظر کھینچا گیا ہے۔ بعد ازاں "مدح جبرئیل"، "صفت براق" اور "مسجد اقصیٰ" وغیرہ کے عنوان کے ساتھ فلک اول تا فلک ہفتم کی سیر اور آخر میں جنت و دوزخ، عرش و کرسی اور مقام اعلیٰ پر آنحضرت ﷺ کے ورود فرمانے کا بیان ہے۔ مثنوی مناجات پر ختم ہوتی ہے اور زبان لکھنؤ میں محسنؔ کاکوروی کی فنی مہارت اور شاعرانہ فطانت کا سکہ جماتی ہے۔

کلیاتِ محسنؔ میں قصائد و مثنویات کے علاوہ نعتیہ خمسے، غزلیں اور رباعیات بھی ہیں اور ان سب میں محسنؔ نے اپنے معیارِ نعت گوئی کو برقرار رکھا ہے لیکن جیسا کہ اوپر تفصیل دی جا چکی ہے فکر و فن کے جو محاسن ان کے قصیدہ "مدیح الرسلین" میں در آئے ہیں وہ کسی اور جگہ نظر نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے جو شہرت اس قصیدے کو ملی وہ کسی دوسری نظم کو حاصل نہ ہوئی۔

ــــــــــ

ڈاکٹر سید یحییٰ احمد ہاشمی

محسنؔ کاکوروی کی نعت گوئی

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ
کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لئے

محسنؔ اپنی سخن سنجی کو قسام ازل کی نعمت قرار دیتے ہیں۔ اسی لئے وہ اس نعمت کو نعتیہ کلام کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں۔ ان کے قصائد، غزل، قطعات اور رباعیات میں نعت نبوی ﷺ نعمت خداوندی کا اظہار ہے۔ محسنؔ کے لئے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ انہوں نے مقامی رنگ میں نعت کی آمیزش سے چار چاند لگا دیئے اور شاعری کو نکھار دیا۔ شاعر نے سرور کائنات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کو اپنے لئے سرمایہ افتخار اور لکھنوی شاعری کو باوقار بنایا۔

شعراء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں کو نعت میں پیش کیا ہے۔ حسن صورت کو پیش کرنے میں غالباً شاعرانہ حسن بیان ہی مدنظر نہ تھا بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "انا ملیح واخی یوسف صبیح" بھی پیش نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر کی رفعت تخیل نے تشبیہات و استعارات کی مدد سے "سراپا" تشکیل دیا جو شاعری میں حسن صورت کا شاہکار ہے مگر بعض شعراء نے دنیوی محبوب کے خدوخال پر قیاس کر کے "سراپا" لکھے اس لئے وہ افراط و تفریط کے شکار ہو گئے۔ برخلاف اس کے محسنؔ نے تشبیہات و استعارات کا سہارا لیا اور اعلیٰ موضوع کی مناسبت تخیل کی بلند پروازی سے ان کی شاعرانہ صلاحیت اور تلمیحات کے برمحل استعمال سے ان کی فنی مہارت کا پتہ چلتا ہے سراپا کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

کیوں نہ سو جاں سے ہو گلزار بہار معنی — محو رنگینیٔ تصویر سراپائے نبی
ہر وہ صورت ہے کہ دیکھی نہ سنی ایسی کبھی — تھی یہی شکل مقدس کہ ازل میں جو کھنچی

ناز سے خامہ قدرت نے کہا واہ رے میں
بول اٹھا عارض پر نور کہ اللہ رے میں

کیسی تصویر کہ ہے صبح بہار امکاں — کیسی تصویر کہ ہے آئینہ پرداز جہاں
کیسی تصویر کہ ہیں لوح و قلم نور افشاں — کیسی تصویر کہ ہے کلک مصور نازاں

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

کیسی تصویر کہ سب صلی علیٰ کہتے ہیں
کیسی تصویر کہ سب جل علیٰ کہتے ہیں

اس سراپا کو پڑھ کر تصور میں ایک حسین پیکر آ جاتا ہے جو صانع لازوال کی قدرت کا بے مثال نمونہ ہے۔

محسن نے مثنوی صبح تجلی میں حضور نبی کریم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کا ذکر کیا ہے۔ مضمون کے اعتبار سے تمہید بڑی بلند و دلاویز ہے۔ ابتداء میں اس مبارک صبح کا ذکر ہے جس صبح میں ولادت مبارک ہوئی ہے۔ رعایت لفظی میں معنوی رعایت اس خوبی سے رکھی ہے کہ لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تفسیر کتاب آسماں ہے
بیضاویٔ صبح کا بیاں ہے

قران مجید کی مشہور تفسیر بیضاوی نے اس شعر میں جان ڈال دی ہے۔ تفسیر کتاب آسماں کو بھی ذومعنی استعمال کیا ہے یعنی روز ازل میں حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لوح محفوظ میں جو لکھا گیا تھا اس کی تفسیر اس روشن صبح میں ہو رہی ہے اور جس طرح قرآن مجید کی تفسیر بیضاوی ہے اسی طرح لوح محفوظ کی تفسیر آج کی روشن صبح ہے اس لئے کہ اس صبح میں اس ذات بابرکات کا ظہور ہونے والا ہے جس کی خاطر کائنات کو پیدا کیا گیا۔

دیباچہ نگار نسخۂ روز
ہے خاتمۂ شب دل افروز

وہ شب بھی کتنی دل کش ہے جس کے اختتام پر نور سے بھرپور صبح نمودار ہونے والی ہے اور یہ شب کا آخر دن کے طلوع ہونے کی اطلاع ہے۔

سیپارہ لئے ہوئے ہے دوراں
آثار سحر ہوئے نمایاں

کتاب آسماں (قرآن مجید) کی رعایت سے سیپارہ نے لطیف کو دوبالا کر دیا ہے اور پھر دن کی رعایت بھی۔ زمانہ تیسواں ٹکڑا لئے ہوئے' مراد یہ کہ نیا دن (مہینہ کا تیسواں حصہ) ہونے والا ہے۔

آمادۂ دور والضحیٰ ہے
واللیل کو ختم کر چکا ہے

قرآن مجید کے ذکر کے بعد سورہ واللیل کا ذکر رات کی رعایت سے بڑا پر لطف ہے اور جب رات ہو چکی ہے صبح کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں تو دن کی روشنی کے پھیلنے کا وقت ہے اس لئے آمادہ کا لفظ روشنی پھیلنے ہی والی پر خوب چسپاں کیا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ والضحیٰ کو معنوی اعتبار سے کس بلندی پر دکھایا ہے۔

لمبی تمہید میں بڑی تفصیل سے روشن صبح کا ذکر ہے۔ اس پر شوکت تمہید کے بعد لاجواب گریز ملاحظہ ہو۔

ناگاہ بجلوۂ عبارت پیدا ہوئی غیب سے بشارت

لفظ بشارت کی معنویت داد کے قابل ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی نام بشیر کی رعایت کے ساتھ نوید مسیحا کی طرف بھی اشارہ ہے۔

واقعہ کی مدد سے نعت کے موضوع پر بڑی خوبی سے آ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں:-

اس وقت دیار میں عرب کے
مطلع سے تجلیات رب کے

برج شرف قریشیاں میں
اور ہاشمیوں کے خانداں میں

کعبے کی زمین نامور سے
اور عبدالمطلب کے گھر سے

اسلام کا آفتاب چمکا
بے پردہ و بے نقاب چمکا

پیدا ہوئے سرور دو عالم
پیدا ہوئے فخر نوح و آدم

شاہنشہِ انبیاء محمد ﷺ
تاج سر اصفیاء محمد ﷺ

قبلہ و کعبہ کو بڑی خوبی سے یکجا نظم کر کے قدرت کلام کو اوج کمال تک پہنچا دیتے ہیں اور تصوف کا رنگ بھی دیتے ہیں۔ کہتے ہیں:-

پیدا ہوئے قبلہ طریقت
پیدا ہوئے کعبہ حقیقت

مقصود ازل اجل واعلیٰ
منظور حضور حق تعالیٰ

سلطان فلک حشم محمد ﷺ
مہر عرب و عجم محمد ﷺ

پیدا ہوئے بادشاہ ذیجاہ
آرائش تخت لی مع اللہ

سراپا کی جھلک ملاحظہ ہو:-

عین عرفان و مردم عین
ابروے جبین قاب قوسین

جان و دل مرسلیں محمد ﷺ
روح روح الامیں محمد ﷺ

خاتم اور مہر کی رعایت ملاحظہ ہو:-

پیدا ہوئے خاتم النبیین ﷺ
مہر فرماں عز و تمکیں

بامیم احد احمد بلا میم
شائستۂ صد صلوۃ و تسلیم

گنجینۂ اصطفا محمد ﷺ
آئینہ حق نما محمد ﷺ

مثنوی کا اختتامیہ شعر ملاحظہ ہو جس میں جمعہ کے خطبہ کے اختتامیہ الفاظ بڑی خوبی سے لائے ہیں:-

ہے ذکر ولادت پیمبر
اعلیٰ اولیٰ اہم و اکبر

مثنوی چراغ کعبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے واقعہ کو نظم کیا ہے معراج شریف سے متعلق احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھ کر واقعہ کو ترتیب دیا ہے۔ تلمیحات کی روشنی میں تشبیہات و استعارات کا گلدستہ رعایت لفظی کے گلدان میں سجایا ہے۔

مثنوی کی ابتداء خدا کے نام سے کرتے ہیں۔ لفظ سواد (لذت) میں تحریر کی خوبی کے اشارے کے ساتھ ساتھ رات کی تاریکی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ دوسرے مصرعہ میں رات کے ڈھانپ لینے کا ذکر ہے۔ کہتے ہیں:-

ہے نام خدا سواد تحریر
واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر

دریا کی رعایت سے موتی کا ذکر اور مثنوی کی بحر (خفیف) کو پر جوش سمندر سے تشبیہ دینا محسن ہی کا کام ہے۔ معراج شریف کے بیان میں انداز بیان کا ولولہ اور جوش قابل تحسین ہے۔ اس واقعہ کی بڑائی اور عظمت کے

پیش نظر شوکت الفاظ کی مناسبت نہایت اعلیٰ ہے۔

دریائے رواں ہے در نظم آج
یہ بحر خفیف بحر مواج

ذکر معراج کا ہے اس لئے کلام کی بلندی لامکاں تک اور کلیم کی پہنچ آسمان تک ہے۔ چونکہ اس رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اس لئے لفظ کلیم نے اس شعر میں جان ڈال دی ہے۔ پھر اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آج کے کلیم کی رسائی آسمان تک ہے۔

جاتا ہے کلیم آسماں تک
معراج سخن ہے لامکاں تک

اس تمہید میں محسنؔ نے اپنی شاعری کا سارا زور لگا دیا ہے اور حق یہ ہے کہ جیسا مضمون بلند ہے ویسے ہی اس کو کمال معراج پر پہنچانے میں اپنی شاعرانہ صلاحیت سے کام لے کر شاعرانہ عظمت قائم کی ہے۔

چونکہ معراج کا واقعہ نصف شب کے بعد ہوا اور آدھی رات کے بعد رات بھیگ جاتی ہے اس لئے شاعر نے اس محاورے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی توجیہہ بڑے دلآویز طریقہ پر کی ہے کہ چونکہ رات خانہ کعبہ میں داخل ہوئی ہے اس لئے نہا کر اور وضو کر کے آئی ہے۔ بھیگی ہوئی کی رعایت سے آبرو لائے ہیں اور اس کے بعد کے اشعار میں تلازم ارکان حج کا اہتمام کیا ہے۔ حج پر جانے والے حضرات نہا کر، ردا (چادر) جسم سے لپیٹتے ہیں جس کو احرام کہتے ہیں حرم شریف میں باوضو داخل ہوتے ہیں۔ الفاظ (ردا) چادر، احرام، سعی صفا، محرم، رمی جمار، ہدی اور سات مرتبہ صفا اور مروہ (مسجد حرام سے متصل پہاڑیوں) کے درمیان دوڑنا، یہ سارے ارکان بڑی خوبی سے نظم کئے ہیں۔ کہتے ہیں۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے
داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام
شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال
جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے
سر سے پا تک عرق عرق ہے

شب کو لیلیٰ قرار دیتے ہیں لہٰذا نامحرم کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ شب اور لیل کا تعلق بھی دیکھنے والا ہے۔ کہتے ہیں:

نامحرموں سے چھپائے چہرہ
پروین کو بنائے منہ کا سہرا

ستاروں کے ٹوٹ کر گرنے کا اشارہ رمی جمار (شیطان کو کنکری مارنا) کی طرف بڑی خوبی سے کیا ہے کہتے ہیں:-

گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے
ہیں رمی جمار کے اشارے

آگے چل کر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مدح اور براق کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت اللہ تشریف لانا اور وہاں سے بیت المقدس تشریف لے جانا بیان کیا ہے اور بعد میں آسمانوں کے سفر کی تفصیل ہے۔ اس بیان میں مختلف مواقع پر نعتیہ اشعار بڑا لطف دیتے ہیں۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوتی

ہے۔ دو پیغمبروں کی ملاقات جس میں ایک پہلے اور دوسرے آخری پیغمبر ہیں۔ پھر پہلے وہ ہیں جن کی اولاد میں سب انسان ہیں۔ اس ذکر میں درجات کو ملحوظ رکھنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ مگر محسنؔ اس مرحلہ سے بڑی خوبی سے گزر جاتے ہیں اور ہر ایک کا ذکر عین اس کے مرتبے کے مطابق کرتے ہیں اس مشکل کام کو بڑے آسان طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:-

آیا جو وہ فخر عالم
آدمؑ نے کہا خیر مقدم
فرخندہ پسر ملا پدر سے
خیر البشر اول البشر سے

محسنؔ کی نعت گوئی کے مختصر جائزے میں ان کے انداز بیان کا سرسری جائزہ ہی لیا جا سکتا ہے اور مختصر جائزے میں انصاف کے سارے تقاضے پورے کرنا مشکل ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کے ایک ایک لفظ کی دلکشی اور معنوی خوبی کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور اس کو وہ مقام دیا جائے جس کے وہ حقدار ہیں۔

ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی

محسن کاکوروی منفرد نعت گو

محسن کاکوروی کی شاعری اور ان کے فن پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اسلاف کے فضل و کمال ان کے عہد کے حالات، رجحانات کا سرسری طور پر جائزہ لے لیا جائے کیونکہ شاعر کی شخصیت اور تخلیقات پر اس کے عہد، ماحول اور ورثہ کا خاص اثر ہوتا ہے۔ انہیں کے زیر سایہ اس کی فطری اور اکتسابی صلاحیتوں کی نشو و نما ہوتی ہے انہیں کے آغوش میں اس کی فکر و نظر میں وسعت اور تخیل میں رفعت حاصل ہوتی ہے۔ اسلاف کی تعلیم و تربیت عصری رجحانات کے اثرات اور گرد و پیش کے حالات کی آنچ میں تپ کر اس کی شخصیت میں پختگی اور ہمہ گیری آ جاتی ہے، اس کے ذوق ادب اور شعور فن میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہے کہ شاعر کے جذبات و احساسات اپنے عہد کے محرکات سے برانگیختہ ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے خارجی حالات اور داخلی محرکات سے متاثر ہو کر کہتا ہے۔ اس کی شاعری میں اندرونی تحریک اور تخلیقی قوت کا سبب اسکے عہد کے میلانات اور رجحانات ہیں اس کے کلام میں زمان و مکان کی ہم آہنگی اسی کی بدولت پیدا ہوتی ہے اس کی نگاہیں فطرت شناس، اس کا ذہن رسا، اس کی تخیل بلند، اس کی طبیعت نکتہ رس ہونے کی وجہ سے اس کے کلام میں ایک مخصوص و منفرد رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ صحیفۂ فطرت کا مرقع نگار، اسرار حقیقت کا راز دار، اخلاقیات کا سب سے بڑا معلم اور واقعات کا سب سے زیادہ مبصر ہوتا ہے۔ وہ محض تفریح طبع یا انبساط خاطر احباب یا نام و نمود اور شہرت کے لئے شاعری نہیں کرتا اس کے جوہر اندیشہ کی گرمی آبگینۂ سخن کو پگھلا کر شاعری کا پیکر جمیل تیار کر دیتی ہے اور اس کو آفاقیت عطا کر کے لافانی بنا دیتی ہے وہ اپنے خون جگر سے گلستان سخن کو سیراب کر کے سرسبز و شاداب بناتا ہے، اور اپنے ذوق جمال اور شعور فن سے کاوش کے ساتھ شاعری کے چمن کو حسین و جمیل، دلکش، رنگین اور شاہکار بنا دیتا ہے۔ جس شاعر کو اسلاف سے فضل و کمال کا ورثہ ملا ہو جس نے خداداد ذہانت و تخیل پائی ہو جو گرد و پیش کے حالات سمجھنے کی صلاحیت اور زبان و بیان پر پوری پوری قدرت رکھتا ہو۔ اس کی شاعری فصاحت و بلاغت، لطافت و پاکیزگی، گہرائی و گیرائی، دلکشی و رعنائی، جدت و ندرت، وسعت و رفعت غرض تمام شعری و فنی خصوصیات کی شاہکار بن جاتی ہے محسن کاکوروی کا خاندان علم و فضل و کمال کا سرچشمہ رہا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ بہت کم خاندان ایسے ہیں جو نسلاً بعد نسل علوم دینی و دنیوی میں منتخب زمانہ رہے ہیں اسی خاندان کے ایک بزرگ قاری عبدالمجید کو آستانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دربانی کا شرف حاصل تھا۔

اسی خاندان میں حضرت مخدوم نظام الدین قاری جامع علوم ظاہر و باطن گزرے ہیں جن کے زہد و تقویٰ کی بناء پر صاحب تذکرۃ الاصفیا نے ''امام اعظم ثانی'' کہا ہے، جن کو ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں علماء عہد اکبری کے زمرہ میں شامل کیا ہے۔ غرض اس خاندان کا ہر بزرگ شریعت و طریقت کا حامل رہا۔ بیشتر حضرات حافظ، قاری، عالم، زاہد، عابد اور تارک الدنیا ہوئے مذہب و تصوف، زہد و تقویٰ، فضل و کمال اور علم و ادب میں یکتائے روزگار ہوئے ان سب کا تصنیف و تالیف محبوب مشغلہ رہا۔

محسن کاکوروی 1242ھ 1826ء میں بمقام کاکوری پیدا ہوئے اور اسی علم و دانش اور زہد و تقویٰ کی آغوش میں پروان چڑھے، اپنے جد بزرگوار مولوی حسین بخش شہید کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ 120 سال کی عمر تھی کہ جد بزرگوار نے عین حالت نماز میں جام شہادت نوش فرمایا لیکن مذہبی تعلیم رگ رگ میں سرایت کر گئی تھی۔ عشق رسول کی گرمی اور روشنی دل میں پیدا ہو چکی تھی۔ 9 سال کی عمر میں ہی حضور سرور کائنات اور صحابہ کرام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہونا وہ شرف اور مرتبہ ہے جو بڑے بڑوں کو تمام عمر کی ریاضت کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس خواب کا حال فارسی نثر و نظم دونوں میں لکھا ہے۔ نثر کا اقتباس یہ ہے:

''شبے کے صبح آئی روز جمعہ تاریخ نہم ذیقعدہ 1251ھ بعمر نہ سالہ و چند ماہ در کنار جد بزرگوار خود بمقام اٹاوہ در خواب دیدم کہ بصحرائے ہمراہ جد بزرگوار خود دست گرفتہ بطرفے میروم، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحابہ وسلم تشریف می آرند بدست مبارک ایشاں تسبیح است کہ دانہائے کلاں و سیاہ دارد پس دست و جد بزرگوار من گرفتہ بمکان پر نور و باصفا بردند و دروبقیا نشانیدہ اول جد بزرگوار را مرید کردند بعد ازاں مرا بمریدی گرفتند۔''

9 سال کی عمر میں رسول پاک کے جمال جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہونا پر نور اور باصفا مکان میں جانا اور ذات اقدس کا مرید کرنا کیا اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ محسن کا دل بچپن ہی سے حب رسولؐ میں مست و سرشار رہا کرتا تھا۔ یہی جذبہ محبت عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ عشق حقیقی اور والہانہ انداز کی صورت اختیار کرتا گیا لیکن علم و عرفان نے طریقت میں بھی شریعت کا پابند اور ''با محمدؐ ہوشیار'' پر کاربند رکھا۔

ایک طرف پیکر انسانیت برگزیدہ لوگوں کا پاک صاف لطیف اور پاکیزہ ماحول تھا اور ان کی اعلیٰ تعلیم و تربیت تھی لیکن دوسری طرف محسن کاکوروی پر 1826ء کشمکش و کشاکش حیات کا بھی زمانہ تھا اور رنگینی و بوالہوسی کا بھی۔ عالم میں انتخاب شہر دلی پر میر کے زمانہ سے ہی ادبار و افلاس، آلام و مصائب، حادثات و انقلاب کے پہاڑ ٹوٹ چکے تھے۔ سلطنت شاہ عالم از دلی تا پالم کا مقولہ بھی غلط ثابت ہو چکا تھا۔ اندرونی و بیرونی ریشہ دوانیوں اور سازشوں نے ''جہاں آباد'' کو ''ویران آباد'' بنا دیا تھا۔ جان و مال، عزت و آبرو سب خطرے میں تھی۔ امن و سکون غارت ہو چکا تھا۔ حالی کے الفاظ میں

''قوم کی حالت تباہ ہے، عزیز ذلیل ہو گئے ہیں۔ شریف خاک میں مل گئے ہیں علم کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ دین کا صرف نام باقی ہے، افلاس کی گھر گھر پکار ہے۔ پیٹ کی چاروں طرف دہائی ہے، اخلاق بالکل بگڑ چکے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہے۔ رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں

پڑی ہے۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے۔''

لیکن لکھنؤ میں دلی کے مقابلہ میں نسبتاً سکون تھا اور اپنوں اور بیگانوں کی یورش سے بڑی حد تک محفوظ نواب سعادت خان برہان الملک رفتہ رفتہ دلی کے دربار سے آزاد ہوتے گئے ان کے جانشینوں نے کچھ عرصہ تک تو نواب وزیر کے لقب پر قناعت کی لیکن انگریزوں کی سازش کام کرتی رہی بالآخر نواب غازی الدین حیدر (1814-1827) کے زمانہ میں کامیاب ہوگئی اور انہوں نے تاج شاہی زیب سر فرمایا اس طرح نواب وزیر دلی سے آزاد ہوکر انگریزوں کی بدولت خودمختار بادشاہ بن گئے اور ان کا دربار شاہی دربار ہوگیا لیکن لکھنؤ اس سے قبل بھی جنت ارضی بنا ہوا تھا۔ آصف الدولہ جیسے لکھ لٹ' اور قدردان نواب کے عہد سے ہی لکھنؤ فضل وکمال کا مرکز بنتا جارہا تھا ہر علم وفن کے مشاہیر کو لکھنؤ نے سرآنکھوں پر بٹھایا اور کچھ ہی عرصہ میں لکھنؤ رشک دلی واصفہان بن گیا لیکن دولت کی فراوانی نے طاؤس ورباب کی طرف مائل کردیا' ارباب نشاط اور عیش وعشرت کا دور دورہ ہوا۔ ''الناس علیٰ دین ملوکھم'' کے مصداق امیر وغریب' برنا وپیر' سب اسی رنگ میں رنگ گئے۔ سحر کے الفاظ میں۔

خدا آباد رکھے لکھنؤ کے خوش مزاجوں کو
ہر اک گھر خانہ شادی ہے ہر اک کوچہ ہے عشرت کا

اس فارغ البالی اور خوشحالی کے زمانہ میں ہر کس وناکس کا غرق مئے نشاط ہونا لازمی تھا جب لطف خرام ساقی اور ذوق صدائے چنگ کو حکومت کی عملی سرپرستی اور رہنمائی حاصل ہو تو خاص وعام کے لئے وہ جنت نگاہ اور فردوس گوش کیوں نہ ہوتے۔ پورا شہر نگارخانہ عیش وطرب بن چکا تھا۔ شاعر اور فن کار بھی اس سے متاثر ہوئے افکار و خیالات' جذبات واحساسات سب عیش وعشرت کی طرب کی ترجمانی کرنے لگے اور شاعری کا بیشتر حصہ لذت پرستی اور ہوس پرستی کے لئے وقف ہوگیا لیکن اسی تعیش پسند اور اخلاق سوز ماحول میں ایسے بھی حضرات موجود تھے جنہوں نے اپنے اعلیٰ جذبات اور پاکیزہ خیالات سے شرافت وانسانیت کا تحفظ بھی کیا اور اس کی ترقی وبقاء کے لئے بے لوث خدمت بھی کی۔ ڈاکٹر عابد حسین کے الفاظ میں اگرچہ

''زمانہ کی کدورت نے ادب وانشاء کے چشمے کو گدلا کردیا تھا مگر اس میں کچھ سوتیں پاک وصاف پانی کی بھی موجود تھیں امیر' سودا' درد' آتش' غالب' انیس جیسے شاعر بھی اسی اجڑے ملک میں پیدا ہوئے جنہوں نے زبان کو سنوارا۔ معانی کی لطافت کو قائم رکھا اور لوح شعر پر حقیقت کے آب ورنگ سے لافانی نقوش تحریر کردیئے داخلیت کی قید سے تو ان لوگوں میں انیس کے سوا کوئی آزاد نہیں کرسکا مگر اسی تنگ دائرے میں انہوں نے قلب انسانی کے جذبات وواردات کی مصوری میں وہ کمال دکھایا کہ آپ بیتی کو جگ بیتی بنادیا وہ معاشرتی زندگی کی حقیقت سے ناآشنا ہے مگر مشاہدۂ نفس اور تہذیب نفس کا حق ادا کرگئے۔

اور مشاہدۂ حق اور تہذیب نفس کا حق جیسا اور جتنا زیادہ دبستان لکھنؤ میں محسن کاکوروی نے ادا کیا دوسرا کوئی شاعر اس زمانہ میں اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔

یہ صحیح ہے کہ لکھنؤ ہی کے ادب وانشاء کے گدلے چشمے اور لذت پرست ماحول میں ایک صاف وشفاف چشمہ

اور اعلیٰ اور پاکیزہ ماحول بھی تھا' ایک ایسی شمع سخن بھی روشن تھی جس سے انسانیت کی اعلیٰ اور ارفع قدروں کو روشنی بھی ملتی تھی۔ قصائد اور شعر کا ناپاک دفتر عفونت میں سنڈاس سے بدتر ہوچکا تھا۔ اس گندگی اور تعفن کو دور کرنے کا کام مرثیہ گو شعراء نے کیا۔ میر ضمیر اور میر خلیق' مرزا دبیر اور میر انیس کی بدولت اردو شاعری پاکیزہ خیالات اور اعلیٰ جذبات سے مالا مال ہوگئی' تاریک دلوں میں بھی علم وعرفان کی شمع روشن ہوگئی۔ اس کار خیر میں شاہان اودھ کی سرپرستیوں کا بڑا حصہ ہے مگر ان تمام شعراء کا میدان مرثیہ رہا اور مرثیوں ہی میں انہوں نے ہر قسم کے اعلیٰ جذبات بیان کرکے معاشرہ کو کردار وعمل کے اعتبار سے بہتر بنانے کی کوشش کی ان کی یہ کوشش بڑی حد تک کامیاب ہوئی ادب اور شاعری میں بھی تعمیری اور اصلاحی رجحان پیدا ہوئے اور سماج اور ماحول بھی اس سے متاثر ہوا۔

انہیں بزرگوں کی بدولت مرثیہ کو وہ اہمیت اور عظمت نصیب ہوئی کہ اردو شاعری میں اس کو مستقل اور اعلیٰ صنف سخن کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا مگر اردو ادب کی تاریخ میں یہ فروگزاشت انتہائی قابل افسوس ہے کہ نعت کو ادبی اور فنی حیثیت سے نظر انداز کیا جاتا رہا نہ تو ادب کے مورخین نے اس کی طرف خاص توجہ کی اور نہ ناقدین نے اس کو اس قابل سمجھا کہ اس کے متعلق شعوری طور پر اپنی رائے کا اظہار کرتے۔

مولانا حالی نے مقدمہ شعروشاعری میں غزل قصیدے اور مثنویوں پر اپنی رائے ظاہر کی ہے اور انہوں نے شعر وقصائد کو ناپاک دفتر تک کہہ دیا لیکن ان کی نظر صرف ان قصیدوں تک رہی جو صاحبان اقتدار کی شان میں کہے گئے۔ انہوں نے معلوم نہیں کیوں نعتیہ قصائد اور مثنویوں کو نظر انداز کردیا۔ حالانکہ ان کے زمانہ میں نعتیہ قصیدوں اور مثنویوں کی کمی نہیں تھی۔

اس سلسلہ میں امیر مینائی' منیر شکوہ آبادی اور محسن کاکوروی کے نام ہی کافی ہیں محسن مقدمہ شعروشاعری سے پہلے تین قصیدے۔

(۱) گلدستہ رحمت 1842ء۔ (۲) ادبیات نعت 1857ء اور مدیح خیر المرسلین 1876ء لکھ چکے تھے ان میں آخری قصیدہ مدیح خیر المرسلین۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اپنی نادر تشبیہات' جدت بیان اور ہندوستانی تلمیحات کی وجہ سے شہرت دوام اور قبولیت عوام حاصل کرچکا تھا۔

قصیدوں کے علاوہ محسن کی دو نعتیہ مثنویاں صبح تجلی 1872ء اور چراغ کعبہ 1883ء مشہور ومقبول ہوچکی تھیں دو اور مثنویاں فغان محسن 1872ء اور نگارستان الفت 1876ء بھی شائع ہوچکی تھیں۔ محسن کے قصیدوں اور مثنویوں کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ ان کا موضوع ان کا انداز بیان ان کی زبان' مخصوص ومنفرد تھی۔ یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا حالی ان سے بے خبر تھے کیونکہ مقدمہ شعروشاعری' 1893ء میں شائع ہوا اور یہ سب کلام اس سے قبل منظر عام پر آچکا تھا۔

اسی طرح پروفیسر کلیم الدین احمد نے اردو شاعری پر ایک نظر دو جلدوں میں لکھی لیکن وہ بھی اس لطیف اور

پاکیزہ شاعری کو نظر انداز کر گئے۔ انہوں نے ہزلیات اور اس قسم کی دوسری خرافاتی شاعری پر تو نظر ڈالی مگر نعتیہ شاعری کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ مرثیہ کا ذکر ان دونوں حضرات نے خوب خوب کیا حالانکہ نعت کا مرتبہ موضوع، فن اور صنف غرض ہر اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ مگر شعراء نے محض ثواب کی خاطر اپنے مجموعہ کلام میں نعت کو شامل کیا ہے لیکن اس کے بعد وہ اس خوشگوار فرض سے عمر بھر کے لئے عہدہ برآ ہو گئے یوں تو قریب قریب ہر شاعر نے نعت لکھی ہے مگر اس کو فنی حیثیت کبھی نہیں دی غالباً اسی لئے تاریخ ادب اور تنقید کی کتابوں میں نعت اور نعت گو شعراء کو اہمیت نہیں دی گئی۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ایسے ایسے اصناف سخن میں بھی دفتر کے دفتر سیاہ کر دیئے گئے جن کا ادب اور زندگی سے محض تخریبی تعلق رہا ہے۔ ان میں شعراء نے بھی اپنے کمال فن کے جوہر دکھائے ہیں اور خوب خوب کھل کھیلے ہیں۔ تاریخ ادب اردو کی یہ اصناف رنگین و دلکش سہی لیکن ان کے تباہ کن اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ان کے برخلاف اہم اور مقدس موضوعات، حمد و نعت و منقبت سے شعراء نے صرف دیوان کی زینت کا کام لیا بہت کم شاعر ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے ان کو بھی اہم سمجھا اور نعت گو شعراء میں تو کئی ایسے باکمال شاعر گزرے ہیں جن کی شاعرانہ عظمت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ نیاز بریلوی شہیدی دلورام کوثری محمد حسین فقیر، منیر بیدم وارثی کو کیا صرف اس لئے تاریخ ادب اردو میں وہ مرتبہ دیا گیا کہ وہ نعت گو شاعر تھے۔ اس عہد میں اقبال سہل، حمید لکھنوی کی شاعرانہ عظمت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن ان کو بھی وہ مقام اور درجہ نہیں دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔

اس کا خاص سبب یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ انہوں نے نعت گوئی کو تمام اصناف سخن پر ترجیح دی ارباب فکر و دانش کے لئے یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ مرثیہ کو صنف سخن میں شامل کرنا اور اس کی ادبی و فنی حیثیت کو تسلیم کرنا اور نعت کو نظر انداز کرنا کس حد تک جائز و مناسب ہے؟

محسن کی طبع سلیم پاکیزہ تخیل نے عام مذاق اور رجحانات کے برخلاف جس میں وہ بہت جلد شہرت و مقبولیت بھی حاصل کر سکتے تھے اور رونق بزم سخنوراں بن کر استادی کے مرتبہ پر بھی فائز ہو سکتے تھے اپنے لئے نعت گوئی اختیار کی نو سال کی عمر میں ہی جس بچے کو حضور پرنور نے زیارت اور بیعت کی سعادت عطا کی ہو اس کا معصوم اور پاک دل محبت رسول میں مست و سرشار ہو جانا یقینی ہے یہ محبت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ رسول پاک کی محبت کی وہ چنگاری جوان کے جد اعلیٰ قاری عبدالمجید (دربان آستانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں پیدا ہوئی تھی وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہو کر قاری امیر نصیر الدین کے دل میں اس حد تک فروزاں ہوئی کہ وہ ''دلیل اللہ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ گویا جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عشق الٰہی کا درجہ حاصل کر لیا۔ عشق و محبت کی اسی شمع نے محسن کے سینہ کو گرمی اور روشنی عطا کی اور اسی شمع فروزاں نے دیدار رسول پاک ؐ سے شرف بخشا۔ جب دل شعلہ عشق سے منور ہوا اور اعلیٰ تعلیم اور پاکیزہ تربیت حاصل ہوا تو دل و دماغ ہر وقت یاد محبوب میں کیوں نہ مصروف ہوتا۔

9 سال کی عمر سے محسن کا دل حب رسول کی لذت سے آشنا ہو چکا تھا اور اس نیش عشق کے گوارہ ہونے کے لئے کچھ مدت درکار تھی لیکن محسن بہت کم عرصہ میں اپنے دلی جذبات کو اشعار کے حسین پیکر میں ڈھال کر پیش

کرنے لگے۔

ابھی سولہ سال کی عمر تھی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فدائی نے کلام رحمت کا ایک گلدستہ نامہ قصیدہ کی شکل میں بارگاہ رسالت ؐ میں پیش کیا۔ پہلا قصیدہ ہونے کے باوجود زبان و بیان کے اعتبار سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ قصیدہ کسی سولہ سالہ نوخیز جوان نے لکھا ہے۔ خیالات میں پاکیزگی، جذبات میں صداقت، زبان میں شکوہ، بیان میں ندرت اور ان سب سے بڑھ کر محبت و ادب کے حدود میں قائم رہنا اور ذات گرامی کی عظمت شان کے بموجب الفاظ کا استعمال کرنا محسن کے کمال فن کو ظاہر کرتا ہے۔

تشبیب، گریز، مدح، مدعا، دعا سب پر روحانیت کا غلبہ ہے اس قصیدہ میں دو مطلع اور 51 اشعار ہیں۔

قصیدہ کا آغاز بہاریہ انداز میں کیا ہے۔

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن   غنچہ ہے نام خدا نافہ آہوئے چمن
فیض تاثیر ہوا ہے کہ ہوا جاتا ہے   روکش باغ خلیل اب کی سراپا گلشن
جملہ اجمعہ اللہ نیانا حسنا   ان دنوں فصل بہاری میں ہے صحرائے چمن

کون یقین کر سکتا ہے کہ قصیدہ کے یہ اشعار کسی کہنہ مشق استاد کے نہیں ہیں۔ گریز سے پہلے چند اشعار توصیف لکھتے ہیں۔

کیا عجب اس رخ زیبا کی جو توصیف لکھوں   ہوں گہر ہائے فقط حضرت یوسف کا ثمن
اس کی توصیف میں اک شمہ ہے قرآن شریف   کہ لکھا خامہ قدرت نے بوجہ احسن
شمس وصف رخ و تین ہے وصف دنداں   والضحیٰ وصف حسیں نور ہے وصف گردن
یعنی وہ جس کی ہوئی ذات سراپا برکات   باعث خلق زماں موجب ایجاد زمن
پیشوائے رسل و سید نسل آدم   جلوۂ حضرت حق نور مجسم ہمہ تن
جس کی توصیف میں خود خامہ نقاش ازل   لکھ چکا مطلع ایجاد بوجہ احسن
اے محمدؐ ہے بلاشک وہ تری ذات حسن   جس کی توصیف میں عالم کی زباں ہے الکن
یہ نئی بے ادبی مجھ سے نہ ہوتی ہرگز   مجھ کو گستاخ نہ کرتا جو ترا عشق کہن

عشق کہن کی بدولت یہ نئی بے ادبی سرزد ہوئی، یہ عشق کہن وہی ہے جو محسن کو اسلاف سے ملا تھا ورنہ سولہ برس کی عمر میں عشق کہن کہاں ہو سکتا ہے دعا اور مدعا کے یہ اشعار کوئی صاحب دل ہی کہہ سکتا ہے۔

ہے گزارش یہی محسن کی بامید قبول   ہو معاف اب نظر لطف سے بے ساختہ پن
مجھ یہ بخت کو ہو عشق لب رنگیں کا   مہر سے لعل کو پیدا کرے کان آہن
نہ رہے چشمہ کوثر کی تمنا مجھ کو   اس طرح کر لے تو اپنا مجھے مفتون دہن
یاد میں جلوۂ رخسار کے ہو حشر مرا   صبح محشر کو یہ سمجھوں کہ وہ ہے صبح وطن

یہ اس جواں بخت، جواں عمر، جواں سال کی محبت و شیفتگی رسول تھی جس کا اظہار اس قصیدہ میں کیا گیا۔

گلدستۂ کلام رحمت' نذر کرنے کے بعد محسن نے عقیدت و محبت کے اور بھی نذرانے بارگاہِ رسالت میں پیش کیے جن کی تفصیل صنف وار حسب ذیل ہے:۔

قصائد:

ا۔گلدستۂ کلام رحمت	1258ھ/1842ء	بعمر 16 سال
۲۔ابیات نعت	1274ھ/1857ء	بعمر 24 سال
۳۔مدیح خیر المرسلین	1293ھ/1876ء	بعمر 49 سال
۴۔نظم دل افروز	1318ھ/1900ء	بعمر 74 سال
۵۔انیس آخرت	1322ھ/1904ء	بعمر 74 سال

مثنویات:

ا۔صبح تجلی	1289ھ/1872ء	بعمر 45 سال
۲۔چراغ کعبہ	1301ھ/1883ء	بعمر 57 سال
۳۔شفاعت ونجات		
اسرار معانی دردعشق	1311ھ/1893ء	بعمر 67 سال

ان کے علاوہ دواور مثنویاں فغان محسن 1289ھ/1872ء اور نگارستان الفت المعروف بہ پیاری باتیں 1293ھ/1876ء ہیں۔

مسدس حلیہ مبارک سراپائے رسول اکرم 1266ھ/1849ء بعمر 24 سال

رباعیات 23 رباعیاں 1857ء کے دوران

تضمین 19 بند

غزلیات 4

ایک ناتمام ساقی نامہ کا ذکر امیر احمد علوی نے مثنویات میں کیا ہے اور اس کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں وہ لکھتے ہیں۔ایک ناتمام ساقی نامہ کلیات محسن میں ہے جس کا رنگ ان کے سب کلام سے جدا ہے۔

چند اشعار سنئے

زردی چھائی ہوئی رخساروں پر
سرسوں پھولی ہوئی انگاروں پر

یہ انگرکھے تری گلکاری کے
جن کی کلیوں میں چھپے ہیں کانٹے

کامدانی کا پہننا چھوڑا
لٹ گیا تیرا سہانا جوڑا

باتیں کرتے ہو تو رک جاتے ہو
آپ ہی چھیڑ کے شرماتے ہو

شہر کا سیر و تماشا چھوڑو
چاندنی چوک کا رستا چھوڑا

ہوش میں آؤ سمجھ والے ہو
تم تو بے مئے پئے متوالے ہو

چاندنی پچھلے پہر کی کب تک
روشنی شمع سحر کی کب تک

جھوٹی کھاؤ نہ ہزاروں قسمیں
پھینک دو دل جو نہیں ہے بس میں

لیکن مذکورہ بالا کلیات محسن میری نظر سے نہیں گزرا۔موجودہ کلیات نعت محسن میں یہ ساقی نامہ نہیں ہے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے محسن کے نعتیہ کلام کے علاوہ دوسرے کلام کے متعلق اشارے کیے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ"چند غزلیں،ایک ناتمام عشقیہ مثنوی نگارستان الفت' ایک مثنوی فغان محسن ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی تعریف میں چتر شہنشاہی کے نام سے اور چند قطعات تاریخ اور ہیں۔ص 522

امیر احمد علوی نے جو اشعار ساقی نامہ کے درج کیے ہیں وہی اشعار نگارستان الفت کے تحت ڈاکٹر ابواللیث صاحب نے ان الفاظ کے ساتھ پیش کیے۔

مثنوی نگارستان الفت میں خاص لکھنوی مثنویوں کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔

مردنی چھائی ہے چہرہ دیکھو
اپنی جاتی ہوئی دنیا دیکھو

بند آنکھیں کیے روتے دیکھا
رات ہم نے تجھے سوتے دیکھا

سو کہیں ایک نہ مانی آخر
مٹ گئی تیری جوانی آخر

دل ناشاد کو رکھ قابو میں
نہ سہی یار نہ ہو پہلو میں

مثنوی فغان محسن جو کسی دوست کے قید ہو جانے پر لکھی گئی'خلوص جذبات کا مرقع ہے۔

یہ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہوا
تڑپنے لگا دل اچھلنے لگا

مری چشم تر کا یہ کیا حال ہے
کہ دامن سے تا آستیں لال ہے

مرے منہ پہ زردی سی کیوں چھا گئی
چمن میں مرے کیوں خزاں آگئی

دوسرا قصیدہ۔ابیات نعت 32 سال کی عمر میں لکھا۔اس قصیدہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس پر حضرت امیر مینائی مرحوم نے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تضمین کی ہے قصیدہ کی تصنیف کا زمانہ بھی وہ ہے جب ہندوستان پہلی جنگ آزادی کی جدوجہد میں مصروف تھا اور پورا شمالی ہندوستان حریت وانقلاب کے سیلاب کی زد میں آچکا ہوتا تھا۔محسن عاشق رسول اپنے وطن کاکوری آچکے تھے۔اور خونین انقلاب سے بے نیاز ہو کر یاد محبوب میں ہمہ تن مصروف' حضرت امیر مینائی بھی چند روز کے لئے کاکوری چلے آئے اور ابیات نعت سے ان کا دل اتنا متاثر ہوا کہ مخمس نعتیہ کے نام سے اس پر اعلیٰ درجہ کی تضمین لکھ دی۔اس قصیدے میں 101 ایک سو ایک اشعار ہیں اور ہر شعر شعری وفنی خوبیوں کے ساتھ حب رسول کا پیکر جمیل ہے۔

تمنائے محسن کا والہانہ انداز قابل رشک ہے

فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں ایوان محشر میں
جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمدؐ کا

تلے اس نظم کا ہر حرف میدان قیامت میں
بطرز تازہ ہو وزن اپنے اشعار مجدد کا

ترے دربار میں ہر وقت رہنے کی اجازت ہو — مجھے سرکار سے خلعت ملے عیش مخلد کا
ترے عارض کو میں آئینہ نور خدا سمجھوں — کہ فہم سر وحدت ہے الف ایماں کی ابجد کا
الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامہ کی — بڑھا معلوم ہو لفظ احد میں میم احمدؐ کا

ستائش محمد کا یہ انداز دیکھیے۔

ستائش کے لئے تو واسطے تیرے ستائش ہے — کہ ہے مذکور قرآں میں ترے اوصاف بیحد کا

حضرت امیر مینائی نے تضمین کی۔

طبیعت کے سخندانوں کو منظور آزمائش ہے — وگرنہ ان کی مداحی سے کب تیری نمائش ہے
بہت دشوار اب تو نعت و مدحت کی کشائش ہے — ستائش کے لئے تو واسطے تیرے ستائش ہے

کہ ہے مذکور قرآں میں ترے اوصاف بیحد کا

تیسرا قصیدہ. مدیح خیر المرسلین ہے یہ قصیدہ لامیہ قصیدہ کے نام سے بھی مشہور ہے اپنی نادر تشبیہات ہندوستانی تلمیحات اور زبان و بیان کی خوبیوں کے اعتبار سے اس قصیدہ کو جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ محتاج تعارف نہیں قصیدہ کی تشبیب اتنی دلکش اور نرالی ہے کہ اردو میں اس کی مثال نہیں ملتی جس نعتیہ قصیدہ کا آغاز

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

سے ہو اس کی جدت و ندرت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔ یہ محسن ہی کی محبت کا کمال تھا کہ انہوں نے متھرا' گوکل' کاشی' گنگا جل' کنھیا' گوپیاں اور دوسری ہندوستانی تلمیحات سے قصیدہ کو اسلامی تصوف اور ہندی تخیل کا سنگم بنا دیا۔ معترضین جو چاہیں اعتراض کریں لیکن ان تلمیحات سے عظمت رسول پاک پر حرف نہیں آسکتا بلکہ ان کے خاتم المرسلین اور رحمۃ اللعالمین ہونے پر غیر مسلموں کو بھی یقین آ جاتا ہے۔

اس قصیدہ کا ایک تاریخی پس منظر بھی ہے جناب طاہر محسن علوی صاحب نبیرہ حضرت محسن کاکوروی کو تفصیل کے ساتھ اس پس منظر کا علم ہے اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں۔ ارباب ادب نے محسن کی قصیدہ نگاری اور خصوصاً اس قصیدے کے متعلق ادبی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر سید اعجاز حسین مذہب اور شاعری میں قصائد کے اندر اسلامی رسوم کے ساتھ ساتھ ہندوانہ رسموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''دور آخر میں بالخصوص محسن کاکوروی کے یہاں یہ عنصر خاص طور پر نمایاں ہیں ان کے لامیہ قصیدے میں کئی ایک مقامات پر نہایت شد و مد کے ساتھ ہندوؤں کے رسوم پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے مقدس مقامات کا بھی ذکر آیا ہے اور بعض واقعات اور تہوار بھی نہایت خوبصورتی سے نظم ہو گئے ہیں۔''

محسن نے بڑا کام کیا کہ مذہبی و نیم مذہبی امور کو قصیدہ میں جگہ دے کر نہ صرف وسیع النظری کا ثبوت دیا بلکہ ادب کو ایک نئے میدان کی طرف بڑھانے کی کوشش کی سودا اور منیر کی طرح محسن کا بھی قصیدہ پر احسان رہے گا کہ

ادب کو زندگی سے قریب تر کرنے کی فکر کی ایک نئے عنوان کا اضافہ کیا۔ قصیدہ کو بھی دلچسپ بنایا اور ادب کے بڑے فرض کو ادا کرنے کی کوشش کی اس جرأت رندانہ کی قدر ہماری نگاہوں میں وہ کاشی متھرا برج کھنیا ... اور گوپیوں کو جگہ دے کر تشبیب کو دلکش بنا دیتے ہیں ہندوؤں کے رسوم نظم کر کے اپنی جدت پسندی اور ... کا مسلسل ثبوت دیتے ہیں۔

''محسن بحیثیت شاعر فطرت کے تابع فرمان تھے شاعرانہ لطافت و جوش کے لئے جو کچھ بھی ضروری سمجھا نظم کر گئے...... اندیشہ بے جا نے یا مذہب کی غلط ترجمانی نے شاعری میں اس فطری طرز تخیل کو روک دیا۔ ان کے بعد کسی دوسرے قصیدہ گو نے ہندوانہ تلمیحات و رسوم کو قلم بند کرنے کی جرأت نہ کی۔'' (ماخوذ)۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اس قصیدہ کو محسن کی شاعرانہ خوبیوں کا حامل بتایا ہے خاص طور پر تشبیب کو بہت سراہا ہے۔

''ایسی نرالی تشبیب آپ کو اردو کے کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں ملے گی۔ ذوق و سودا قصیدے کے بادشاہ ہیں لیکن ان کی کسی تشبیب میں ایسی جدت اور اتنا زور نہیں یہ مضامین تشبیہات' استعارات اور خیالات جو خالص ہندوستانی فضا کی پیداوار ہیں محسن ہی کا حصہ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محسن کی پاکیزہ طبیعت عوام کی پامال شاہراہ سے بچ کر اپنا راستہ الگ بنانا چاہتی تھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سرزمین نعت میں اپنی جدت پسندی سے رنگ رنگ کے پھولوں کا ایک گلزار کھلا دیا ہے۔

محسن نے اپنے دامن کو اپنے ہی پھولوں سے بھرا ہے۔ ان پھولوں میں رنگ و بو بھی ہے اور نفاست و پاکیزگی بھی۔ ہندوستان کی فرحت بخش' حیات آفریں اور روح پرور فضا نے انہیں اور بھی دلکش و رنگیں بنا دیا ہے۔

جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں — لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل
شاہد گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل — برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل
چشم میکش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب — پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل
کیسی افسردگی' کیا بات ہے مرجھانے کی — غنچہ کہتا ہے بجا لو ہے کہ گلشن سے نکل
گل بے رنگی مطلق سے لہکتے گلزار — بے نیازی کے ریاحین سے مہکتے جنگل
باغ تنزیہ میں سرسبز نہال تشبیہ — انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کوپل
گل خوشرنگ رسول مدنی عربیؐ — زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل
محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر — کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھر سے بادل
ہو مرا ریشہ امید وہ نخل سرسبز — جس کی ہر شاخ میں ہوں پھول ہر اک پھول میں پھل
آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تا دم مرگ — شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
صف محشر میں تیرے ساتھ ہو تیرا مداح — ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ — سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

دو قصیدے نظم دل افروز (1900ء) اور انیس آخرت (1904ء) 74 اور 78 سال کی عمر میں لکھے یہ دونوں قصیدے انبیائے کرام، قرآن پاک کی آیات اور مذہبی جذبات وخیالات کا آئینہ دار ہیں۔ نظم دل افروز میں حضور اکرم کی ولادت باسعادت اس کا پس منظر اور آپ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے اخلاق کریمہ، معراج شریف کا بیان اور صحابہ کرام کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔

ہوا عالم معطر صبح میلاد پیمبر میں
بسا ہے نالۂ جانسوز بلبل تک گل تر میں

نبوت کا تجمل، اصطفا کی مسند آرائی
فلک کی ہفت اقلیم اور زمیں کے ہفت کشور میں

فلک نے آبرو پائی جو چتر فرق عالی کی
در شہوار انجم ہو گئے داخل نچھاور میں

ترا اسم گرامی زیر بسم اللہ عنواں میں
ازل کے ہر صحیفے میں ابد کے ہر رجسٹر میں

دم شمشیر موسیٰ تیرے اصحاب مکرم میں
کمال آل ابراہیم تیری آل اطہر میں

ترے اقبال سے شان سلیمانی و داؤدی
ہوئی یکجا ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ میں

غرض ہر جا شفیع و رحمۃ اللعالمیں تو ہے
زمیں میں آسماں میں جنت الماوٰی میں محشر میں

رہے پہنے ہوئے قرآن کا جامہ سخن میرا
کوئی حرف غلط آئے نہ سہواً میرے دفتر میں

سفارش نامہ ہو مولیٰ کا اس دست شکستہ میں
پکاریں جب مجھے سرکار عالی جاہ داور میں

درود غیر محدود آپ کی روح منظم پر
تسلسل رشتہ ہے جب تک ابد کی سلک گوہر میں

سلام غیر محدود آل و اصحاب مکرم پر
دوام عیش ہے جب تک بہشت روح پرور میں

انیس آخرت (1904ء) آخری قصیدہ ہے، 78 سال کی عمر ہو چکی تھی حب رسولؐ رگ رگ میں پیوست ہو چکا تھا۔ سفر آخرت کی تیاری کے لئے سروسامان کی فراہمی کا خیال ہر وقت دل ودماغ پر مستوی رہتا ہوگا۔ قلب بیقرار و چشم گریاں کا سکہ رواں ہو چکا ہے۔ یہ قصیدہ بھی محبوب یزداں کی تشریف آوری اور حضور کے مراتب اعلیٰ معجزات وبرکات کے ذکر سے معمور ہے۔

بحکم کنت کنزاً مدعا تھا آفرینش سے
بشان دلربائی بندہ کرنا نوع انساں کا

کہوں ایمان کی سو بار اٹھالوں سر پہ قرآں کو
کوئی ثانی نہ یزداں کا نہ اس محبوب یزداں کا

صفی اللہ کا پیارا خلیل اللہ کا حامی
لب عیسیٰ کا ہمدم ہمزباں موسیٰ عمراں کا

فصاحت کلمہ پڑھتی تھی لب جاں بخش حضرت کا
زبان شستہ گویا نسخہ تھا اعجاز قرآں کا

اور یہ دعا تو محسن جیسے عاشق رسولؐ ہی کا دل مانگ سکتا تھا۔

الٰہی مجھ کو ایسا کر شہید اپنی محبت کا
کہ ہر نوک مژہ فوارہ ہو خون رگ جاں کا

وہ کو حب محمد مصطفٰے کے گھر کرے دل میں
دو عالم ہو چراغ کشتہ جس کے طاق نسیاں کا

اسی کا شوق اسی کی آرزو ہو وقت مردن تک
رہے تا روز محشر سر پہ سایہ اس کے داماں کا

اس قصیدے کے ایک سال کے بعد ہی دوشنبہ 18 صفر 1323ھ 24 اپریل 1905ء دس بجے دن اسی

کے شوق اور آرزو بھرے دل کے ساتھ جنت الفردوس سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گلدستہ کلام رحمت کے بعد 24 سال کی عمر میں ایک مسدس "سراپائے رسول اکرمؐ" لکھا جس کا تاریخی نام حلیہ شرف نسل آدم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مذہبی شاعری میں مسدس کو جو مقبولیت اور اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے مرثیوں کا تمام سرمایہ مسدس ہی میں ہے اور مولانا حالی کا مسدس مدوجزر اسلام تو اس قدر مقبول ومشہور ہوا کہ مسدس کا نام آتے ہی ذہن فوراً مسدس حالی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مذہبی مسدس لکھے گئے لیکن قصیدہ اور مثنوی کا ذکر تو مذہبی شاعری کے تحت کیا گیا مگر بحیثیت صنف کے مسدس کو مذہبی شاعری سے خارج کر دیا گیا۔ یہ فروگزاشت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے "مذہب اور شاعری" میں رباعی مخمس قطعہ وغیرہ پر بھی مذہب کے اثرات تحریر کئے ہیں لیکن مسدس حالی کو نظر انداز کر گئے۔ البتہ مولوی عبدالسلام ندوی نے شعر الہند جلد دوم میں مذہبی شاعری کے تحت مسدس حالی اور محسن کے مسدس سے مثالیں دی ہیں۔

سراپائے رسول اکرمؐ میں محسن کا یہ مسدس اردو شاعری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس میں ادب واحترام کے جذبات جس خوبی کے ساتھ محسن نے ادا کئے ہیں اس سے ان کے شاعرانہ کمال، مذہبی معلومات اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پہلا بند ہی محبت وعقیدت اور عظمت واحترام کا پرخلوص مرقع ہے۔

للہ الحمد شب غم نے اٹھایا بستر
مرحبا طالع بیدار مبارک ہو سحر
مژدہ اے دل کہ ہوا نور خدا پیش نظر
بارک اللہ طبیعت کا ہے رنگ دیگر
گر نہ ہو پاس ادب تو مجھے کچھ دعویٰ ہے
سجدہ کرتے ہیں ملائک مرا وہ رتبہ ہے

سراپا نگاری کا کمال دیکھئے۔

یاں نہ سوجاں سے ہو گلزار بہار معنی
کیسی رنگین ہے تصویر سراپائے نبی
یہ وہ صورت ہے کہ دیکھی نہ سنی ایسی کبھی
تھی یہی شکل مقدس کہ ازل میں جو کھنچی
ناز سے خامہ قدرت نے لکھا واہ رے میں
بول اٹھا عارض پرنور کہ اللہ رے میں

یہی تصویر جسے کھینچ کے نقاش ازل
یہ لگا کہنے کہ ہر وصف میں ہے تو افضل
تیری صورت سے کھلے معنی ماقل و دل
انبیاء شرح مفصل ہیں تو متن مجمل
تو ہے خورشید ترے سامنے انجم ہیں نبی
تو ہے شمسیہ تصور میں تو سب ہیں قطبی

تو ہے داؤد نعم تو ہے سلیماں خاتم
فکر یحییٰ ہے تو ذکر زکریا ہر دم
خلت خاص خلیل و برکات آدم
شکر یعقوبی و صبر دل ایوب بہم
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ مسدس 74 بند کا ہے۔ بند کا ایک ایک لفظ معنی و مطالب کا گنجینہ اور عقیدت و خلوص کا نذرانہ ہے۔

لو مبارک ہو قدموسی حضرت محسن — کس کو ہوتی ہے نصیب ایسی سعادت محسن
اب نہیں باقی ہے کچھ خواہش ہمت محسن — آرزو اتنی ہے بس روز قیامت محسن
سر کے بل جاؤں جو نقش قدم سرور پر — سارے محشر کی زمیں رکھ لوں اٹھا کر سر پر
ہے یہ امید کہ جب گرم ہو بازار نشور — یوں کہے بادشہ بارگہ عالم نور
لو سراپا ہمیں تم دو عوض حور و قصور — میں کہوں واہ مجھے یہ نہیں ہرگز منظور
مفت حاضر ہے مگر اس کی یہ تدبیر نہیں — کھوٹے داموں بکے یوسف کی یہ تصویر نہیں

محسن کے اس سراپا کو بارگاہ نبوت میں شرف قبولیت بخشا گیا۔ مولوی عبدالحق صاحب کانپوری نے اپنے ایک خط میں حضرت محسن کو تحریر فرمایا۔

''میں آپ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ جب میں مدینہ طیبہ میں در اقدس پر حاضر تھا اس زمانے میں میرے دوست مولوی محمد مظفر الدین صاحب حیدر آبادی نے اپنا خواب بیان کیا جس کو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ ایک شب مجلس بابرکت حضرت سرور کائنات صلعم میں باریابی ہوئی تو دیکھا شہیدی اپنا قصیدہ سنا رہے ہیں اس پر جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ محسن کا سراپا سناؤ وہ بہت اچھا ہے اور ہمارے یہاں مقبول ہے۔''

عبدالحق

25 جمادی الثانی 1309ھ

محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا لکھنا اور حدود شریعت کے اندر رہ کر اپنے جذبات محبت کو قابو میں رکھنا۔ کسی برگزیدہ اور خدا رسیدہ سالک ہی کے بس کی بات ہے ورنہ سراپائے رسول اکرمؐ لکھنے کی سعادت سے بڑے بڑے محروم رہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

محسن نے اسی سراپا پر اکتفا نہیں کیا انہوں نے قریب قریب ہر نظم میں خواہ وہ قصیدہ ہو یا مثنوی حضور اکرمؐ کے حلیہ مبارک پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے۔ مثنوی چراغ کعبہ میں بھی سراپا نگاری کی ہے۔

اردو میں عشقیہ مثنویوں کے ساتھ ساتھ مذہبی مثنویاں بھی ہر دور میں لکھی گئیں بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مثنویوں کی ابتداء ہی مذہب سے ہوئی اور ایسی تو کوئی مثنوی نہیں ہے جس کا آغاز حمد و نعت و منقبت سے نہ کیا گیا ہو۔ سحر البیان، گلزار نسیم، طلسم الفت، زہر عشق، جیسی عشقیہ مثنویوں کی ابتداء حمد و نعت کے اشعار سے ہوئی ہے۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سب سے زیادہ مذہبی خیالات مثنویوں ہی میں ادا کئے گئے لیکن بہت سی مثنویاں صرف مذہبیات

تک محدود رہیں۔ اس لئے ان کے اندر وہ وسعت و جامعیت وہ کردار نگاری و مرقع نگاری، وہ تنوع و رنگا رنگی، وہ دلکشی و رعنائی پیدا نہ ہو سکی جو عشقیہ یا قصے کہانیوں پر مشتمل مثنویوں کے اندر پائی جاتی ہے لیکن زبان و بیان کی خوبی، موضوع کے لحاظ سے جدت و ندرت، ربط و تسلسل، کیف و اثر سے مذہبی مثنویاں بھی خالی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ شرف اور اولیت صرف مثنوی ہی کو حاصل ہے کہ

''مذہبی حضرات کے کردار و کارنامے بغیر مذہب و مثنوی کے یکجا نہ ہوتے اگر مثنوی میں اتنی وسعت نہ ہوتی کہ وہ حسب ضرورت واقعات و حالات کو اپنے دامن میں جگہ دے سکے تو غزل و قصیدہ کے امکان سے باہر تھا کہ خاطر خواہ مذہبی معتقدات اور سوانح کو اپنے حدود میں جذب کر سکیں یہ صرف مذہب ہی کا فیض تھا کہ بزرگان دین کی خصوصیات و کارنامے شاعرانہ لطافتوں کے ساتھ مثنوی میں داخل ہو سکے اور اسی سلسلہ میں بعض شعراء کو مذہبی مثنویوں کی بدولت حیات جاودانی نصیب ہوئی۔ مثلاً منشی منیر اور محسن کاکوروی ان لوگوں نے رسول و آئمہ کے معجزات و واقعات اس حسن کے ساتھ مثنویوں میں نظم کئے کہ آج تک یہ کتابیں نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔

منیر نے صرف ایک مذہبی مثنوی ''معراج المضامین'' لکھی لیکن محسن کاکوروی نے تین مذہبی مثنویاں صبح تجلی 1289ھ/1872ء، چراغ کعبہ 1301ھ/1884ء، شفاعت و نجات 1311ھ/1894ء میں لکھیں۔

صبح تجلی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر ہے اور چراغ کعبہ میں معراج شریف کا بیان اور شفاعت و نجات کا موضوع وہی ہے جو ہر مومن کی آخری اور دلی آرزو ہوتی ہے۔ یہ تینوں مثنویاں شاہکار تسلیم کی گئی ہیں عبدالقادر سروری کے الفاظ میں۔

''مذہبی موضوعات پر لکھنے والوں میں محسن غالباً سب سے زیادہ نفیس لکھنے والے ہیں ان کا اسلوب نہایت دلکش اور پر لطف ہے اس میں سادگی کے باوجود حسن اور شاعرانہ لطافتیں موجود ہیں۔ ان مثنویوں کے بعض پارے اتنے دلچسپ ہیں کہ زبان زد عام ہو گئے ہیں۔ اس خاص انداز میں گویا محسن کو خصوصی مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ مذہبی نظموں میں یہ لطف گویائی کم شاعروں کے حصہ میں آیا ہوگا۔ چراغ کعبہ اور صبح تجلی دونوں محسن کے شاہکار ہیں ان میں تغزل کے استعاروں اور کنایوں سے بڑا لطف پیدا کیا گیا ہے یہ سب مثنویاں مختصر اور نفیس ادبی نظمیں ہیں۔''

صبح تجلی میں محسن نے نادر تشبیہات، قرآن پاک اور احادیث کے حوالہ جات اس خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ ان کی مثال دوسرے شاعروں کے یہاں نہیں ملتی، یہ ضرور ہے کہ ان کے سمجھنے کے لئے قرآن و حدیث اور مذہب سے بخوبی واقفیت ضروری ہے۔ ہر شعر میں کسی نہ کسی آیت اور حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

عنوان فلک ہے درِ منثور — لوح زریں ہے سورۂ نور
پستی کا دماغ آسماں پر — اوج افلاک مہر گستر
وہ ہے بلغ العلیٰ کی تفسیر — یہ ہے کشف الدجیٰ کی تعبیر
نازل ہے زمیں پہ کبریائی — بندے کے لباس میں خدائی

اس طرح کا آفتاب چمکا — بے پردہ و بے نقاب چمکا
پیدا ہوئے سرور دو عالم — پیدا ہوئے فخر نوح و آدم
محبوب خدا نبی مرسلؐ — صبح دو یمین روز اول
شاہنشہ انبیاء محمدؐ — تاج سر اصفیا محمدؐ
پیدا ہوئے خاتم النبیین — مہر عرفان و عز و تمکین
بامیم احدؐ احمد بلامیم — شائستہ صد صلوٰۃ و تسلیم
گنجینہ اصطفا محمدؐ — آئینہ حق نما محمدؐ
محو رضوان حق و دانش — آل و اصحاب و پیر دانش
کیفیت وجد میں ہے اب ذوق — کہتا ہے خطیب خامہ شوق
ہے ذکر ولادت پیمبرؐ — اعلیٰ اولیٰ اہم و اکبر

اس مثنوی کا آغاز بھی نئے انداز سے کیا ہے ولادت باسعادت صبح صادق کے وقت ہوئی سپیدہ صبح نمودار ہوئی اور رات کی تاریکی ختم ہوئی۔ یعنی آفتاب رسالت طلوع ہوا اور کفر والحاد کی تاریکی دور ہوگئی۔

بیضاوی صبح کا بیاں ہے — تفسیر کتاب آسماں ہے
آثار سحر ہوئے نمایاں — سیپارہ لئے ہوئے ہے دوراں
واللیل کو ختم کر چکا ہے — آمادہ دور والضحیٰ ہے
اک مخبر صادق البیاں ہے — پیغمبر آخر الزماں ہے
کیفیت وحی میں ہے بلبل — ہے وقت نزول مصحف گل

پوری مثنوی اسی محویت کے عالم میں لکھی گئی ہے۔ ایک ایک لفظ محبت وعقیدت اور ادب واحترام کا مرقع ہے۔ الفاظ کی صنائع کے ساتھ ساتھ معنویت کی جدت وندرت بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

مثنوی چراغ کعبہ' واقعہ معراج پر ہے اس مثنوی کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ معراج شریف کے متعلق تمام احادیث سے واقفیت ہو۔ اس مثنوی کی خصوصیت یہ ہے کہ شاعر نے احادیث شریف سے ترتیب دے کر معراج شریف کے از اول تا آخر تمام حالات' شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ یہ مثنوی تمہید کے بعد' آغاز روایت' گریز' مدح جبرئیل' تمہید وصف براق' صفت براق' درود جبرئیل و براق برآستانہ شریف' نعت' تشریف آوری بیت اللہ' مسجد اقصیٰ' سیر فلک اول' فلک دوم' فلک سوم' سراپا فلک چہارم' فلک پنجم' فلک ششم' فلک ہفتم' بیت المعمور' بہشت و دوزخ' عرش و کرسی' مقام اعلیٰ اور آخریں خاتمہ ومباہات پر مشتمل ہے۔ مثنوی کافی طویل ہے اور اس مثنوی میں سراپا نگاری' کردار نگاری' منظر نگاری' واقعہ نگاری کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں محسن کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ جدت وندرت اور مضمون آفرینی کے باوجود اصلیت اور اعتدال کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ تمہید ہی سے دل میں روحانیت کی شمع روشن ہوجاتی ہے۔

ہے نام خدا سواد تحریر — واللیل اذا سجی کی تفسیر
جاتا ہے حکیم آسماں تک — معراج سخن ہے لامکاں تک
مضمون نئے روپ کی دلہن ہے — اک راستی لاکھ بانکپن ہے
از رفعت طبع من چہ پرسی — ہر حرف کی عرش پر ہے کرسی
اندھیاری کے دیکھ لیں اجالے — آئیں سر طور جانے والے

شب معراج کی روایت کا آغاز کس خوبی کے ساتھ کیا ہے۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے — داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلی گل اندام — شبنم کی ردا بقصد احرام
نامحرموں سے چھپائے چہرہ — پرویں کو بنائے منہ کا سہرا
خلوت کی جمائے انجمن کو — پردے میں چھپائے ماہ من کو
صورت میں غلاف محترم کے — درپردہ طواف میں حرم کے

اس کے بعد گریز کا یہ انداز محسن ہی کا حصہ ہے۔

تھا دیکھ کے اس ادا کا مفتوں — دشت عرفات شکل مجنوں
چشم در کعبہ معلے — آئینہ حیرت تماشا
ظلمت میں ہے نور کی تجلی — بکھری ہوئی طور کی ہے چوٹی
کیوں شب کا یہ حسن روز افزوں — کیوں ہے یہ ملیح اتنی موزوں

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مدح کس اختصار اور جامعیت کے ساتھ کی ہے۔

عمان کرم کے در منثور — قرآن شرف کے سورۂ نور
منشور اوامر و نواہی — عنوان صحیفہ الٰہی
فہرست اخیار و اصفیا کی — تاریخ فرشتہ انبیاء کی
درج گہر کلام باری — پیغامبر و پیام باری

تجربہ اور مشاہدہ کے بغیر کردار نگاری ناممکن ہے لیکن محسن کی مذہبی بصیرت نے اس ناممکن کو ممکن بنادیا۔

حضرت جبرئیلؑ کا کردار زبان محسن سے سن چکے۔ اب براق کا کردار ملاحظہ ہو۔

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل — کھیت اس کا بہشت خلد جنگل
یوں چرخ سے نکلے وہ سبک رو — فانوس سے جس طرح کہ پرتو
صحرائے شہود میں رم غیب — چلتی ہوئی راہ عالم غیب
شوخی میں سلوک شوق کا حال — رفتار میں جذب عشق کی چال

حضرت جبرئیل علیہ السلام براق کے ہمراہ آستانہ رسولؐ پر اس والہانہ انداز کے ساتھ حاضر ہوئے۔

یوں آئے ہو جس طرح سے عاجل　　　پروانہ چراغ کے مقابل
حاضر ہوئے اس کی آستاں پر　　　جس کا کہ مکاں ہے لامکاں پر

بارگاہ نبوت میں روح القدس حاضر ہیں اور حاضری کی غرض، غایت عرض کر رہے ہیں لیکن مہمان کے مرتبہ، وقار اور میزبان کی طلب و محبت سے واقف ہیں۔ غالباً حضرت محسن نے جبرئیل کی تشریف آوری کے بعد یہ نعت اس خاص اور مبارک موقع کو پیش نظر رکھ کر لکھی ہوگی کیونکہ نعت میں اس قسم کے اشارے بھی ملتے ہیں۔

محبوب خدائے انس و جاں کا　　　مقصود رموز کن فکاں کا
نور القمرین والکواکب　　　خورشید مشارق و مغارب
ایماں کی سند کا نقش خاتم　　　عرفاں کے نگیں کا اسم اعظم
لاہوت مقام و عرش مسند　　　شاہنشہ انبیاء محمدؐ
خضر رہ حق مقیم منزل　　　سوتی ہوئی آنکھ جاگتا دل
آداب سے آپ کو اٹھایا　　　یا اپنے نصیب کو جگایا
اٹھیے کہ نگاہ چشم تنزیہہ　　　ہے منتظر جمال تشبیہہ
عرش آپ کا منتظر ہے چلئے　　　خاطر کو سنبھالئے سنبھلئے

حضور اکرمؐ براق پر سوار ہو کر پہلے بیت اللہ تشریف لے گئے اس کے بعد مسجد اقصیٰ اور پھر وہاں سے ہفت افلاک کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ اور ہر فلک کے حالات کا مفصل ذکر کیا ہے اور انبیاء سے ملاقات کی ہے۔

فلک اول پر جب فخر کائنات رسول پاک پہنچے تو

آیا جو نظر وہ فخر عالم　　　آدم نے کہا کہ خیر مقدم
فرخندہ پسر ملا پدر سے　　　خیر البشر اول البشر سے

فلک دوم پر

یحییٰ نے صدائے مرحبا دی　　　انفاس مسیح نے جلا دی

فلک سوم

یوں گزرا وہ تیسرے فلک پر　　　جس طرح نظر میں حسن منظر

اس موقع پر محسن کا ذہن سراپائے رسولؐ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور قلب کی پاکیزگی تخیل کی بلندی اور چشم بصیرت نے سراپا نگاری میں کمال دکھا دیا

حقا کہ وہ جسم سر سے تاپا　　　ہے شاہد غیب کا سراپا
دیکھا ہے خدا نے اپنا عالم　　　آئینہ بنا کے قد آدم
کھینچی بکمال حسن تدبیر　　　نقاش ازل نے اپنی تصویر

رخ میں صفت جمال دی ہے　　　تصویر میں جان ڈال دی ہے
واللیل کا ترجمہ ہے گیسو　　　تفسیر اذا سجیٰ ہے گیسو
جوہر کا بھرا ہوا خزینہ　　　آئینہ بے مثال سینہ
کہتے تھے ملک سنی نہ دیکھی　　　صورت ہے کہ قدرت الٰہی
یوسف ہوئے جان و دل سے شیدا　　　منہ دیکھ کے رہ گئی زلیخا

فلک چہارم پر حضرت ادریس سے ملاقات ہوئی

یک رنگی مصطفےٰ و ادریس　　　قدرت کے قلم کی سطر تجنیس

فلک پنجم پر

پھر وہ گل نو بہار معنی　　　وہ گوہر شاہوار معنی
اعجاز اثر بیان شیریں　　　قرآن کا ورق زبان شیریں
ہاروں نے کہ افصح البیاں تھے　　　گویا کہ کلیم کی زباں تھے
موسیٰ کے وزیر اور برادر　　　پیغمبر و بازوئے پیمبر
کی نعت ادا بخوش بیانی　　　باوصف چمن میں گلفشانی

فلک ششم پر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات اس شان کے ساتھ ہوئی۔

گردون ششم پہ چشم بددور　　　چمکا مانند شعلہ طور
جلوے وہ جمال نے دکھائے　　　موسیٰ وہی آگ لینے آئے

اور فلک ہفتم پر

سلطان سریر ہفت کشور　　　شمع فانوس ہفت اختر
اترا سربام چرخ ہفتم　　　قرباں ہوئے ہر قدم پر انجم
تھیں منتظر جناب اطہر　　　عین خلیل ابن آذر
اک بزم کے تھے چراغ دونوں　　　مل کر ہوئے باغ باغ دونوں

ہفت افلاک کی سیر کے بعد بیت المعمور اور بہشت و دوزخ کا ملاحظہ کیا اور عرش و کرسی کو زیارت کا شرف بخشا

القصہ سمجھ کے جزو کل کو　　　اور دیکھ کے واں کے خار و گل کو
طوبےٰ رکھا قدم جو آگے　　　جبرئیل و براق دونوں ٹھہرے
رفرف پہ چڑھا وہ صاحب قدر　　　جس طرح کمال برسر بدر
کرسی پہ صبا کے نقش مقصود　　　آیا سوئے عرش پاک معبود
سب سروقدان عرش اعظم　　　تعظیم کو اٹھے قد آدم

یہی وہ مقام تھا جس کی نسبت کہا گیا ہے

اگر یک سر موئے برتر پرم   فروغ تجلی بسوزد پرم

سرورکائنات تن تنہا اس مقام پر تشریف لے گئے۔ حضرت محسن کے الفاظ میں

زیر قدم جناب والا   اعلیٰ سے جو تھا مقام اعلیٰ

آئینہ روئے ذات عالی   اقلیم صفات بے مثالی

چمکا ہوا ایمن تجلی   پھیلا ہوا دامن تجلی

جانے کا نہ لے سکیں ملک نام   روحوں کا پہنچ سکے نہ پیغام

پہنچا وہ وہاں جہاں نہ پہنچے   جبریل کی عقل کے فرشتے

وحدت کی ہوئی دوئی میں آمد   مانند احدٗ میان احمد

ذات احمد تھی یا خدا تھا   سایہ کیا میم تک جدا تھا

چراغ کعبہ کے خاتمہ پر یہ دعا ایک صاحب دل ہی مانگ سکتا ہے

اس وقت اٹھا ہوا ہے پردہ   موقع ہے رسائی دعا کا

کر عرض ادب سے سر جھکا کر   تا پایہ عرش ہاتھ اٹھا کر

اے پر تو مہر لایزالی   بے مثل مثال بے مثالی

شمع حرم خدا نمائی   قندیل حریم کبریائی

جس طرح ملا تو اپنے رب سے   انداز سے شوق سے ادب سے

یوں ہی ترے عاصیان مہجور   اک دن ہوں تری لقا سے مسرور

صدقے میں تیرے یہ آرزو ہے   دم میں رہ آخرت کریں طے

پھولے پھلے گلشن تمنا   عقبیٰ مری پھل ہو پھول دنیا

یاں شوق و خلوص و التجا ہو   واں میں ہوں آپ ہوں خدا ہو

آخری مثنوی شفاعت ونجات 1311ھ/1892ء

67 سال کی عمر میں لکھی۔ اس مثنوی میں درد عشق کے اسرار معانی تحریر کیے ہیں اسی لئے اس کا دوسرا نام ''اسرار معانی درد عشق'' ہے۔ چراغ کعبہ معراج نبوی کے حالات پر مشتمل تھی۔ اس مثنوی میں روز قیامت کے حالات ومشاہدات کا ذکر کیا ہے مثنوی کا آغاز عشق کو مخاطب کر کے کیا ہے۔ شاعر پر جذبات عشق کا غلبہ ہے لیکن اس کو آداب عشق کا خیال بھی ہے اس لئے اس کا حق شناس دل حدود اخلاق سے باہر نہیں جاتا اور شروع ہی میں یہ بتا دیتا ہے۔

ذرا عشق ادھر دیکھے بھالے ہوئے   قدم اے ستمگر سنبھالے ہوئے

نہ چلنا کہیں وہ قیامت کی چال   کہ لاشے شہیدوں کے ہوں پائمال

اس کے بعد عشق کے نتائج اور اثرات نہایت سلاست وروانی اور فصاحت وبلاغت کے ساتھ بیان کیے ہیں

ترے داغ سے دل ہیں گلکاریاں   ترے دم سے آنکھوں میں پچکاریاں

کہیں تو ہے آتش کہیں رود نیل   بچیں یا الہی کلیم و خلیل

نمک تیرا زخموں میں ایوب کے   کھٹک تیری دیدوں میں یعقوب کے

ترا طور کیف انا الحق سے مست   ترا وادی ایمن آتش پرست

برہمن کو بت بن کے دھوکا دیا   بتوں کو خدا کہہ کے بندہ کیا

پڑا سایہ جس پر فنا ہو گیا   پری بن کے تو اک بلا ہو گیا

کہیں سے اس بلاخیز پری عشق کے سراپا کی تصویر شاعر کی نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے گیسو ورخسار۔ موئے مشکیں، زلف گرہ گیر، ابرو وچشم ومژگاں، دہن وکمر وقامت سب کی تعریف کرتے ہوئے اپنے مقصد کی طرف گریز کس خوبی کے ساتھ کیا ہے۔

کھنچی تیرے قامت کی تصویر ہے   کشش کی قیامت کی تصویر ہے

قیامت اسی جذب کا ہے خطاب   فنا و بقا شبنم و آفتاب

سخن کو ہے محشر کا جلسہ پسند   کہ ہے مصرع طرح قد بلند

مثنوی کا آغاز اس عاشقانہ انداز سے کرنے کے بعد اس کے مختلف عنوانات قائم کئے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ ہر عنوان تاریخی ہے سب سے 1311ھ نکلتا ہے

شرح حال روز قیامت   1311ھ

حشر وحشت افزا   1311ھ

طلب دعائے خیر نفوس قدسیہ   1311ھ

لست منبع الطاف احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم   1311ھ

شفاعت شفیع   1311ھ

خزانہ رحمت   1311ھ

شفاعت مکرر   1311ھ

چشم داشت دعائے مقبول   1311ھ

یہ مثنوی سب سے زیادہ طویل بھی ہے اور زبان وبیان اور موضوع ومطالب کے اعتبار سے منفرد اور اہم بھی۔ محسن کے قلم نے شاعرانہ لطافت کے ساتھ قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں تمام حالات لکھے اور کہیں بھی حدود شریعت سے سرمو تجاوز نہیں کیا۔ روز قیامت اور حشر وحشت افزا میں نفسی نفسی کا جو عالم ہوگا اور انبیاء وصلحاء کی جو کیفیت ہوگی ہر صاحب ایمان اس سے تھوڑی بہت واقفیت ضرور رکھتا ہے لیکن ایک صاحب دل اور عشق رسول کا متوالا ہی اپنے قلبی کیفیات وتاثرات کا اظہار اس سرشاری اور محویت کے ساتھ کر سکتا ہے۔

سن اک رند بیباک کی گفتگو　　　جو کہتا تھا ساقی سے اے ماہرو
وہی مے جو اس وقت موجود ہو　　　کہیں باب توبہ نہ مسدود ہو
بدور اخیر ایک لبریز جام　　　کہ ہے مرگ انبوہ کا جشن عام
اجالے میں پیدا اندھیرا ہوا　　　شب آرزو کا سویرا ہوا
اذان سحر صور نے ایسی دی　　　کہ اللہ اکبر چھری چل گئی
زمانے کی قوت، زمیں کی سکت　　　ہوئی پائمال اذا زلزلت
نہ بانی رہا غیر حق بہرنام　　　ہوا قصر ایجاد ہو کا مقام

ہوا پھر تقاضائے شان شہود　　　کہ ملک عدم سے پھر آئے وجود
مکرر ہوئی نغمہ سنج ظہور　　　نیستان قدرت کی نے یعنی صور
ہوئے رونق دہر خانہ خراب　　　وہی چرخ مینا وہی آفتاب
بیابان وحشت میں ہر ایک رواں　　　کفن کی اڑائے ہوئے دھجیاں
کھنچے اک شکنجے میں فقر و غنا　　　بندھے ایک رسی سے شاہ و گدا
نہ بیٹے کو مطلق خبر باپ کی　　　یہ پیدا ہوئی فکر آپ آپ کی
یہ بے الفتی ہے خدا کی پناہ　　　کہ کعبہ بھی قبلے کی بھولا ہے راہ
یہ سوچے کہ کچھ فکر جچتی نہیں　　　زمیں پاؤں کے نیچے تھمتی نہیں

اور اس عالم یاس و ہراس اور خوف و دہشت میں "سب کو یہ خیال آتا ہے۔

چلیں سوئے شاہان عالی جناب　　　پر وبال ذروں کا ہے آفتاب
سفارش کے ان سے طلبگار ہوں　　　جو وہ کشتی کھینچیں تو ہم پار ہوں

درسب "طلب دعائے خیر نفوس قدسیہ" کے لئے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے ابوالانبیاء حضرت آدمؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے

یہ فرمایا میری بھلا کیا مجال　　　خدا کا غضب ہے خدا کا جلال
مجھے یاد آتی ہے اپنی خطا　　　کہ بھولا تھا میں نہی لا تقربا
مجھے سخت ہے اضطرار و ہراس　　　مگر تم کرو نوح سے التماس

لیکن جب سب حضرت نوحؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو۔

وہاں سے ملا صاف سیدھا جواب　　　کہ شرمندگی سے ہوں میں آب آب
جو کی میں نے وقت نزول قضا　　　پسر کی شفاعت خلاف رضا
تمہیں، جا یئے جا کے پیش خلیل　　　کرو خواہش رحم رب جلیل

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھی اپنی معذوری اس طرح ظاہر کی ہے۔

وہ بولے کہ پیش جہاں آفریں　　　نہیں مجھ کو کہنے کی طاقت نہیں
کہی باتیں مانند انی سقیم　　　غلط کہہ کے میرا ہوا دل دو نیم
اسی سے ہے ہر دم مرا حال غیر　　　ملو جا کے موسیٰ سے بادش بخیر

یہ خستہ و پریشان حال بندے جب حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمایا۔

مری طبع کو ہے بڑا انتشار　　　مرا قلب ہے لالہ ساں داغدار
مگر تم اٹھاؤ نہ حرماں کا غم　　　تمہارے لئے بس ہے عیسیٰ کا دم
ہوئے آ کے حاضر بشوق تمام　　　بہ سرکار ذیجاہ گردوں مقام

لیکن حضرت عیسیٰ مشکلات کی اہمیت خوب جانتے تھے انہوں نے۔

سمجھ کر کہ مشکل ہے یہ ماجرا　　　مسیحا ہوئے اس طرح رہنما
کہ لو دامن شاہ اقلیم دیں　　　مخاطب بہ یا شافع المذنبیں
کلید در درگہ کبریا　　　حبیب خدا اشرف انبیاء
محمدؐ کہ شان خدا شان او　　　جحیم و جناں زیر فرمان او

غرض حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جملہ انبیاء کرام نے اپنے کو شفاعت کرنے کا مستحق نہیں سمجھا یہ شرف اور مرتبہ صرف حبیب خدا اشرف انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ اس موقع پر خامہ محسن نعت سرور کائنات میں یوں گہر فشاں ہوتا ہے۔

سنبھل کر ذرا خامہ تیز دم　　　ادب سے ٹھہرتا ہوا ہر قدم
سر شکر سے سیکڑوں کر سجود　　　ہر اک سجدہ میں پڑھ ہزاروں درود
مقابل میں رکھ لوح محفوظ کو　　　تو اور بھی مصحف سے گر ہو تو ہو
یہ ہو معنی تازہ میں رنگ و بو　　　کہ جو حرف نکلے وہ ہو باوضو
ہر اک صفحہ پر نہ ورق ہوں نثار　　　وہ لکھ نعت محبوب آمرزگار
رضا اس کی عین رضائے خدا　　　شفاعت ہے شرط اور غفراں جزا
وہی برج رفعت سپہر شرف　　　گل ہفت گلشن درِ نہ صدف
شہنشہ کہ تاج سر سروری　　　پیمبر کے اعجاز پیغمبری
کریم و کرم گستر و کارساز　　　خدا در حقیقت بہ قول مجاز

ایسے کریم و کرم گستر و کارساز کی خدمت میں خلق خدا باحال پریشان حاضر ہوئی ہے محسن نے اس کیفیت کی بڑی پر اثر تصویر کھینچی ہے۔

یہ سب تیرے پاس آئے ہیں اس لئے　　　کہ بندوں کو رکھ لے خدا کے لئے

بفرمود آں سید انبیاء　　　　کہ کار منت ایں وانی لما
مجھے ہر بشر کا تھا خود انتظار　　　　میں تھا نا امیدوں کا امیدوار
رکھے گا مرا رب مری آبرو　　　　فمن رحمتہ اللہ لاتقنطوا
دعا ایسی کی بعد حمد و ثناء　　　　کہ الحمد آمین کہنے لگا
یہ فرماں ہوا سر اٹھا تو سہی　　　　جو ہے تجھ کو منظور ہوگا وہی

اور رحمۃ للعالمین نے اس دردناک و پراثر انداز میں سب کی پریشانی عرض کی کہ

ہوا جلوہ فرما بعز و جلال　　　　مثال آفریں قادر بے مثال
نہ لایا خدا کی تجلی کی تاب　　　　ہوا سکتے میں مطلع آفتاب
چھپی اس کے سایہ میں دھوپ آج کی　　　　نہ تھا جس کی قامت میں سایہ کبھی

خزانہ رحمت اور شفاعت مکرر میں مخلوق خدا کا حال زار حم الراحمین کی رحمت اور رسول پاک کی شفاعت کی مقبولیت کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

شفیع المذنبیں اور رحمۃ للعالمین کی شفاعت سے رب العالمین کی رحمت کاملہ نے نہ صرف سب کے گناہ معاف کردیئے بلکہ ہر ایک بندے کو۔

رہ منزل کبریائی ملی　　　　ہر اک بندے کو اک خدائی ملی
خودی سے جو از خود جدا ہو گئے　　　　خدا سے ملے کیا خدا ہو گئے
کھلا دیکھ کر ہم کو حال مآل　　　　کہ تھا حشر سودائے شوق وصال

حشر کو سودائے شوق وصال محسن جیسے عاشق رسول ہی کہہ سکتے ہیں۔ علامہ اقبال نے مرد مومن کے لئے فرمایا تھا کہ

نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

لیکن دل محسن کے ایمان و عشق کی عظمت و رفعت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ وہ ہنگامہ محشر کو سودائے شوق وصال سمجھتا ہے۔

شوق وصال کی تکمیل کے بعد چشم داشت دعائے مقبول پر مثنوی ختم ہو جاتی ہے آرزوؤں اور تمناؤں، کیف اور انبساط سے معمور دل معبود حقیقی سے جو کچھ بھی مانگے، کم ہے اس دعا میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی کامرانیوں کی طرف بھی اشارہ ہے اور تجلیات الٰہی کے فیضان عام کا ذکر بھی ہے۔

زمانے کا عالم ہوا دوسرا　　　　بفضل خدا و حبیب خدا
خوشی میں بھرے مومن و مومنات　　　　احاطے میں رضواں کے اتری برات
جہنم کے گھر میں غمی ہو گئی　　　　مرا غصہ آتش ستی ہو گئی

بجیں نوبتیں خلد میں بارہا　　　　کہ اسلام کے سر ہی سہرا رہا
دعائیں جو کی تھیں ہوئی اب قبول　　　　مراد ایک ہے اور ہزاروں حصول
خدا کی تجلی کا آنکھوں میں نور　　　　ہر اک نوک مژگاں پر اک شمع طور
دلوں میں محبت کے راز و نیاز　　　　زباں پر یہ آہنگ شوخ مجاز

شفیع مطاع نبی کریم
قسیم جسیم نسیم وسیم

کلام محسن کے قصیدوں، مسدس اور مثنویوں کا یہ اجمالی تعارف کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ عاشق [illegible] واقف اسرار شریعت و طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ، زبان و بیان پر قدرت کاملہ رکھتے تھے۔ انہوں نے [illegible] اپنی فکر جمیل اور رفعت تخیل سے، وسعت و جامعیت عطا کی ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے الفاظ ہیں۔

''شاعر تخیل کی بلند پروازی میں اکثر دنیا کی حقیقتوں سے بہت دور نکل جاتا ہے لیکن محسن ایسا نہیں کرتے۔ جہاں تک تعریف و توصیف کا تعلق ہے ان کے ممدوح یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک اتنے اوصاف حمیدہ کی جامع ہے کہ ان کے بیان میں مبالغہ کی ضرورت ہی نہیں۔ دوسرے انہوں نے حدیث اور قرآن کی روشنی [illegible] ہمیشہ اپنے لئے شمع ہدایت بنایا ہے۔ تہذیب و متانت کے اعتبار سے محسن کی شاعری آپ اپنی نظیر ہے اور مضمون، زبان، تشبیہات اور استعارات ہر اعتبار سے اس کی ثقاہت اور تطہیر مسلم ہے مضمون کی بلندی اور فکر کی پرواز کے اعتبار سے بھی محسن کا کلام نادر ہے۔ لکھنؤ کی شاعری لفظی صنائع اور صنعت گری کا نمونہ بن گئی تھی محسن نے لفظی صنائع پر بھی توجہ کی ہے لیکن اس موقع پر بھی محسن نے اپنی انفرادیت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور ان کا قدم اعتدال کے راستہ سے نہیں ہٹا ہے۔ ان کی رعایات بے ساختہ ان کی تشبیہات اور استعارات جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے۔ ان کے فن میں سب سے زیادہ نمایاں عنصر تلمیحات کا ہے لیکن ان کی تلمیحات میں۔

''بندش کی چستی اور نظم کی روانی ایسی ہے کہ طبیعت اس پر رک کر نہیں رہ جاتی، تشبیہات میں شاعر کے اسلوب فکر، جدت اظہار، ندرت ادا اور مذاق شاعرانہ پایا جاتا ہے۔ محسن خالص ہندوستانی فضا کے شاعر ہیں اور اپنے ماحول کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کے خیالات ان کی زبان، ان کی تشبیہات اور استعارات اسی ملک کی پیداوار ہیں اسی لئے ان میں اثر بھی زیادہ ہے۔''

ڈاکٹر سید محمد عقیل لکھتے ہیں۔

''محسن لکھنؤ اسکول کے شاعر تھے اور ان کی تمام مثنویوں میں اس دبستان کی بہت سی خصوصیات ہیں مگر ان کے دور میں جو نسوانیت، ابتذال، ضلع جگت اس دبستان کا مخصوص طرز ہو گیا تھا۔ وہ محسن کے کلام میں کہیں نہیں ملتا۔''

اور یہ تمام لفظی و معنوی خوبیاں محض اس لئے پیدا ہوئیں کہ محسن کی ہمیشہ یہ تمنا رہی اور اسی پر انہوں نے تمام عمر عمل کیا۔

یہ خواہش ہے کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی / نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہل دنیا کی خوشامد کا
فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں دیوان محشر میں / جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمدؐ کا
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی / نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

محسن کی رباعیاں اور غزلیں بھی نعت سے معمور ہیں۔

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے / عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے
کہہ دو کہ ملک گوش بر آواز رہیں / مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے

جب مائل نعت طبع عالی ہو جائے / ظلمت میں نور کی تجلی ہو جائے
پروانہ ہو گر چراغ دہلی محسن / جگنو بھی شہاب سہروردی ہو جائے

اور غزل کا رنگ یہ ہے۔

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے / زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے
ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعتیں محسن / کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لئے
ترا ظہور ہوا جب قریب بولا کفر / حمل میں آیا ہے سورج مری خزاں کے لئے
خدا کے سامنے محسن پڑھوں گا وصف نبی / سجے ہیں جھاڑ یہ باتوں کے لامکاں کے لئے

محسن نے ایک تضمین بطور مناجات لکھی۔

منم و رہزن ورہ مخطور / دل بیمار و خاطر رنجور
عالم بے کسی و منزل دور / شب دیجور و چشم من بے نور
یا حبیب الالٰہ خذ بیدی
ما بعجزی سواک مستندی

ناکساں بے سبب مرا دشمن / ہمہ خود آشنا خدا دشمن
دوستاں سنگدل وفادشمن / جملہ محسن کش آشنا دشمن
یا حبیب الالٰہ خذ بیدی
ما بعجزی سواک مستندی

نعت گوئی میں یہ خلوص وعقیدت و مرتبہ اردو کیا فارسی اور عربی میں بھی کم شاعروں کو نصیب ہوا ہوگا ضرورت یہ ہے کہ محسن کے کل سرمایہ ادب (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) کا تفصیلی جائزہ لیا جائے یہ کام ان کے ادبی جانشین او وارث جناب طاہر محسن علوی صاحب یا ڈاکٹر مصطفےٰ احسن علوی صاحب بخوبی انجام دے سکتے ہیں اور اس اہم او پاکیزہ کام کو وساطت سے پیش کرنے کی عزت و سعادت ان کے پڑپوتے شمس علوی حاصل کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر انوار الحسن (لکھنؤ یونیورسٹی)

زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے

جس کا یہ عقیدہ ہو کہ خالق نے مجھے زبان کی نعمت اس لئے عطا کی ہے کہ میں اس سے اس کے محبوب کی نعت بیان کرتا رہوں وہ بھلا اس نعمت کا استعمال اسی طرح کیوں نہ کرتا؟ اور اپنے امکان بھر کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے محسن کاکوروی کو نعت گوئی کے لئے پیدا کیا تھا۔ انہیں ہندوستان کا "حسان" اور "کعب" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ عربی فارسی اور اردو زبانوں میں نعت کہنے والوں کی کمی نہیں۔ ہر زمانے اور ہر ملک میں بلند پایہ نعت گو شعراء دربار رسالت میں عقیدت کے پھول پیش کرتے رہے۔ بیشتر تو لوگوں نے تیمناً نعتیں لکھیں لیکن ایسے شعراء بھی گزرے جنہوں نے نعت گوئی ہی کو مقصد شاعری بنایا۔ اردو زبان کے شاعروں میں حضرت محسن کاکوروی کو یہ شرف حاصل ہوا اور انہوں نے اس میدان میں بہت سے دوسرے شعراء پر سبقت حاصل کی۔ شائد قسام ازل نے ازل میں جب لوگوں کو نعتیں تقسیم کی تھیں تو نعتیہ کلام ان کے حصہ میں رکھ دیا تھا۔ نعت گوئی ان کا سب سے محبوب مشغلہ ہی نہیں مقصد زندگی تھا۔

یہ تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی / نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

نعت کہنا کوئی آسان کام نہیں ہے عبد و معبود کے فرق مراتب کو ملحوظ رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ بقول عرفی شیرازی نعت کہنا تو تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت ست نہ صحراست / آہستہ کہ رہ بردم تیغ ست قدم را

نعت کے لئے وہ اسلوب بھی مناسب نہیں ہوتا جو دوسرے ممدوحین کے لئے سزاوار ہے۔ عرفی ہی کی زبان سے سنیے۔

ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن / نعت شہ کونین و مدیح کے و جم را

عرفی کے نزدیک نعت کے لئے "شائستگی جنس" یعنی Merit اور "Quality" کی اہمیت ہے یہاں مقدار کی کمی یا زیادتی کو خاطر میں نہیں لایا جاسکتا۔

شائستہ بہ دست آر کہ بینند دریں شہر / شائستگی جنس چہ بسیار و چہ کم را

اور یہ "شائستگی جنس" محسن کے کلام میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ علوم اسلامیہ پر ان کی نظر گہری تھی۔ قرآن و حدیث کے اسرار و رموز سے واقفیت نے ان کی چشم باطن کو بصیرت عطا کی تھی۔ خاص مذہبی ماحول میں ان کی

پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اوراد و وظائف اور عبادات نے ان کی سیرت کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اسی لئے وہ اہل دنیا کی خوشامد کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھے اور قاصر رہے اور ساری عمر بارگاہ رسالت میں مداحی کرتے رہے رسول عربی سے ان کا عشق دیوانگی کی حد تک رہا اور انہیں اس دیوانگی پر ناز بھی تھا۔ رسول خدا کی مداحی کوئی معمولی منصب نہیں اور وہ بھی اگر عشق و دیوانگی کے ساتھ ہو تو اس کے مراتب کا کیا کہنا۔ عرفی ایک قصیدے میں فخریہ طور پر کہتا ہے اب میرا دور آیا ہے اس لئے زمانے سے کہہ دو کہ وہ میرے لئے مسند جم کو نئے سرے سے سجائے پھر خود ہی اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے یہ بے محل بات کہی ہے۔ زمانہ کی کیا حیثیت کہ وہ مداح شہنشاہ عرب و عجم کے لئے مسند آرائی کرے۔

دوراں کہ بود تا کند آرایش مسند؟ / مداح شہنشاہ عرب راو عجم را

اور محسن کے نزدیک "دیوانہ محمدؐ" کا وہ مرتبہ ہے کہ دیوان محشر میں فرشتے اسے دیکھ کر جگہ خالی کرنے لگیں گے۔

فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں دیوان محشر میں / جگہ خالی کرو آتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

نعت گوئی نے ان کی تیغ زبان کو وہ جوہر عطا کیا کہ کوئی مرد میدان سخن ان کا مقابل نہ بن سکا۔ سچ تو یہ ہے وہ دربار رسولؐ کے ادب شناس اور رمز آشنائے محبت تھے اسی لئے ان کے کلام میں جذبات کی شدت، عقیدت، احترام، وارفتگی و سرشاری۔ یقین و استحکام، خلوص اور رجائیت کے عناصر واضح اور شگفتہ انداز میں ملتے ہیں۔ وہ "وصف ابرو" میں کوئی بیت لکھنے سے پہلے "محراب عبادت" میں گردن جھکاتے ہیں۔ اسی لئے ان کا یہ دعویٰ بیجا نہیں کہ۔

زمین شعر پر نازل ہے قرآن سخن مجھ سے

وہ "بحر سخن کی مدو جزر کا تماشا دکھاتے ہیں۔"

اور ان کی طبع رواں کی روانی میں کوئی فرق نہیں آتا "صبح تجلی" میں رسول اللہ کی ولادت باسعادت کا ذکر انتہائی جذباتی انداز میں کرتے ہیں۔ ساتھ ہی حسین اور نادر تشبیہات و استعارات زبان کی قدرت، استادانہ پختگی، مشق سخن اور تغزل کے نمونے جا بجا اور بکثرت نظر آتے ہیں۔

غنچہ میں ہے خامشی کا عالم / یا "صوم سکوت" میں ہے مریم
پیرایۂ نور میں سمن ہے / سلطان مشائخ چمن ہے
سوسن کی زبان پر مناجات / جاری لب جو سے "التحیات"
سبزہ ہے کنار آب جو پر / یا "خضر" ہے مستعد "وضو" پر
اک شاخ "رکوع" میں رکی ہے / اور دوسری "سجدے" میں جھکی ہے

نازک خیالی اور مضمون آفرینی بھی ان کی طبع رسا سے دور نہیں۔ خیالات کا سیلاب پوری شدت کے ساتھ رواں ہے۔ تکلف اور تصنع کے بجائے آمد ہی آمد ہر جگہ نمایاں ہے

کیاری ہر اک "اعتکاف" میں ہے / اور آب رواں طواف میں ہے
آتش گل کا دھواں بام فلک تک پہنچا / جم گیا منزل خورشید میں بن کر کاجل

کبھی ڈوبی کبھی ابھری مہ نو کی کشتی / بحر خضر سے تلاطم میں پڑی ہے ہلچل
شب دیجور اندھیرے میں ہے ظلمت کے نہاں / لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل
دل بیتاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی / چشم پر آب کا ہے ایک کرشمہ بادل
ہر قطرہ "وضو" کی فکر میں گم / ہر ذرہ کئے ہوئے "تیمم"
ہے سبزہ کو گلشن سے بیگانگی / پریشاں ہے جنگل میں دیوانگی

کبھی منظر کشی پر مائل ہوتے ہیں تو کیفیات و جذبات احساسات و تصورات کی بھی تصویریں پیش کرنے پر قادر نظر آتے ہیں۔ رموز کنایات کے باعث ان کا کلام عام فہم تو نہیں لیکن خواص اور اہل نظر کے لئے دعوت فکر و نظر دیتا ہے۔ شب معراج میں رسول اللہ "مسجد اقصیٰ" پہنچتے ہیں وہاں کا منظر اس طرح پیش کیا ہے۔

دیوار میں خامشی کا عالم / آثار قبول "صوم مریم"
مینار اٹھے برائے تعظیم / محراب جھکی بہ قصد تسلیم
منبر نے پڑھا ادب سے گویا / شاہنشہ انبیا کا خطبا
آنکھوں کو بچھائے تھا مصلے / سایہ کئے گنبد معلے

مسجد کے قریب آکے اترا / آداب سے سر جھکا کے اترا
قبلے نے درود کی ندا دی / کعبہ نے نماز شکر ادا کی

سفر معراج کے دوران رسول اکرمؐ "بیت اللہ" میں پہنچتے ہیں۔

"محبوب" خدائے بحر و بر کا / مہمان ہوا "خدا کے گھر" کا
اس گھر میں یہ تھا خوشی کا عالم / ڈر تھا کہ ابل نہ جائے "زمزم"
کعبہ نہ کرے طواف اپنا / ہو قبلہ نما کہیں نہ قبلا
"اہلاً سہلاً" کہا حرم نے / "لبیک" حریم محترم نے
محراب جھکی سر ادب سے / منبر نے قدم لئے نبیؐ کے

عربی الفاظ و فقرات بالخصوص آیات و احادیث کا استعمال برجستگی و بے تکلفی سے کرتے ہیں جس سے ان کے مطالعہ کی وسعت اور علوم اسلامیہ میں تبحر ظاہر ہوتا ہے۔

ہوئے پھر بھی جو یہ دل "متنبی" گمراہ / ختم اللہ علیٰ قلبھم ان اللہ
"واللیل" کو ختم کر چکا ہے / آمادۂ دور "والضحیٰ" ہے
اطراف بیاض مطلع صاف / "والفجر" کے حاشیہ پہ "کشاف"
تسبیح شگوفہ "یامصور" / تحریمہ تاک "رب اغفر"
کہتا ہے اشارت لجالو / موتوا قبل ان تموتوا

ہر رنگ ارم زمانہ بشگفت — "طوبیٰ لک، یا ابا البشر" گفت
ہے کس کو خطاب ایزد پاک — لولاک کما خلقت الافلاک
پیدا ہوئے بادشاہ ذی جاہ — آرائش تخت "لی مع اللہ"
ہے ذکر ولادت پیمبر — اعلیٰ اولیٰ اہم واکبر
ہے نام خدا سواد تحریر — "والیل اذا سجی" کی تفسیر
منظور اشارۂ "فکبر" — قائم بہ مقام "قم فانذر"
نور القمرین والکواکب — خورشید مشارق و مغارب
لبریز طرب کیا الم سے — "نشرح" کو ملا دیا "الم" سے
وہ روز ازل کا سعد اکبر — وہ "اول ماخلق" کا مظہر
آنکھوں سے لکھوں صفت وہ آنکھیں — "مالا عین رات" وہ آنکھیں
کی مصحف انبیاء کی تدریس — "تاواذکر فی الکتاب ادریس"
ہے جس کی شگفتہ رنگ تقریر — "ماینطق عن ہویٰ" کی تفسیر
وہ محو کلام ایزد پاک — تھا مہر سکوت "ماعرفناک"

"شمس" وصف رخ و "یٰسین" ہے وصف دنداں
"والضحیٰ" وصف جبیں "نور" ہے وصف گردن

نادر تشبیہوں اور حسین استعاروں کا استعمال ان کی امتیازی خصوصیت ہے جس سے ان کی طباعی، مضمون آفرینی اور جدت پسندی کی نشاندہی ہوتی ہے۔

سطر سنبل گل تر حرف ہے، غنچہ نقطہ — کاغذ مشق ہے اک سبز چمن کا تختہ
دیکھو ہم پہلوئے پیشانی انور ابرو — ہیں اسی آئینۂ صاف کے جوہر ابرو
آبروئے دم خنجر ہیں مقرر ابرو — موج دریائے شجاعت ہیں سراسر ابرو
مہ کامل میں مہ نو کی یہ تصویریں ہیں — یا کھنچی "معرکہ بدر" میں شمشیریں ہیں
جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں — لوگ کہتے ہیں کہ "کرتے ہیں فرنگی کونسل"
تپش دل کا اڑایا ہوا نقشہ بجلی — چشم پر آب کا دھویا ہوا خاکہ بادل
تار باراں مسلسل ہے ملائک کا ورود — پئے تسبیح خداوند جہاں عزوجل
یاد آئینہ رخسار سے حیرت ہو مجھے — گوشہ قبر نظر آئے مجھے "شیش محل"

صبا رفتار براق کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یوں شیشے سے نکلے وہ سبک رو — فانوس سے جس طرح کہ پرتو
شیشے سے پری، چمن سے شبنم — سیپی سے گہر، حباب سے دم

گلشن سے بہار جسم سے جاں — آنکھوں سے نیند دل سے ارماں

رسول اکرمؐ کا سراپا اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قامت رسولؐ ایک قد آدم آئینہ ہے جس میں خدا خود اپنا جلوہ دیکھتا ہے۔ ان کے دونوں ابروؤں پر "جبین مہ شمائل" اس طرح نظر آتی ہے جیسے رحل پر حمائل رکھی ہو۔ پیشانی مبارک مصحف رو کا ایک جزو ہے اور دونوں ابرو اس پارے کے دو رکوع ہیں۔ صاف گردن ایسی بلند ہے جیسے فریضہ سحر کی تکبیر، قامت مناسب کی رعنائی اور ایسی دلکش ہے جیسے روزے میں مغرب کی اذان "جمال دلخواہ" ان کی چشم مقدس کی پتلی میں اس طرح رچا بسا ہے جیسے کسی نے "چنے" پر "سورۂ قل ہو اللہ" لکھ دی ہو۔

محسن کی شاعری کا ماحول ہندوستانی ہے اس دیس کی تشبیہات اور استعارات کو بھی وہ بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ ہندی الفاظ کا برمحل اور برجستہ استعمال بھی ان کا امتیازی نشان ہے اشنان، تیرت، گوکل، متھرا، کاشی، مہابن، جل، سری کشن، درشن، رتھ، گنگا، جمنا، گھاگھرا، کنول، نکھرا، گھونگھٹ، سومنات، پپیہا، پی کہاں، سکھی، راکھیاں، سلونے، بنارس، کاشی، کنھیا، ہنڈولہ، روپ، پنجاب، بنگال ان کے کلام میں جابجا اور بہ کثرت نظر آتے ہیں۔

ان کی نعتیں فن کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان سے پیشتر کسی اردو شاعر نے نعت گوئی کو فن کی حیثیت نہیں دی۔ ان کے بلیغ استعاروں میں اسلامی اور ہندی ماحول کا حسین امتزاج ہے اور وہ فنی چابکدستی کے ساتھ ان کے استعمال پر قادر نظر آتے ہیں۔ سادگی اور روانی ان کے کلام کی نمایاں اور امتیازی خصوصیات ہیں جنہیں جذبات کی شدت، خلوص اور عقیدت نے دو آتشہ بنا دیا ہے۔

"چراغ کعبہ" ان کی فن کاری کا حسین نمونہ ہے جس میں وہ رسول اکرمؐ کے سفر معراج کا تفصیلی بیان پیش کرتے ہیں۔ رسول اللہؐ بیت اللہ اور مسجد اقصیٰ ہوتے ہوئے مختلف افلاک پر سے گزرتے ہیں۔ پھر بیت المعمور، بہشت دوزخ، عرش و کرسی اور مقام اعلیٰ تک پہنچتے ہیں۔ نظم کا اختتام مناجات پر ہوتا ہے۔ "آغاز روایت" عنوان کے تحت "رات" کو "حرم کعبہ" میں داخل ہوتا ہوا دکھاتے ہیں۔ حرم مقدس میں داخل ہونے والے پر ارکان حج کے لوازم بھی پورے کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور "رات" ان لوازم کو پورا کرتی ہے۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے — داخل ہوئی کعبہ میں "وضو" سے
اوڑھے ہوئے لیلی گل اندام — شبنم کی ردا بقصد "احرام"
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال — جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے — سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرموں سے چھپائے چہرا — پروین کو بنائے منہ کا سہرا
آنا کھلا ہوا نہ جانا — انداز خرام صوفیانہ
سناٹے کا دم انیس و ہمدم — انفاس ہوا رفیق و محرم
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے — لپٹے ہوئے بالوں میں دولہن کے
یا تازہ بسی ہوئی ختن کی — کلیاں یوسف کے پیرہن کی

ناخن کی جگہ ہلال کی مد — دفتر سے طلوع کے نہ وارد
گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے — ہیں "رمی جمار" کے اشارے
قربان رہ ضرورت "ہدی" — "ثور" و "حمل" سپھرتا "جدی"
قطبین کے سایہ ضیا میں — مشغول دوگانے کے ادا میں
خلوت کی جمائے انجمن کو — پردے میں چھپائے ماؤمن کو
صورت میں غلاف محترم کے — در پردہ طواف میں حرم کے

نظم کا اختتام مناجات پر ہوتا ہے

اس وقت اٹھا ہوا ہے پردہ — موقع ہے رسائی دعا کا
کر عرض ادب سے سر جھکا کر — تا پایہ عرش ہاتھ اٹھا کر
اے پر تو مہر لا یزالی — بے مثل، مثال بے مثالی
شمع حرم خدا نمائی — قندیل حریم کبریائی
جس طرح ملا تو اپنے رب سے — انداز سے شوق سے ادب سے
یوں ہی ترے عاصیاں مہجور — اک دن ہوں تری لقا سے مسرور
دشمن پہ کڑی ہو پہلی منزل — میں سوؤں لحد میں ہو کے غافل
گزرے مری نعت کے سخن میں — رکھی ہو یہ مثنوی کفن میں

اقبال کا "جاوید نامہ" شاعر کے روحانی سفر ارتقا کی تفصیلی داستان ہے۔ اس سفر میں شاعر عالم دنیا سے گزر کر عالم افلاک کی سیر کرتا ہے اور روحانی دنیا کی بہت سی جانی پہچانی شخصیتوں سے ملاقات کرتا ہے ان سے شاعر کے مکالمے ہوتے ہیں اور مختلف موضوعات پر بحث و مباحثہ کا بازار گرم رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "چراغ کعبہ" کی تابناک روشنی نے ان کی رہنمائی کی ہے اور اقبال نے اسی چراغ سے چراغ جلایا ہے۔ اقبال کے خیالات میں وسعت، ہمہ گیری اور مضامین کا تنوع ان کی آفاقی نظر کا ثبوت ہے۔ ان کے فلسفہ کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہے اور اسلامی روح ان کی رگ و پے میں سرایت ہے ان کا دل ملت اسلامیہ کی تباہی و زبوں حالی پر تڑپتا ہے۔ وہ اس "ڈھلتے ہوئے سورج" کو پھر "نصف النہار" پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام اور ملوکیت کے تحت سسکتی ہوئی انسانیت کا غم انہیں بےچین رکھتا ہے۔ مغربی تمدن، جمہوریت اور اشتراکیت کہیں بھی انہیں انسانیت کے رستے ہوئے زخموں کا مداوا نہیں ملتا۔ سب طرف سے مایوس ہو کر انہیں "رایت محمدیؐ" کے زیر سایہ پناہ ملتی ہے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی انہیں انسانیت کی نجات نظر آتی ہے اور یہی ان کے پیغام کی روح ہے۔ محسن مداح رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شاعر دربار نبیؐ ہیں وہ اپنے ممدوح کے سفر مبارک کا حال بیان کرتے ہیں۔ عقیدت کے پھول پیش کرتے ہیں۔ دعائیں اور التجائیں کرتے ہیں۔ عاشق کی سب سے بڑی تمنا اپنے محبوب سے ملاقات ہوتی ہے، اسی کی نظر التفات کا طلب گار ہوتا ہے اور محسن کی نظم انہیں جذبات کی آئینہ دار ہے۔

ڈاکٹر سید محمد عقیل، شعبہ اردو، الہ آباد یونیورسٹی

محسن کاکوروی کی مثنویاں

محسن کا عرصۂ حیات 79 سال کا تھا۔ اس عرصہ میں انہوں نے متعدد قصیدے، مخمس، رباعیات اور پانچ مثنویاں لکھیں۔ ان کی شاعری کا رجحان نعت کی طرف تھا جسے انہوں نے فن کی سان پر چڑھا کر اردو ادب کے ذخیرے میں شامل کر دیا۔ محسن نے خاص طور پر نعت گوئی کو اپنا شاعری کا موضوع بنایا اور اس میں تمام شاعرانہ خصوصیات جو ایک بلند شاعری کے لئے ضروری تھیں اس طرح شامل کیں جو ان سے پہلے اردو ادب کیا فارسی میں اس کامیابی کے ساتھ نظر نہیں آتی ہیں۔ ان کی یہ کامیابی ان کے ماحول، بچپن کی تعلیم، راتوں کی نماز تہجد اور آیات قرآنی و احادیث کے اوراد کا نتیجہ تھی جس پر تاریخ کی رفتار اضافہ ہو گئی۔

سلطنت دہلی کے زوال کے بعد جس طرح شعراء میں قنوطیت اور غم کوشی عود کر آئی تھی جو کبھی ہجر کی آہوں میں تبدیل ہوتی کبھی صوفیانہ جامہ پہن کر گوشہ نشینی کی طرف مائل ہوئی اور اکثر دنیا سے بیزاری کی تعلیم دینے لگی۔ کم و بیش یہی حالت لکھنؤ کے اقتدار کے خاتمہ پر بھی نظر آتی ہے منیر اور محسن اس دور کے دو بڑے شاعر ہمارے اس خیال کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ ان دونوں کے یہاں مجہولیت اور نسائیت سے اخلاق کی طرف گریز نظر آتا ہے۔ اس اخلاق کم مائگی کے دور میں لوگ اپنے گرد و پیش سے داد لینے کیلئے خوب کھیل کھیلتے تھے رنگ رلیوں اور قہقہوں نے تقدس انسانی کی صورت مسخ کر دی تھی اور اس کو پھر اصلی حالت پر لانا بغیر مذہب کی مدد کے ناممکن تھا۔ اس کام میں ان بندگان خدا کی بھی مدد مل سکتی تھی جو اپنے زہد و اتقا کے باعث اس گندے سماج کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے جن کی نظر میں زمانہ کی ہوا ناموافق تھی۔ منیر اور محسن کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنی مثنویوں کے ذریعہ اس پست ذہن، عیاش طبع سماج کو مذہب کی مدد سے سنوارنے اور ابھارنے کی کوشش کی جس میں محسن منیر سے کئی قدم آگے بڑھ گئے یہ ضرور ہوا کہ یہ دونوں اتنی بلندی سے اپنی شاعری کو لے کر اٹھے کہ زمانہ ان کی بلندی کا ساتھ نہ دے سکا اور یہ دور انہیں کے ساتھ چلا گیا۔ رجحان کی صورت نہ اختیار کر سکا۔

محسن نے کل پانچ مثنویاں لکھیں۔ "صبح تجلی" جو اگست 1872ء میں تمام ہوئی (۲) "چراغ کعبہ" جو 1884ء میں لکھی گئی۔ (۳) "شفاعت و نجات" 1892ء، (۴) "فغان محسن" 1872ء، (۵) "نگارستان الفت" المعروف بہ "پیاری باتیں" جس کے سن تصنیف کا پتا نہیں چلتا۔ آخری دو مثنویاں محسن کے میدان سے الگ ہیں۔ فغان محسن ان کے ایک دوست کی ہمدردی میں لکھی گئی ہے جو کسی سرکاری معاملے میں ماخوذ ہو گئے تھے اور

''نگارستان الفت'' کسی دوست کی فرمائش پر ان کے یہاں مشاعرے میں پڑھنے کے لئے ایک گھنٹہ میں لکھی گئی تھی۔

محسن لکھنؤ اسکول کے شاعر تھے اور ان کی تمام مثنویوں میں اس دبستان کی بہت سی خصوصیات ہیں مگر ان کے دور میں جو نسوانیت' ابتذال' ضلع جگت اس دبستان کا مخصوص طرز ہو گیا تھا۔ وہ محسن کے کلام میں کہیں نہیں ملتا حالانکہ رعایات لفظی و معنوی تشبیہات' استعارے و کنایات' معنی آفرینی اور صنعت گری جو اس اسکول کی ہیئت میں بڑا دخل رکھتی ہیں۔ انہیں پر محسن کی مثنویوں کی دیواریں کھڑی ہیں ورنہ نعت اردو مثنویوں کے ابتدائی حصہ میں ہر مثنوی میں (چند کو چھوڑ کر) تقریباً ملتی ہے تخیل کی پرواز میں استعاروں اور تشبیہات کی مدد سے محسن نے وہ بلندی پیدا کی ہے کہ اکثر پڑھنے والے کا ذہن آسمانوں میں غائب ہو جاتا ہے۔

محسن کی مثنوی ''صبح تجلی'' کی خوبصورتی زیادہ تر تشبیہات کی مدد سے ابھرتی ہے۔ تشبیہات کی مدد سے تصاویر اور واقعات کا پیش کرنا فارسی اور سنسکرت شاعری میں بہ کثرت ملتا ہے۔ کالی داس' میگھ دوت اور شکنتلا میں صفحات کے صفحات ''جیسے جیسے'' کر کے لکھتا چلا جاتا ہے۔ یونان و روما کی شاعری بھی اس سے خالی نہیں۔ ''ہومر'' اور ''ورجل'' بھی تشبیہات سے اپنی تصویروں میں رنگ بھرتے ہیں۔ گو یہاں تقابل مقصود نہیں تاہم یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر تشبیہات کا اچھا اور صحیح استعمال شاعر کر لیتا ہے تو کلام اکثر بہت بلند ہو جاتا ہے محسن نے تشبیہات کے استعمال سے اپنی تصویریں پوری تو کی ہیں مگر کچھ موضوع اور کچھ احادیث و قرآن کی تعلیم ان تشبیہوں کو سادگی سے کوسوں دور لے جاتی ہے اور ہمیں ان تشبیہوں کی مدد سے تصویروں کو سمجھنے میں آنکھوں سے زیادہ لغات و قاموس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ابدال ہیں برگ و نخل اوتاد — ہے نعم العبد سرو آزاد
غنچے میں ہے خاموشی کا عالم — یا صوم سکوت میں ہے مریم
پھولوں میں ہے یوں گلاب خوش آب — جیسے قطبوں میں قطب اقطاب
کیوڑا' گلاب پر فضا میں — غوث الثقلین اولیاء

جیسے اشعار سے اس قسم کی تشبیہوں کی مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔

ایہام گوئی کا رواج شاعرانہ فنی صلاحیتوں کی معراج تو نہ تھا مگر اس کا نہ برتنا بھی اس سماج میں فن کار کی کمزوری پر دلالت کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ مصور فطرت میر انیس بھی خود کو ان چیزوں سے نہ بچا سکے۔ محسن کا کوروی نے ایہام گوئی سے کام تو لیا ہے مگر اکثر ان کے یہاں ایہام گوئی تلمیح کا جامہ پہن کر آتی ہے۔ تاہم خالص ایہام گوئی بھی برت کر انہوں نے اپنے کو مکمل فن کار ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ چراغ کعبہ اور صبح تجلی میں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں اس ذوق کی آسودگی کے لئے بہت سے ایسے اشعار نظر آتے ہیں۔

بیضاویٔ صبح کا بیاں ہے — تفسیر کتاب آسماں ہے
موقوف حدیث شب کی (صحیح) — رکھ دیجئے طاق پر مصابیح

مہتاب کی چاندنی ڈھلی ہے — مریخ کی ست مشتری ہے
ہے فکو سپہر رات بھر کی — کیا بات ہے مطلع سحر کی

محسن کی تلمیحات

محسن کی تمام شاعری اور خاص طور سے ان کی مثنویوں میں تلمیحات ایک اہم درجہ رکھتی ہیں۔ یہ لبرالقدر لکھنؤ کے زوال کے بعد خاص طور سے شعراء میں نظر آتی ہے۔ منیر شکوہ آبادی اپنے قصیدے اور مثنویوں میں بھی اسی طرح کی تلمیحات اور اشاروں سے کام لیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بھی صنعت گری کا ایک رخ ہے جس میں مشکلیں اور بڑھ جاتی ہیں مگر ایک پڑھا لکھا جب لکھنے بیٹھتا ہے تو ایسے اشارے اس کے نزدیک عام فہم ہوتے ہیں وہ محض مرعوب کرنے کے لئے ان چیزوں کو استعمال نہیں کرتا کرسٹوفر کاڈول اپنی کتاب ''دھوکا اور حقیقت'' (ILLUSION AND REALITY) میں سائنس' فلسفہ' طبعیات' سیاسیات' عمرانیات' معاشیات سب طرف اشارے کرتا جاتا ہے۔ اور یہ نہیں خیال کرتا کہ اس کے پڑھنے والے ان تمام چیزوں سے بیک وقت واقف نہیں ہو سکتے یا نہیں ہیں۔ محسن کی پہنچ قرآن و احادیث پر اچھی خاصی تھی جس کے باعث وہ آیتوں کے مفہوم' قرآن کے واقعات' و قصص کی طرف اشارے کرتے جاتے ہیں اور ان کا طرز بیان یہ نہیں ظاہر کرتا کہ وہ ایسے تذکرے پڑھنے والوں کو مرعوب کرنے کے لئے کرتے ہیں۔

ہے دور میں جس کے سحر باطل — افسوں ہے اسیر چاہ بابل
آہوئے رمیدہ ساحری ہے — اللہ کی گائے سامری ہے
وہ محو کلام ایزد پاک — تھا مہر سکوت ماعرفناک

تھیں منتظر جناب اطہر — عینین خلیل ابن آذر
کرتا تھا جو صرف مہمانی
خوان یغمائے من عصانی

(چراغ کعبہ)

جیسے اشعار مثال کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

مثنوی شفاعت و نجات' فغان محسن اور پیاری باتیں نسبتاً سادہ زبان میں لکھی گئی ہیں اس میں نہ تخیل کی جولانی ہے نہ پرواز سیدھے سادے خیالات ہیں اور ان کے نظم کرنے میں کافی سادگی مدنظر رکھی گئی ہے مگر محسن کا فن جن چیزوں کے لئے پسند کیا جاتا تھا وہ سادگی نہیں اور نہ وہ موضوع جو ان میں سے اکثر مثنویوں کا ہے۔ اس لئے یہ مثنویاں زیادہ مشہور بھی نہ ہو سکیں اور محسن کو وہ خراج تحسین نہ مل سکا جو صبح تجلی اور چراغ کعبہ کے لئے ملا۔

بلبل باغِ حرم
فکر عقیدت

ثمر بسوانی

فن و ادب کی عمق پستیوں کو اے محسن
ترے شعور نگارش نے عظمتیں دیدیں
فلک کے چاند ستاروں کو فرش پر لاکر
زمیں کو اوج ثریا کی رفعتیں دیدیں

بہار علم تھا اور فن کی آب و تاب تھا تو
غزل کا حسن تھا اور نظم کا شباب تھا تو
جہان شعر و ادب کو سنوارنے والے
قسم خدا کی صحافت کا آفتاب تھا تو

تری طرح کوئی حق آشنا نہ ہو پایا
بہ زور عشق بھی حد سے سوا نہ ہو پایا
دراصل فرق مراتب کو تونے ہی سمجھا
ترے قلم سے محمدؐ خدا نہ ہو پایا

چمن کا روپ کہوں حسن لالہ زار کہوں
ضیائے مہر کہ مہتاب زرنگار کہوں
کلام بلبل باغ حرم کو کیا کہیے
میں چاہتا ہوں محبت کا شاہکار کہوں

معین الدین حسن کاکوروی۔ایم اے بی ٹی (علیگ)

حضرت محسن کاکوروی.....نعت رسولؐ کے آئینہ میں

اس دور سعید اور سعادت میں کہ جب رحمۃ للعالمین کی شمیم حسن واخلاق گل دیا کن کی طرح اس محفل ہستی کو نوید بہار و بہاراں دیتی ہوئی پھیل گئی اور ان گیسوہائے معنبر کی عطر افشانی نے ہردو عالم کو قریہ نکہت ربو بنا دیا تو اس آفتاب رسالت کی محبت آفریں' الفت بیز اور عشق خیز کرنوں نے دلوں میں حیات تازہ وتابندگی کی حرارت پیدا کردی۔ آپ کی ذات اقدس کے صفات نے صلاحیت پذیر طبائع میں الفت و عشق' ذوق وشوق کے وہ شعلے بھڑکا دیئے کہ ان کی ہستیاں فروزاں ہوگئیں' ان کی تجلی ذات نے آئینہ ہائے قلب میں وہ صیقل کردی کہ زنگ معصیت کا فور ہوگیا' ساکنان خاک پستی کے دلوں سے بے یقینی اور بے مقصدی' بے راہ روی اور گم رہی کی تاریکیاں بیک نظر لطف والطاف یقین وایمان کے نور میں تبدیل ہوگئی۔ دماغ ودل کی قندیلیں جگمگا اٹھیں جب ایک عالم اس چشمہ رشد وہدایت سے اکتساب نور اور نورانیت میں مشغول تھا تو بھلا گروہ شعراء اس فیض سے کیوں محروم رہتے۔ بس وہ بھی اس حسن حمکین اور پیکر ملاحت کے حسن ظاہری اور معنوی اس کی رعنائی اور زیبائی اس کی خوبی اور خوئے محبوبی پہ دل و جاں نثار کرکے مسحور صفات حبیب ہوکر نعت کے سدا بہار پھول بکھرنے لگے' اپنی ملکہ شاعری کی خداداد صلاحیتوں کو بقدر ظرف تخئیل وتخیل بروئے کار لاتے رہے ان میں حسانؓ بن ثابت' عبداللہ بن رواحہؓ ودر کعبؓ ابن زہیر افق نعت کے وہ درخشاں ستارے ہیں کہ جن کا کلام لذت روح کا سامان مہیا کرتا ہے۔ دربار رسالت کے ان شعراء نے عربی فصاحت وبلاغت' سلاست ومتانت شکوہ وشان کے جملہ محاسن کے ساتھ ساتھ اپنے کلام میں عشق رسول کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ ان کے کلام میں جوش جذبات سادگی زبان اور خلوص بیان ہے۔ انہوں نے عشق رسول کو اپنے فن میں کچھ اس ادا سے رچ دیا کہ آقائے دوجہاں کا وجدان کامل اور ذوق اکمل بھی بے ساختہ جھوم اٹھا۔ آپ نے نہ صرف ان شعراء کو تحسین وآفریں سے سرفراز فرمایا بلکہ کعب بن زہیر کو اس شعر پہ فرط مسرت میں اپنی ردائے مبارک بھی مرحمت فرمائی۔ ان کا شعر ہے۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ
مہند من سیوف اللہ مسلول

ترجمہ: بے شک رسول وہ نور ہیں کہ جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ مہند کی بنی ہوئی وہ اللہ کی تلوار ہیں جو بے نیام ہے۔

جو روایات لغت شعراء عرب نے شروع کیں وہ نقوش اولین تھے مابعد کے عرب' ایران اور ہندوستان کے

شعراء اُن نقوش کو خوب سے خوب تر بناتے رہے۔ ذات رسولؐ سے ان کی والہانہ محبت نے انہیں "سوز دروں کی" وہ دولت بیدار ودیعت کی تھی جس کے باعث وہ سرشار اور بے خود نغمہ بازی اور نغمہ فشانی میں منہمک رہے۔ انتشار اور شورش کے دور میں یہی نغمہ سرمدی ان کے زخم خوردہ دلوں کے لئے سامان مرہم مہیا کرتا رہا جس نے دلوں میں وہ ڈھارس بندھائے رکھی کہ جوئے خون نہ گذرنے پہ بھی وہ دریار پہ جبہ سا رہے۔ حادثات زمانہ انقلابات کا سیل سر سے گذرتا رہا اور وہ تصور میں تصویر جان کھینچتے رہے اور کہتے رہے۔

هم ترے کشتہ رفتار ہیں کیا ہم کو خبر   کب پھینکا صور کب اے یار قیامت آئی

الغرض ہر دور اور ہر عہد میں شریف النفس انسانوں نے چاہے وہ کسی طبقہ اور کسی بھی مکتب خیال کے ماننے والے ہوں اس ذات اقدس کی تعریف و مدح کو سعادت دارین سمجھتے رہے وہ کہ جس کی تعریف میں اللہ اور اس کے ملائکہ ابتدائے آفرینش سے تا قیام قیامت رطب للساں رہے اور رہیں گے۔ ہزار ہا نے شعر نما نثر میں پائے مبارک پر گلہائے عقیدت نچھاور کئے اور ہزار ہا نے اشعار کے قالب میں لخت ہائے دل کو ڈھالا۔ نعت رسول کی منزل میں سب سے کٹھن اور دشوار گزار مرحلہ مرحلہ ادب ہے۔ یہاں بے خودی میں بھی ہوشیاری کے دامن تھامے رہنا ناگزیر ہے یہاں مئے الفت سے سرشار ہونے کے بعد بھی ہوش سنبھالے رکھنا ضروری ہے جذبہ عقیدت اور فرط محبت میں ادراک ہوش کی حدوں سے نہ گزرنا وہ پل صراط ہے کہ جس پر وہی نفوس قدسی صحیح وسلامت گزر سکتے ہیں کہ جن کو توفیق باندازہ ہمت" ازل سے قسام ازل مقدر کر چکا ہو۔ اگر ہم عالم اسلامی کے ادبی ذخیروں کا جائزہ لیں تو ہم محسوس کریں گے کہ ایک کامیاب شاعر اسی وقت کامیاب نظر آتا ہے کہ جب نعت کے میدان میں کامیابی اس نے سر کیا ہو انہیں باادب' باہوش گروہ میں حضرت محسن کا کوروی بھی تھے جن کے کلام میں جامی کا سوز وگداز' سعدی کی سادگی بیان' حافظ کی رنگینی تخیل اور موزونی الفاظ خسرو کی تب وتاب بیک مقام جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اگر جامی' قدسی' حافظ اور سعدی نے نعت کو ایرانی کج کلہی کا بانکپن مئے الفت کی سرشاری' الفاظ کا ترنم' نغمہ شیریں کا لطف اور سامعہ نواز زیر و بم عطا کیا تو محسن کاکوروی نے اپنی تڑپتی' سوز وساز' درد وداغ محبت سے نکھری ہوئی روح کو اشعار نعت میں اس طرح پیش کیا ہے کہ اس میدان میں وہ یگانہ روزگار ہیں جب عالم خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جمال دلفروز کا جلوہ دکھا دیا تو وہ پھر وقف نعت ہو گئے جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا۔

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی

نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

حضرت محسن کو ازل سے ایک دردمند' غم آشنا' محبت نواز دل عطا ہوا تھا' وہ ان سوختگان آتش محبت میں تھے کہ جن کے رگ وپے میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جاری اور ساری تھا۔ جن کی راتیں فراق غم کے سوز وتپش' ہجر کے تب وتاب میں بسر ہوتیں ہیں جن کے خلوت کے سناٹوں میں فغان نیم شبی شب بیداری کے سامان مہیا کرتی اور جن کے قلب کی تیرگی سرشک سرمژگاں کی دمک سے دور ہوتی رہی۔ جن کے پلکوں پہ آنسو گریہ شبنم کو پانی پانی کرتے رہے ہیں اور جن کے قلب تجلی میں تصویر رسولؐ اس طرح کھپ گئی کہ وہ حسن ماسوا سے بے نیاز ہو گئے

جب اس پیکر حسن مکمل کی جان پرور جھلکیاں انہوں نے دیکھیں تو عشق کے جذبہ بے اختیار نے انہیں ایسا مست و بے ہوش کیا کہ پھر کوئی تصویر جمال و رعنائی ان کی نظر میں نہ جچی۔ نہ تو پھر انہوں نے کسی سے لو لگائی اور نہ پھر وہ کسی کوچہ حسن میں بھٹکے وہ اس آستانے پر اس طرح جبہ سا ہو لئے کہ پھر کوئی آستان نازاں کے دامن دل کو نہ کھینچ سکا۔ پس وہ تصور میں تصویر جاں کھینچتے رہے مدح رسولؐ کے گل بوٹوں سے اس تصویر کو سجاتے سنوارتے اور نکھارتے رہے۔

عہد رسالت میں حضور سرور کائنات بہ نفس نفیس رونق افزائے عالم تھے۔ آپ کا جمال دلفروز "صورت مہر نیم روز عاشقان پاک طینت کے لئے سامان صد ہزار سرور وسکون مہیا کر رہا تھا۔" اس دور کے کلام میں سادگی اور والہانہ شیفتگی ملتی ہے۔ جو آسودگی جمال اور مسرت دیدار کے نظارے سے میسر ہوتی ہے وہ خوش نصیب تھے کہ دیدار حبیب سے شادکام تھے کچھ صدی کے بعد بلکہ خلفاء راشدینؓ کے عہد کے آخر حصے سے انتشار اور فتنہ وفتن کا دور شروع ہوا جس میں ملت اسلامیہ بڑے آزمائش کے دور سے گزر رہی تھی اس وقت یہی تصور رسول زخمی دلوں کے تسکین کا سامان رہا۔ فتنہ چنگیزی میں قتل وغارت اور تباہی قلب اپنی آخری حدوں پر پہنچ گئی۔ سیاسی' معاشرتی' اخلاقی انحطاط کا یہ عالم تھا کہ قیامت سے پہلے قیامت برپا تھی اور یہی تصور جمال رسالت میں محویت غم دوراں کو غلط کر رہی تھی اور اس دور کا کرب اس نعتیہ مناجات کے بس ایک شعر سے عیاں ہے۔

ز مہجوری برآمد جان عالم   ترحم یارسول اللہ ترحم

اسی لئے عجمی اور ہندی شعراء کے کلام میں ان کے آنکھوں میں حسرت دید جمال ہے' فراق کا سوز ہے غم محبت کی روح سوز تپش وتاب ہے لیکن یہ کیفیات اضطراب اور بیقراریٔ دل رنگ لاتی ہے ان کے پرخلوص جذبہ بے اختیار کے باعث حضور اپنے جلوۂ دل آراء سے ان کی تشنہ آنکھوں کو سیراب کرتے ہیں اور خیال وخواب کی دنیا حقیقت بن کر انہیں سرخوشی کی ایک ایسی فردوس راحت میں پہنچا دیتی ہے کہ جہاں دو عالم کی نعمتیں ہیچ ہو جاتی ہیں اور وہ غالب کے الفاظ میں پکار اٹھتے ہیں۔

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراق

تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی

یہی سعادت حضرت محسن کو نصیب تھی آپ بھی عالم خواب میں جمال رسالت سے مشرف ہوئے اور اس کے بعد آپ ہمہ تن وقف نعت ہو گئے اس کیفیت وکیف کو ایک بند میں بیان کرتے ہیں۔

لو مبارک ہو قدمبوسی حضرت محسنؔ   کس کو ہوتی ہے نصیب ایسی سعادت محسن

اب نہیں باقی ہے کچھ خواہش ہمت محسن   آرزو اتنی ہے بس روز قیامت محسن

سر کے بل جاؤں جو نقش قدم سرور پر   سارے محشر کی زمیں رکھ لوں اٹھا کر سر پر

آخری شعر میں شورش قلب کتنے پراثر انداز میں ادا کیا ہے کہ جس سے اضطراب کی پوری تصویر خیال کے پردے پہ کھنچ جاتی ہے یہ سراپائے رسول مقبول اپنی دلکشی بیان' ندرت خیال' پر شعریت تشبیہات' رفعت تخیل کی وہ

تصویر ہے کہ جس پر کلک مصور جتنا ناز کرے وہ کم ہے۔ دیکھیے کیسی تصویر۔

کیسی تصویر کہ ہے صبح بہار امکاں | کیسی تصویر کہ آئینہ پرواز جہاں
کیسی تصویر کہ لوح و قلم نور فشاں | کیسی تصویر کہ ہے کلک مصور نازاں
کیسی تصویر کہ سب صلی علیٰ کہتے ہیں | کیسی تصویر کہ سب جلی علیٰ کہتے ہیں

یہ کامگاری دیداران کے کلام میں ایک بار دیکھا اور دوبارہ شرف دید سے مشرف ہونے کی آرزو کو تیز تر کر رہا ہے اور غم و سوز عشق اور بھی بڑھا رہا ہے، یہ وہ تشنگی روح ہے جو ناآشنائے آسودگی ہے، یہ وہ ناشکیبائی ہے جو محروم شکیبائی ہے یہ وہ ناصبوری ہے کہ صبر و تسکین سے ہمکنار نہیں۔ "حسن" نے ساز دل کو چھیڑ تو دیا بہ مصلحت خود خاموش ہو گیا لیکن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دل عاشق کو نذر فروش کر گیا۔

وہ "سراپائے رسول" اقدس ہو کہ "مدیح خیر المرسلین" وہ مثنوی "چراغ کعبہ" ہو کہ مثنوی "صبح تجلی" سب میں حسن عقیدت، پاکیزگی خیال و بیاں، انتخاب الفاظ کی موزونیت اور طرز ادا کا بانکپن، لطیف اشارات، برمحل تلمیحات کچھ اس انداز سے اشعار میں رچ دیئے ہیں کہ ذوق سلیم و وجدان صالح پر ایک عالم حیرت و تحیر طاری ہو جاتا ہے۔

حضور اقدس کے دندان مبارک کے سلسلے میں کسی قدر نادر تشبیہ کی تلاش ہے لیکن ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے کئی تشبیہیں خیال میں آتی ہیں لیکن وہ نظر جو خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہے مطمئن نہیں ہوتی آخر میں تخیل و تجسس ایک نادر تشبیہ کا گوہر تاباں پا جاتا ہے کہتے ہیں۔

قطرہ جب سائل تشبیہ ہوا رو رو کر | آیا دامن میں لئے گرد یتیمی گوہر
پانی پانی میں ہوا جوش مروت سے مگر | معنی تازہ طبیعت سے کھلے یوں دل پر
کہ دریں قطرہ سائل یم لا گہر نیست | وزپے در یتیم آئینہ لا قہر ہر نیست

قطرہ، حرف تشبیہ ہونے کے لئے رو کر آیا در یتیم تھا۔
مروت نے مجبور کر دیا کہ اسے شرف قبولیت بخشا جائے اور پھر حکم باری تعالیٰ بھی یہی ہے کہ یتیم کو نہ جھڑکو اور سرور کائنات نے بھی یتیم پر خاص رحم و ترحم کا حکم دیا ہے۔

تمام انبیاء کی متفرق صفتیں حضور کی ذات اقدس میں بیک وقت مجتمع کر دی گئیں تھیں اس پر تضمین ملاحظہ فرمائیے۔

بولے جبریل کے تجھ پر ہوئی ختم تکمیل | آدم و نوح کے بخشے تجھے اوصاف جمیل
خضر و الیاس کا رتبہ شرف اسمٰعیل | اور اس کے بھی سوا سرو قد باغ خلیل
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری | آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ادیان ملل کو ان کا اصلی روپ و رنگ حضور ہی نے عطا فرمایا۔ کہتے ہیں۔

دیں پکارا کہ میرے گھر میں اجالا کر دے | طالع خفتہ کو ہم چشم زلیخا کر دے
مثل مردے کے پڑا ہوں مجھے زندہ کر دے | دستگیری مری فرما مجھے برپا کر دے

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری | آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور نے دین زلیخا کا حسن نظر عنایت کیا اور تمام ادیان کو نکھارنے کا کار اہم حضور ہی کو سپرد ہوا اور اس طرح ادیان کی قسمت قسمت زلیخا پہ چشمک زن ہو گئی اخلاقی زندگی کی موت ہو چکی تھی اور حضور ہی نے اپنے اخلاق حسنہ سے اس میں ایک نئی روح ایک تازہ زندگی پھونک دی قلوب کو زندہ کر دیا۔

آخر میں پر متانت شوخی سے سراپا کو کس حسین انداز میں ختم کرتے ہیں۔

ہے یہ امید کہ جب گرم ہو بازار نشور | یوں کہے بادشہ کار گہہ عالم نور
لو سراپا ہمیں تم دو عوض حور و قصور | میں کہوں واہ مجھے یہ نہیں ہرگز منظور
مفت حاضر ہے مگر اس کی یہ تدبیر نہیں | کھوٹے داموں کے یوسف کی یہ تصویر نہیں

آخری مصرع کی شوخی ادا پہ شوخی بھی نثار ہو رہی ہے اور دل اس انداز بیاں پر جھوم اٹھتا ہے۔

مدیح خیر المرسلین کے تشبیب کے اشعار ملاحظہ ہوں جس میں ہندی ماحول کا وہ کیف آفریں فضا پیدا کر دی کہ جادو بیانی دلوں کی دنیا مسحور کیے ہے۔ ہندوستان کے برستے ہوئے موسم کی ساعت، کیف و مستی، برستے بادلوں کی گھن گرج، ساون کے مچلتے ہوئے نشہ پرور لمحات کو دیکھئے کس شعریت کے ساتھ اشعار کا جامہ پہنا دیا ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل | برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل | جا کے جمنا پہ نہانا تو ہے ایک طول عمل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی | کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی | پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
شاہد کفر ہے نکھرے سے اٹھائے گھونگھٹ | چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

تشبیہ سے گریز کرتے ہیں اور اس میں عام طور کا نقشہ کھینچتے ہیں پھر مدح کے اشعار میں جس جوش عقیدت کا اظہار ہے وہ اردو شاعری کا مایہ ناز سرمایہ ہے اور آپ اپنی نظیر ہے ملاحظہ ہو۔

منتخب نسخۂ وحدت کا یہ تھا روز ازل | کہ نہ احمد کا ہے ثانی نہ احد کا اول
گل خوش رنگ رسول مدنی عربی | زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر | بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول
شب اسریٰ میں تجلی سے رخ روشن کی | پڑ گئی گردن رفرف میں سنہری ہیکل
ہے حقیقت کو مجاز آپ کا حیرت کا مقام | بے نیازی کو نیاز آپ کا نازش کا محل

مقام رسالت و ولایت کی تفسیر ان اشعار میں کتنی قادر الکلامی سے ادا ہوتی ہے۔ آپ کا نور نور اول ہے اور ازل و ابد نے آپ کی نبوت کے باعث شرف و افتخار حاصل کیا۔ وقت آپ کی تشریف آوری نے وقت کو وقار عطا کیا۔ دوسرے شعر میں آپ کو دو عالم کا حاصل بتایا اور یہ اشارہ کیا کہ تخلیق عالم اور عالمیان بس تر آپ کے لئے حاصل تھی یہ رونق عالم، یہ ہستی کی رونق۔ یہ چاند ستاروں اور سورج کو ضو اسی نور اول سے ملی ہے۔ چوتھے شعر میں

صنعت حسن تعلیل کی ندرت اور حسن تعریف و توصیف سے مستغنی ہے۔ شب معراج میں رخ روشن کی چھوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ رفرف کی گردن میں کوئی سنہری ہیکل پڑ گئی ہے۔ پانچویں شعر میں بے نیاز کا مشتاق ملاقات ہو کر ہمہ نیاز عشق و حسن کی وہ حدیث ناز و نیاز ہے جسے محسوس کیا جا سکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا آخر میں مناجات کے چند شعر لکھ کر عرض ہے کہ یہ انداز ادت اور قرینہ محبت کا سلیقہ کہیں دوسری جگہ ڈھونڈنے کی کوشش سعی رائیگاں ہے کہتے ہیں۔

محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر | کہ اقامت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل
سب۔۔ سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل | میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تا دم مرگ | شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح | ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

دولت دنیا سے بے نیاز ہو کر بس محبت رسول کی تمنا ہے اور اسی کو وہ حاصل "حیات" فانی سمجھتے رہے۔

مثنوی چراغ کعبہ میں معراج کا حال بیان کیا حضورؐ کی معراج پر تشریف لے جانے کی تیاری' جبریل امین کی آمد' حضورؐ کا مقام قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز ہونا۔ اس رات کی دلکشی اور رعنائی اتنے پر از شعریت انداز میں لکھی ہے کہ قلم تعریف سے عاجز' تشبیہ اور استعاروں میں ایک ملکوتی اور سماوی فضا کی منظر کشی ممکن ہے کہ محرم اسرار نہاں اور عارف رموز معرفت ہو۔

شب اسریٰ کی منظر کشی کتنے' سبک پر ترنم انداز بھی ہے نازک خیالی اور نزاکت یا تخیل ملاحظہ ہو۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے | داخل ہوئی کعبے میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام | شبنم کی ردا بقصد احرام
نامحرموں سے چھپائے چہرہ | پروین کو بنائے منہ کا سہرا
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے | لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے

تشبیہوں اور استعاروں سے ایک فضائے حسن پیدا کی ہے کہ جس میں چھوٹی بحر میں بلند خیالات کو اعجاز نما اعجاز کے ساتھ ادا کیا ہے۔

مثنوی صبح تجلی میں پیدائش خاتم الانبیاء کو کس دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

اس وقت تو یاد میں عرب کے | مطلع سے تجلیات اب سے
برج شرف قریشیاں میں | اور ہاشمیوں کے خانداں میں
کعبے کی زمین نامور سے | اور عبدالمطلب کے گھر سے
اسلام کا آفتاب چمکا | بے پردہ و بے نقاب چمکا
پیدا ہوئے خاتم النبیینؐ | مہر فرماں عز و تمکین
باجسم احد احمد بلامیم | شائستہ صد صلوٰۃ و تسلیم

الغرض نعت رسولؐ کے مختلف پہلوؤں سے جس سے حسین تر انداز میں پیش کرتے رہے اور ہر نقش کے نقوش اور تصویر کے خدوخال ایک سے ایک بہتر۔ وہ شرار محبت جو قلب میں قدرت نے ودیعت کیا تھا' وہ شعلہ جوالہ بن کر قلب و روح کے لئے سامان صد سوز و ساز مہیا کرتا تھا۔ نعت کے گل اور بوٹوں کو شوخ سے شوخ تر' بلیغ سے بلیغ تر کرتے رہے۔ ان کے کلام میں قوس قزح کی بوقلموں رنگینی' تسنیم و کوثر کی سبک روی' افق میں ستارہ شام کی چمک تابی' باد صبح کی آہستہ خرامی' کلیوں کی گراں خوابی' شبنم کی گریہ نیم شبی انہوں نے حل کر دی ہے جب اس نور ازل سے اکتساب نور کر لیا تو ہمہ عالم سے بے نیاز ہو کر بس وقف مدح رسولؐ ہو کے اپنے کلام کے سوز محبت سے نمعلوم کتنے قلوب خنک کو حرارت اور گرمی محبت سے بھر دیا اسی موئے شب تاب کی خوشبو نے تا عمر مست و بے خود رکھا اور تصور محبوب کی نکہت سے آشفتگی عشق کی دولت و نعمت عطا کر دی وہ ان لوگوں میں تھے جن کو مکمل ترین انسان کے الفت کا گنج شائگاں میسر ہوتا ہے اور جن کی ساری حیات اس پاک و پاکیزہ شعر کی تفسیر ہوتی ہے۔

وشم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
جو غلام آفتابم ہمہ از آفتاب گویم

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

محمد عبدالمقیت شاکر علیمی

محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ

اصناف شاعری میں قصیدہ کی صنف بہت پرانی ہے یہی وجہ ہے کہ عربی وفارسی اور اردو میں قصائد کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ شعرائے کرام نے اپنی ذہنی وفکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اس صنف شاعری کو عروج کمال تک پہنچا دیا اور یہی نہیں بلکہ اس میں ایسے ایسے فنی نکات پیدا کئے جو شاعری کی کسی اور صنف میں کم ہی ملیں گے۔ اگرچہ تمام تر شاعری کی بنیاد فنی اعتبار سے ایک سی ہے تاہم قصائد کے دفتر میں بعض چیزیں ایسی پیدا ہوگئی ہیں جن سے شاعر کے کمال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ فارسی اور اردو شاعری میں بہت اعلیٰ درجہ کے قصائد موجود ہیں لیکن عربی شاعری میں امراؤالقیس، متنبی اور حماسہ کے قصائد کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا چنانچہ مذکورہ بالا تینوں شعراء کے قصائد کو بنیاد بنا کر آئمہ معانی وبیان نے نہایت واضح اصول مرتب کئے۔ جس کے پیش نظر قصائد کے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں کو پرکھنا آسان ہوجاتا ہے۔

عربی شاعری کی تقلید میں فارسی شعراء نے اپنے قصائد کی بنیاد اسی طریق پر رکھی چنانچہ خاقانی، عرفی اور خاقانی نے فارسی شاعری میں اس صنف کو عروج بخشا اور نہ صرف یہ بلکہ اس میں نئے تجربے بھی کئے۔ خصوصاً خاقانی نے اپنے قصائد میں کثرت سے علمی اصطلاحات بیان کی ہیں جس سے اگرچہ اغلاق کا عنصر نمایاں ہوگیا ہے تاہم خاقانی کے لطیف پیرایہ بیان نے فارسی قصائد کو ایک نئے موڑ پر لا کھڑا کیا جس کے نتیجہ میں بعد کے شعراء نے بھی لمبی اصطلاحات نظم کرنی شروع کردیں اور اس طرح قصائد میں ایک نئی چیز کا اضافہ ہوگیا۔

اردو شاعری ابتداء ہی سے عربی وفارسی شاعری کے اثرات قبول کرتی چلی آرہی ہے۔ عام اصناف سخن میں شعرائے اردو نے فارسی شعراء کی تقلید کو روا رکھا۔ قصائد فارسی کے اکابر شعراء کے قصائد پر قصائد لکھے اور اس میں تمام انہیں چیزوں کو برقرار رکھا جو فارسی قصائد میں عام طور پر پائی جاتی ہیں سوداؔ اردو قصائد کے امام کہے جاتے ہیں۔ انہوں نے نعتیہ قصائد بھی لکھے جس میں کئی قصائد کی تشبیب بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ سوداؔ کے بعد اس صنف میں ذوقؔ کا نام آتا ہے جن کے قصائد شوکت لفظی، علمی اصطلاحات وقصائد کے فنی نکات سے مزین ہیں، بلاشبہ ذوقؔ کی طبیعت قصیدہ گوئی کی طرف فطری طور پر مائل تھی یہی سبب ہے کہ انہیں اردو کی اس صنف شاعری میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

سوداؔ اور ذوقؔ کے بعد اردو قصیدہ گوئی کی تاریخ میں جو نام آتا ہے وہ محسنؔ کاکوروی کا ہے۔ جنہوں نے اگرچہ

صرف چند قصیدے کہے جو ان کے کلیات میں موجود ہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ یہ قصیدے فنی محاسن کے اعتبار سے اعلیٰ مقام کے حامل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ باوجود دوسرے شعراء کے جنہوں نے قصیدے کہے محسنؔ کاکوروی کا نام سوداؔ اور ذوقؔ کے بعد لیا جاتا ہے۔ ہمارا موضوع چونکہ محسنؔ کاکوروی کی قصیدہ گوئی سے متعلق ہے لہٰذا مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ معانی وبیان کے مرتب کردہ اصولوں کی روشنی میں محسنؔ کے فن کا جائزہ لیا جائے تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس صنف میں ان کا مقام کیا ہے اور ان کا نعتیہ قصیدہ کہاں تک اکابرین کے نظریات پر پورا اترتا ہے۔

قصیدہ کے چار اجزاء ہوتے ہیں تشبیب، گریز، مدح اور دعائیہ اور ہر جز کے لئے ائمہ معانی وبیان میں ابن رشیق قیروانی المتوفی 456ھ ابوہلال عسکری المتوفی 395ھ یحییٰ بن علی یمنی، شمس الدین محمد بن قیس رازی اور علامہ قلقشندی وغیرہ نے اپنے اپنے نظریات کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور بلاشبہ ان نظریات پر اگر قصیدہ کی عمارت کھڑی کی جائے تو وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل منفرد حیثیت کی مالک ہوگی۔

تشبیب قصیدہ کا ابتدائی حصہ ہے اس میں عاشقانہ اشعار نظم کئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے قاری کو اس سے دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے اور نتیجتاً وہ پورے قصیدے کو بڑے ذوق وشوق سے پڑھتا ہے جب ہم قصیدہ گوئی کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شعراء نے اکثر قصائد کی تشبیب بہاریہ مضامین پر رکھی ہے۔ خاقانیؔ کے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے:۔

بہ گرد تیرہ ابراں باد اداں بر شد از دریا … جواہر خیز و گوہر ریز و گوہر بیز و گوہر زا

اسی طرح عرفیؔ کے قصائد کی تشبیب بھی اکثر بہاریہ ہے چنانچہ سوداؔ نے اپنے قصیدہ میں جو اسی زمین میں لکھا ہے۔ ایک مصرعہ جوں کا توں لے لیے ہے:۔

تا کجا شرح کروں میں کہ بقول عرفیؔ … اخگر از فیض ہوا سبز شود در منقل

ذوقؔ کے قصائد کی تشبیب بھی عام طور پر اسی انداز کی ہے۔ ایک قصیدہ کا مطلع ہے:۔

ساون میں دیا پھر مہ شوال دکھائی … برسات میں عید آئی قدح کش کی بن آئی

محسنؔ کاکوروی کے قصیدہ کی تشبیب بھی بہاریہ ہے مطلع ہے:۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل … برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

تمام نقادان فن کی یہ رائے ہے کہ اس قصیدہ کی تشبیب قصائد اردو میں سب سے زیادہ بلند ہے کیونکہ اس میں جس قدر مضامین پائے جاتے ہیں ان کا براہ راست ہندوستان سے تعلق ہے۔ جس سے ہندوستانی مقامات اور رسم ورواج کیساتھ معاشرے سے پوری واقفیت حاصل ہوجاتی ہے اور یہی اس کی برتری کا سبب ہے۔ مثلاً

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل … جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی … کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

دھرکا ترسا بچہ ہے برق لیے جل میں آگ … ابر چوٹی کا برہمن ہے لئے آگ میں جل

ابر پنجاب تلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم … برق بنگالہ ہے ظلمت میں گورنر جنرل

دیکھئے ہوگا سری کشن کا کیوں کر درشن | سینہ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے دونوں کی برہمن نکلیں | تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے | نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

غرض یہ کہ محسن کے اس نعتیہ قصیدے کی تشبیب کا عام انداز یہی ہے۔ جس پر بعض لوگوں نے اعتراضات بھی کئے معترضین کا سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ نعتیہ قصیدہ میں ایسے مضامین نہیں ہونے چاہئیں جن کا تعلق کفر سے ہے اس کا جواب حضرت امیر مینائی نے بہت عمدہ دیا ہے امیر مینائی لکھتے ہیں:-

"بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدہ نعت میں متھرا، گوکل، کنھیا کا ذکر بے محل ہے۔ لہٰذا دفع دخل کیا جاتا ہے کہ نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصطلاح شعراء میں مضامین عشقیہ کا بیان کرنا اساتذہ نے تخصیص مضامین عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ کوئی شکایت زمانہ کی کرتا ہے کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے۔ کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے۔ الغرض متبعان کلام اساتذہ وحقیقت شناسان تشبیب وقصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ اس مناسبت کی قید ہے کہ حمد ونعت ومنقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اسی کی رعایت رہے مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے۔

صبح کہ در ہوائے پرستاری روش | جنبد کلید بتکدہ در دست برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں۔ عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجہ ہر دو عالم ﷺ کے حضور میں قصیدہ بانت سعاد جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے۔ پڑھا گیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی محمد محسن کاکوروی نے بھی اس نظم میں اس کا جواب دیا۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

پڑھ کے تشبیب مسلماں مع تمہید وگریز | رجعت کفر بہ ایماں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر | شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ | نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طول سخن | مگر ایمان کی کہیے تو اسی کا تھا محل
غلبہ وسطوت ظلمت کے بیاں میں مضمر | شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل
کفر وظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دین خدا | نے ونغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل
مدعا یہ ہے کہ رندوں کی سیہ بختی سے | ظلمت کفر کا جب دہر میں چھایا بادل
ہوا مبعوث فقط اس کے مٹانے کے لئے | سیفِ مسلول خدا نورِ نبی مرسل ﷺ

حقیقت یہ ہے کہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے دنیا میں مبعوث کئے گئے کہ کفر وضلالت کو مٹادیں اور ہر طرف شمع ہدایت کی روشنی پھیلا دیں اس اعتبار سے جب قصیدہ کی تشبیب کا جائزہ لیتے ہیں تو عجب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور دین محمدی ﷺ کے تمام پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ ایک حد تک قبل از اسلام کی تاریخ بھی سامنے آجاتی ہے۔

قصیدہ کا دوسرا جز گریز کا ہے چنانچہ گریز اور تشبیب میں گہرا ربط ہونا چاہیے تاکہ قاری کا ذہن بھٹکنے نہ پائے اور وہ اسی دلچسپی کے ساتھ اصل مقصد کی طرف لوٹ آئے ابن رشیق کا خیال ہے۔

"اگر تغزل تشبیب کے طور پر ہے تو اس کے فوراً بعد مدح یا ذم آنا چاہیے تغزل اور اس کے بعد کے مضامین میں ربط ضروری ہے کیوں کہ قصیدہ انسان کے جسم کی مانند ہے۔ جس کے تمام اعضاء میں گہرا ربط ہوتا ہے اگر جسم میں کہیں بھی کوئی خلل واقع ہو تو اس کے اثرات پورے جسم پر مرتب ہوتے ہیں یہی حال قصیدہ کا بھی ہے بے ربطی اس کے لئے عیب اور حسن ارتباط اس کی خوبی ہے۔"

محسن کاکوروی کے قصیدے میں یہ خوبی بھی حد درجہ کمال تک پائی جاتی ہے۔ یہ قطعی نہیں کہا جاسکتا کہ اس نعتیہ قصیدے میں تشبیب اور گریز میں اتنا تفاوت ہے کہ قاری کا ذہن مدح کی طرف نہیں آتا۔ بلاشبہ قصیدے میں بھی وہ مقام ہے جہاں شاعر کے کمال کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ محسن کاکوروی نے گہرے شعور سے کام لے کر گریز کے اشعار نکالے ہیں اور اس طریق پر کہ تشبیب اور مدح میں گہرا ربط قائم ہوگیا ہے۔ مثلاً ذیل کے چند اشعار دیکھئے

پھر چلا خامہ قصیدے کی طرف بعد غزل | کہ ہے چکر میں سخن گو کا دماغ مختل
ے گلرنگ ہے کیا شمع شب فکر کا پھول | چلتے چلتے جو قلم ہاتھ سے جاتا ہے نکل
کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا | کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی اچل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر | گھاگرا پر کبھی گذرا کبھی سوئے چمل
ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار | ہوئی آئینہ مضموں کی دو چنداں صیقل
روئے معنی ہیں بھٹکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف | تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن | ہاتھ میں جام زحل شیشۂ مہ زیر بغل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں | خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل

ان اشعار کو دیکھنے کے بعد یہ ضرور اندازہ ہوجاتا ہے کہ محسن نے گریز میں کافی محنت کی ہے اور بلاشبہ تشبیب کے مضامین کے لحاظ سے بہت عمدہ گریز کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں شعرائے عرب میں متنبی اور شعرائے ایران میں قاآنی وغیرہ نے نہایت ہی لطیف اور دلچسپ انداز میں گریز کیا ہے جس کی مثال اردو قصائد میں بہت مشکل سے ملے گی۔

مدح قصیدہ کا تیسرا حصہ ہے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ الفاظ کا استعمال اور طرز تخاطب ممدوح کے

رتبہ کے لحاظ سے ہونا چاہیے نہ یہ کہ بادشاہ کی مدح میں ایک فوجی افسر کے خصائل بیان کر دیے جائیں ایسا کرنے سے قصیدہ اپنے حقیقی معیار سے گر جاتا ہے اس سلسلہ میں عربی کے پہلے نقاد قدامہ بن جعفر نے اپنی مشہور کتاب نقد الشعر میں بڑی تفصیل سے بحث کی چنانچہ ابن رشیق اس سے استفادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سب سے بہترین مدح اس کو کہا جاسکتا ہے جس میں "فضائل نفسیہ یعنی انسان کے کردار کی خوبیوں کا ذکر ہو یہ خوبیاں چار قسموں میں منقسم ہیں۔ عدل، عفت، عقل اور شجاعت جو شاعران میں سے کسی وصف کا بھی ذکر کرتا ہے وہ اس شاعر سے بہتر ہے جو جسمانی یا نسبی مفاخر کو بیان کرتا ہے۔ تمام انسانی صفات کا مرجع یہی چار صفتیں ہیں ان کو ملانے سے چھ مزید صفتیں وجود میں آتی ہیں عقل اور شجاعت سے صبر کی صفت پیدا ہوتی ہے اور وفا کی بھی عقل کو عفت کے ساتھ ملانے سے نفرت اور قناعت پیدا ہوتی ہے۔ عقل کو سخاوت کے ساتھ ملانے سے ایفائے عہد پیدا ہوتا ہے شجاعت کو سخاوت سے ملانے سے فیاضی اور سیر چشمی وجود میں آتی ہے شجاعت کو عفت سے ملانے سے فواحش سے نفرت اور غیرت وحمیت پیدا ہوتی ہے۔ عفت اور سخاوت سے ایثار نفس اور بڑے کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔"

بلاشبہ مذکورہ بالا فضائل انسانیت کی معراج ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انسانوں کو یہی سکھانے آئے تھے آپ اخلاق کا مجسمہ ہیں۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی مشعل ہدایت ہے کس کی زبان اور قلم کو یارا کہ وہ آپ کی مدح کر سکے حضرت شیخ سعدیؒ نے ایک مصرعہ میں آپ ﷺ کی مدح لکھ دی۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

محسن کاکوروی علیہ الرحمۃ کو آپ ﷺ سے بے پناہ عشق تھا انہوں نے جس قدر مدحیہ اشعار لکھے ہیں وہ فنی معیار پر پورا اترنے کے ساتھ ساتھ محبت وخلوص کا آئینہ دار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان اشعار میں ایک عجیب قسم کی کیفیت پائی جاتی ہے مندرجہ ذیل اشعار ابن رشیق کے نظریہ پر پورے اترتے ہیں۔

گل خوش رنگ رسولِ مدنیِ عربی ۔۔۔ زیب دامانِ ابد طرہ دستار ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر ۔۔۔ نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر ۔۔۔ بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو ۔۔۔ شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول
مرجع روح میں زیب وہ عرش بریں ۔۔۔ حامی دینِ متیں ناسخ ادیان و ملل
افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب ۔۔۔ اولیت پہ تری متفق ادیان و ملل
لطف سے تیری ہوئی شوکت ایماں محکم ۔۔۔ قہر سے سلطنت کفر ہوئی مستاصل
مبحث جاہ میں اعلیٰ کے ہیں معنی ادنیٰ ۔۔۔ مصرف جود میں اکثر کا مرادف ہے اقل

مندرجہ بالا اشعار کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ محسن کاکوروی نے کس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے

خصائل بیان کیے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے اشعار کہنا کسی دوسرے کے بس کا کام نہیں تھا۔ جب ہم اشعار کے الفاظ پر نظر ڈالتے ہیں تو بالکل ممدوح کے شایان شان پاتے ہیں اور یہی مدح کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

قدامہ بن جعفر اگر چہ فضائل نفسیہ کے علاوہ ممدوح کی جسمانی اور مادی خصوصیات کے بیان کرنے کا قائل نہیں ہے تاہم ابن رشیق اسے جائز سمجھتا ہے لیکن وہ فضیلت کا درجہ فضائل نفسیہ کو ہی دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مدحیہ قصائد میں ممدوح کی جسمانی اور مادی خصوصیت سے زیادہ افضل فضائل نفسیہ کا ہی بیان کرنا ہے لیکن نعتیہ قصائد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی خوبیوں کو بیان کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے کیونکہ یہ بھی اظہار محبت کا ایک ذریعہ ہے اور ویسے بھی آپ جسمانی اعتبار سے تمام عالم میں افضل تھے قدما نے آپ کی جسمانی خوبیوں کو بھی بیان کیا ہے کسی شاعر نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے ایک شعر کو نہایت خوب نظم کیا ہے۔

لب لعل و خط سبز و رخ زیبا داری ۔۔۔ حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
شیوہ و شکل و شمائل حرکات و سکنات ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

محسن کاکوروی نے بھی اپنے قصیدہ میں آپ کے اعضاء کی مدح پر اشعار کہے ہیں جس میں لطف تشبیہ اور مضمون کی بلندی قابل قدر ہے وہ کہتے ہیں۔

رشک سے شعلہ رخسار کے روتی ہے برق ۔۔۔ برق کے منہ پہ ہے رکھے ہوئے پلّا بادل
دور پہنچی لب جاں بخش نبی کی شہرت ۔۔۔ سن ذرا کہتے ہیں کیا حضرت عیسیٰ بادل
چشم انصاف سے دیکھ آپ کے دندانِ شریف ۔۔۔ در یکتا ہے ترا گرچہ یگانا بادل
آمدورفت میں تھا ہمقدم برقِ براق ۔۔۔ مرغزار چمن عالم بالا بادل

شب اسریٰ میں تجلی سے رخ انور کی ۔۔۔ پڑ گئی گردن رفرف میں سنہری ہیکل

قصیدہ کا آخری حصہ دعائیہ ہوتا ہے لیکن بقول ابن رشیق قصائد کو ختم کرتے وقت دعا کرنا اہل نظر کے نزدیک پسندیدہ نہیں اگرچہ بادشاہوں کے لئے دعا کرنا برا نہیں ہے مگر دعا پر قصیدہ ختم کرنا کچھ اچھا نہیں لگتا حقیقت بھی یہی ہے کہ دعائیہ پر قصیدے کا خاتمہ بے محل ہوتا ہے۔ تاہم شعراء کرام کے نزدیک اس کی حیثیت ایسی قائم ہوئی کہ وہ قصیدہ کا ایک جزو ہو گیا اور اسی بناء پر عموماً قصائد کا خاتمہ دعائیہ پر ہوتا ہے اردو شاعری میں یہ حصہ ہمیشہ بے لطف رہا ہے ہر شاعر دعا دینے کے لئے کوئی حیلہ تلاش کرتا ہے جس کی وجہ سے تمام لطف زائل ہو جاتا ہے محسن کا قصیدہ چونکہ نعتیہ ہے اس لئے اس میں دعائیہ کے انداز میں فخریہ پایا جاتا ہے اور بلاشبہ یہی قصیدے کے لئے مناسب ہے محسن نے نہایت لطیف انداز میں فخریہ کے پندرہ شعر کہے ہیں جن کی وجہ سے بھی قصیدہ فنی طور پر بہت بلند ہو گیا ہے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل ۔۔۔ میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی ۔۔۔ نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے   صرف ترا ہو بھروسہ تری قوت تر اہل
ہو مرا ریشۂ امید وہ نخل سر سبز   جس کی ہر شاخ میں ہو پھول ہر ایک پھول میں پھل
نام احمد بزباں سر بلامیم بصدر   لب پہ ہو صل علیٰ دل میں مرے عزوجل
دم مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا مری   فکر فردا کی نہ کر دیکھ لیا جائے گا کل
یاد آئینہ رخسار سے حیرت ہو مجھے   گوشہ قبر نظر آئے مجھے شیش محل
میزباں بن کے نکیرین کہیں گھر ہے تیرا   نہ اٹھانا کوئی تکلیف نہ ہونا بے کل
رخ انور کا ترے دھیان رہے بعد فنا   میرے ہمراہ چلے راہ عدم میں مشعل
صف محشر میں تیرے ساتھ ہو تیرا مداح   ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ   سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

ہم اوپر محسنؔ کے نعتیہ قصیدے پر باعتبار اجزائے قصیدہ کسی قدر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محسنؔ کاکوروی کا یہ قصیدہ اردو قصائد میں کس مقام کا حامل ہے اس کی بنیادیں کہاں تک ائمہ معانی و بیان کے نظریات پر رکھی گئی ہیں۔ یہاں یہ دیکھنا ہے کہ قصیدہ باعتبار لفظی و معنوی محاسن کہاں تک اعلیٰ معیار کو برقرار رکھے ہوئے ہے تاکہ محسنؔ کی شاعرانہ صلاحیتوں کا بھی بخوبی اندازہ ہو جائے۔

ابو الہلال عسکری نظم و نثر کی عام خوبی کو اپنی مشہور کتاب صناعتین میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''کلام نثر ہو یا نظم اس میں سہولت' سلاست' بہترین الفاظ' عمدہ معانی' اچھی ترکیب موزوں نشست الفاظ ہونا ضروری ہے۔''

آگے چل کر شعر کی تعریف میں رقم طراز ہیں:-

''شعر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ جو معانی کثیرہ پر دال ہوں جن کو سن کر سننے والا خود بخود لطف حاصل کرے۔''

ابو الہلال عسکری کے ان دونوں اقتباسات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ شعر میں الفاظ کے استعمال کو بھی کمال سمجھتے ہیں۔ معنی کی تمام خوبیاں الفاظ پر موقوف ہوتی ہیں۔ جس قدر الفاظ مناسب ہوں گے اسی قدر شعر میں لطف و اثر کا عنصر پیدا ہوگا اس اعتبار سے جب ہم محسنؔ کاکوروی کے قصیدہ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے وہ بھی الفاظ کی اہمیت کے پیش نظر خصوصاً قصیدہ میں جس کا معیار شوکت لفظی سے ہی قائم ہوتا ہے، بہت اہم ہے وہ موقع و محل کے لحاظ سے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے قصیدہ کی شان برقرار رہتی ہے برخلاف اس کے علامہ قلقشندی صاحب صبح الاعشیٰ معانی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:-

''معانی کا وجود الفاظ کے لئے ایسا ہے' جیسا کہ جسم کے لئے لباس ہوتا ہے۔ جس طرح جسم کپڑے کا تابع ہے اسی طرح الفاظ معانی کے تابع ہیں صاحب بلاغت کو الفاظ سے زیادہ معانی کے اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔''

اگرچہ یہ بھی اپنی جگہ بالکل درست ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ قصیدے میں الفاظ کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ممدوح کے اوصاف کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں عبدالسلام صاحب ندوی لکھتے ہیں۔

''قصیدے کے متعلق عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس کے الفاظ متین جذیل باوقار اور شاندار ہونے چاہئیں جس کی وجہ یہ ہے کہ قصائد میں جس قسم کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں یعنی عدل شجاعت عفت اور سخاوت وغیرہ ان میں خود یہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کا اثر الفاظ پر بھی پڑتا ہے اور خود بخود شاندار الفاظ میں ادا ہوتے ہیں۔''

لیکن اس کے ساتھ معانی بھی ضروری ہیں یہ نہیں کہ شاعر شوکت لفظی میں ایسا گم ہو جائے کہ اس کو معانی کی ذرا بھی خبر نہ رہے۔ معانی کی سب سے بہتر صورت علامہ قلقشندی کے نزدیک مستقیم حسن ہے یہ صورت وہ ہے جو اپنی صحت پر خود دلالت کرتی ہے اس اعتبار سے بھی محسنؔ کا یہ قصیدہ پورا کا پورا مستقیم حسن کی مثال میں لکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً

جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ   کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل
قبض ترطیب ہوانے یہ دکھائی تاثیر   زر محلول ہے اخگر تو کھرل ہے مہمل
بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیوں   وہ اندھیرا ہے کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل
رفع ہونے کا نہ تھا وحدت و کثرت کا خلاف   میم احمد ﷺ نے کیا آکے یہ قصہ فیصل

لفظی و معنوی خوبیوں میں تشبیہات و استعارات اور صنائع بدائع کو بھی بڑا دخل ہے' ان چیزوں سے بھی شعر میں معنوی شان اور کیفیات کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قدما اور متوسطین کے کلام میں اس قسم کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ محسنؔ کاکوروی اس فن سے بحسن و خوبی واقف ہیں اسی وجہ سے ان کے قصیدے میں تشبیہات و استعارات کی خوبی اور صنائع بدائع کا التزام بھی پایا جاتا ہے۔ یہ چیزیں درحقیقت کلام کا زیور ہیں جس طور زیور حسن کو نکھارتا ہے اسی طرح یہ چیزیں بھی شعری حسن کے نکھار میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں لیکن اس میں سب سے بڑی شرط سلیقہ ہے اگر سلیقہ نہ ہوگا تو شعر بدصورت ہو جائے گا محسنؔ کاکوروی نے بڑے سلیقہ سے ان چیزوں کا اہتمام رکھا ہے خصوصاً تشبیہات میں ان کا کلام بہت ہی نادر ہے۔ اگر تمام اردو شاعری کو سامنے رکھ کر ان کے کلام کی تشبیہات کا جائزہ لیا جائے تو ایسی تشبیہات نکلیں گی جو اردو شاعری میں باوجود تلاش کے کم ہی ملیں گی۔ مثلاً

کبھی ڈوبی کبھی اُچھلی مہ نو کی کشتی   بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل
آتش گل کا دھواں بام فلک تک پہنچا   جم گیا منزل خورشید کی چھت میں کاجل
جس طرف سے گئی بجلی پھر ادھر آ نہ سکی   قلعہ چرخ میں ہے بھول بھلیاں بادل
صاف آمادۂ پرواز ہے شاماں کی طرح   پر لگائے ہوئے مژگانِ صنم سے کاجل
چشمہ مہر ہے عکس زرگل سے دریا   پرتوِ برق سے سونے کا ہے بجرا بادل

محسن کاکوروی کے اس قصیدہ میں بالکل اسی انداز سے صنائع معنوی وصنائع لفظی کا بھی حسین امتزاج پایا جاتا ہے جس سے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صنائع بدائع سے واقف تھے۔ انہوں نے نہایت ہی لطیف پیرائے میں صنعت تلمیح، صنعت حسن التعلیل، صنعت تنسیق الصفات وغیرہ نظم کی ہیں۔

ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل (تلمیح)
دیکھیے ہوگا سری کشن کا کیوں کر درشن — سینہ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل (تلمیح)
شب اسریٰ میں تجلی سے رخ انور کی — پڑ گئی گردن رفرف میں سنہری ہیکل (تلمیح)
شانہ حضرت کا ہے تشدید دولام واللیل — صاد مازاغ بصر سرمہ چشم اکحل (تلمیح)
دور پہنچی لب جاں بخش نبی ﷺ کی شہرت — سن ذرا کہتے ہیں کیا حضرت عیسیٰ بادل (تلمیح)

....

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے — برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل (حسن التعلیل)

برسات میں بادل گرجنا قدرتی امر ہے لیکن یہاں شاعر نے اپنے طرف سے ایک علت یہ بیان کی ہے کہ اندھیرا گھپ ہونے کی وجہ سے رعد برق سے مشعل مانگتا ہے۔

دیکھتے دیکھتے بڑھ جاتی ہے گلشن کی بہار — دیدۂ نرگس شہلا کو نہ سمجھو احول (حسن التعلیل)

صنعت تنسیق الصفات اس صنعت کو کہتے ہیں جس میں شاعر ممدوح کے کئی اوصاف متواتر بیان کرے چنانچہ ذوق کے قصائد میں بھی بہت اشعار اسی قسم کے ملتے ہیں۔ مثلاً

وہ نکو خوئے نکو روئے خجستہ منظر — وہ بلند اختر وفرخ روش وفرخ فال
وہ مسیحا دم ویوسف رخ و داؤد الحان — وسلیماں وش وموسیٰ کف وصالح اعمال

محسن کاکوروی نے بھی اس قصیدہ میں کئی اشعار اسی صنعت میں کہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:۔

نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر — نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر — بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو — شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول
مرجع روح امیں زیب دہ عرش بریں — حامی دین متیں ناسخ ادیان وملل

حقیقت یہ ہے کہ محسن کاکوروی علیہ الرحمۃ کا یہ نعتیہ قصیدہ اردو قصائد میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے خصوصاً اس قصیدے کی تشبیب کو سودا اور ذوق جیسے باکمال شعراء بھی نہیں پہنچے۔ انہوں نے اپنی تمام فنکارانہ صلاحیتوں کو اس قصیدے میں صرف کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وخلوص کی انتہا کردی جس کی وجہ سے اس قصیدہ کا مقام اتنا بلند ہوگیا۔ مجموعی طور پر مضامین کی بلندی، الفاظ کی شان وشوکت، بندش کی چستی، تشبیہات واستعارات کی رنگینی اور تلمیحات کا عنصر اس قدر رچا ہوا ہے کہ ان کے معاصر شعراء عاجز ہیں اور یہی سب چیزیں ان کے باکمال شاعر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

حکیم عبدالقوی دریابادی

حضرت محسن کاکوروی کا نعتیہ کلام

مولوی محمد محسن المتخلص بہ محسن کاکوروی نعت گو شعراء میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ اہل نظر نے انہیں حسان الہند کا لقب دیا تھا جو ان پر پوری طرح صادق آتا ہے بچپن ہی میں ان کا رجحان نعت گوئی کی طرف تھا اور ایک رویائے معتبر نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ شروع ہی زمانہ کا ان کا شعر آگے چل کر ان کے حق میں "قال نہیں حال" ثابت ہوکر رہا۔

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعتیں محسن
کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لئے

یوں تو وہ جملہ اصناف سخن پر قادر تھے اور ہر رنگ کے اشعار آبدار ان کے مجموعہ کلام میں نظر آتے ہیں لیکن انہیں اصل شہرت نعتیہ کلام ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی اور یہ کہنا ذرا بھی داخل مبالغہ نہ ہوگا کہ اردو ادب کا ذوق رکھنے والوں اور اس کی نظم کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے جب بھی حضرت محسن کا نام لیا جاتا ہے ذہن فوراً ان کی نعتیہ شاعری کی طرف منعطف ہوجاتا ہے اور انہیں سب سے زیادہ شہرت اس صنف سخن میں مشہور ومعروف اور اپنے رنگ میں بے نظیر وبے عدیل قصیدہ سے ہوئی جس کا مطلع یہ ہے کہ۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

یہ قصیدہ اب تک مقبول چلا آرہا ہے اور متعدد معاصر شعراء نے اس پر تضمین لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے لیکن ان تضمینوں اور اصل قصیدہ ہی کو دیکھ کر الفضل للمتقدم کی ضرب المثل کی صداقت کو ماننا پڑتا ہے۔

ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ کلیات نعت مولوی محمد محسن کے نام سے چھوٹی تقطیع پر اول 1334ھ میں مرحوم کے خلف الصدق مولوی محمد نورالحسن ایڈووکیٹ ومولف نوراللغات (اردو کی جامع ترین ضخیم ومستند لغت) کا مرتبہ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ سے شائع ہوا تھا اور اب بالکل نایاب ہوچکا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا نیا ایڈیشن اعلیٰ کاغذ پر حسن طباعت کے اہتمام کے ساتھ شائع کیا جائے۔

اس مجموعہ میں اس بلند پایہ شاعر کے قصائد مثنویاں، مسدس، غزلیں، رباعیاں اور قطعات تاریخ جمع کیے گئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہر صنف سخن پر قدرت رکھتے تھے گو ان کے قصائد اور مثنویوں کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔

ان کا پہلا قصیدہ گلدستہ کلام رحمت کے عنوان سے 1298ھ کا کہا ہوا جس وقت شاعر کی عمر مشکل سے 16 سال کی ہوگی اس کا مطلع حسب ذیل ہے۔

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن
غنچے ہے نام خدا نافہ آ ہوئے ختن

دوسری نظم اس مجموعہ میں سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور 1266ھ کو کہی ہوگی اس کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

تو ہے داؤدؑ و نغم تو ہے سلیماں خاتم — فکر یحییٰؑ ہے تو ذکر زکریا ہر دم
خلت خاص خلیل و برکاست آدم — شکر یعقوبی و صبر دل ایوب بہم
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس نظم کا ایک اور شعر۔

پردۂ کعبہ ہے گیسوئے حبیب یزداں
اور محراب حرم کا ہے اس ابرو پہ گماں

ان کی نعتیہ مثنویوں میں صبح تجلی (1289ھ) اپنی روانی اعلیٰ و برمحل تلمیحات و برجستہ تشبیہات کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں چند شعر اس کے ملاحظہ ہوں۔

بیضاویٔ صبح کا بیاں ہے — تفسیر کتاب آسماں ہے
ہے خاتمہ شب دل افروز — دیباچہ نگار نسخہ روز
آثار سحر ہوئے نمایاں — سیپارہ لئے ہوئے ہے دوراں
واللیل کو ختم کر چکا ہے — آمادۂ دور والضحیٰ ہے
عنوان فلک ہے در منثور — لوح زریں سورۂ نور
اطراف بیاض مطلع صاف — والفجر کے حاشیہ پہ کشاف
مضمون طلوع صبح صادق — مشہور روایت مشارق
موقوف حدیث شب کی تصحیح — رکھ دیجئے طاق پر مصابیح

ایک اور مثنوی 1289ھ کی کہی ہوئی نغان محسن بھی شامل کلیات ہے۔ اس کا موضوع نعت نہیں ہے اور آخر کے تین شعروں میں یہ مضمون ضمناً آ گیا ہے۔

صفحہ 154 سے ان کی مشہور ترین اور ان کے نام وکلام کا جاودانی سنانے بنانے والا قصیدہ مدیح خیر المرسلین (1294ھ) یہ ایک تمہید کے ساتھ درج ہے اس تمہید میں قصیدہ کی تشبیب پر جو اعتراضات وارد کئے گئے تھے اس کا جواب نامور شاعر اور استاد سخن حضرت امیر مینائی کے محققانہ قلم سے ہے اور خود شاعر کے وہ اشعار درج ہیں جن پر انہوں نے معترضین کے جواب میں لکھے تھے۔ دو شعر ملاحظہ ہوں۔

غلبہ و سطوت ظلمت کے بیاں میں مضمر

شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل
کفر و ظلمت کو کہا کسنے کہ ہے دین خدا
نے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل

اس قصیدہ غرا کا مطلع اوپر درج ہو چکا ہے بعد کے چند اشعار جو نفس مضمون اور جدت وندرت تشبیہ میں اپنی مثال آپ ہیں ملاحظہ کرتے چلئے۔

گھر میں اشنان کریں سروقدان گوکل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ — کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات وہبل
دہر کا تر سا بچہ ہے برق لیے جل میں آگ — ابر چوٹی کا برہمن ہے لیے آگ میں جل
ابر پنجاب تلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم — برق بنگالہ ہے ظلمت میں گورنر جنرل
ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل
جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں — لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل
دل بیتاب کی اوتی سی چمک ہے بجلی — چشم پر آب کا ہے ایک کرشمہ بادل
باغ تنزیہ میں سرسبز نہال تشبیہ — انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کونپل
گل خوشرنگ رسولؐ مدنی العربی — زیب دامان ابدطرۂ دستار ازل
شانہ حضرت کا ہے تشدید دو لام واللیل — صاد مازاغ بصر سرمۂ چشم اکحل

اب چراغ کعبہ (1301ھ) کو ضوفشاں کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

ہے نام خدا سواد تحریر — واللیل دوا مسیحی کی تفسیر
دریائے رواں ہے در نظم آج — یہ بحر خفیف بحر مواج
خلوت گہہ دل ارم سرشتہ — پرواز طبیعت اک فرشتہ
ہر گو ہر قلزم تکلم — سیارۂ آسمان ہفتم
مضمون کو ہے ازدیاد کا شوق — مصرع کو ہے مستزاد کا شوق
واللیل کی زینت حواشی — تفسیر کبیر کہکشاں کی
ظلمت میں ہے نور کی تجلی — بکھری ہوئی طور کی ہے چوٹی

اس کے بعد کا عنوان شفاعت ونجات (1211ھ) کا مطلع اور چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ذرا عشق ادھر دیکھے بھالے ہوئے — قدم او ستمگر سنبھالے ہوئے
نہ چلنا کہیں وہ قیامت کی چال — کہ لاشے شہیدوں کی ہوں پائمال

صفحہ 260 پر ایک والہانہ نعت کا آغاز ہوا ہے اس کے چند وجد آور اشعار پڑھ کر ہدیہ درود پیش کیجئے۔

سرکار ہاشم ہیں سردار جیش   چراغ رہ دو دمان قریش
وہ دیباچہ گلستان وجود   کہ جس پر ہے بلبل کا طغرا ورود
وہ کامل کہ جس پر فدا شان بدر   نثار اس پہ روح شہیدان بدر
لیے ہاتھ وسعت کا فیض عمیم   کیے عہد رافت کا خلق عظیم
وہ عارف کو تھی جس کی خلوت سرا   مقام الی ایک المنتہیٰ
کیا سجدۂ شکر باصد نیاز   مصلی پر اس کے جو پہنچی نیاز
عرب اور عجم سب کی زینت ہیں آپ   ولایت کا تاج کرامت ہیں آپ

نظم شفاف مکرر کے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ مے جس کا میخانہ خلد بریں   وہ مے جو کہیں اور ملتی نہیں
جسے لائے گاتی ہوئی حورعین   لطاف علیہم لکاس معین
شفیق جہاں احمد مجتبیٰ   شفیع الوریٰ خاتم الانبیاء
ثناء اس صفت کی کہ بے مثل وطاق   نہ ثانی ہے جس کا روا اشتقاق
مناجات وہ کی کہ روحی فدا   وہ توصیف بے حد کہ صل علیٰ

سی نظم میں نعت رسول کے ساتھ مدح صحابہ ومنقبت خلفاء راشدین بھی پڑھ لیجئے۔

ابوبکرؓ لاثانی روزگار   کہ تھا ثانی اثنین یاران غار
عمرؓ نام و ناموس نام آوری   معمائے اسرار پیغمبری
سخاجلوۂ عثمانؓ عالی مقام   انیس پیمبر علیہ السلام
علیؓ شیر یزداں و عالی وقار   یداللہ اور قبضہ میں ذوالفقار

نعتیہ رباعیوں کی چند پرکیف رباعیاں ملاحظہ فرمائیے۔

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے   عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے
کہہ دو کہ ملک گوش برآواز رہیں   مداح پیمبرؐ کی زباں کھلتی ہے

کیوں حشر میں انتشار بیجد ہوگا   سر پر مرے دامان محمدؐ ہوگا
انھوں گا لحد سے جب میں انشاء اللہ   دل میں احد اور زباں پر احمدؐ ہوگا

لے حب نبی کی مرے سینے میں رہے   اس کا ہی خیال مرنے جینے میں رہے
جب بند ہو آواز مرا دم ٹوٹے   آہنگ حجاز ہو مدینے میں رہے

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

محسنؔ کی نعتیہ مثنویاں

اردو کی جملہ اصناف سخن میں مثنوی اپنا ایک منفرد اور یکتا مقام رکھتی ہے قصیدہ کی شان و شکوہ، مرثیہ کا رنج و غم غزل کا سوز و گداز اور رنگینی سبھی کچھ مثنوی میں پایا جاتا ہے اردو کی ہر صنف سخن کسی خاص موضوع یا مقصد کے لئے وقف سی ہو کر رہ گئی ہے...... مگر بقول حالیؔ۔

"جہاں تک مثنوی کا تعلق ہے اس میں آپ حسن و عشق کی داستانیں بیان کیجئے یا جذبات نگاری اور واقعات نگاری کے لئے مثنوی کو کام میں لایئے، محبوب سے التفات کی باتیں کیجئے، محبوب کی فرقت میں آہ و زاری وصل و فراق، جام و مینا، سوز و گداز سب ہی کچھ ہم کو مثنوی میں ملے گا۔ ان ہی خصوصیات کی بناء پر اردو مثنوی اردو کی جملہ اصناف سخن پر فوقیت حاصل کیے ہوئے ہے۔"

اردو میں سب سے پہلے ابتدائی نظمیں مختصر مثنویوں کی شکل میں ملتی ہیں۔ اردو میں مضامین نعت بھی مثنوی ہی میں بیان کیے جاتے رہے ہیں۔

نظامیؔ کی مثنوی "کدم راؤ پدم" ملا وجہی کی مثنوی "قطب مشتریؔ" نصرتیؔ کی مثنوی "گلشن عشق" وغیرہ میں نعت کے خوب صورت اور پر اثر مضامین موجود ہیں۔

مختارؔ کا معراج نامہ بھی مثنوی میں ہے۔ غرضیکہ قدیم اردو نعت گویوں نے زیادہ تر مثنوی ہی میں نعتیں لکھی ہیں۔

دور متوسطین کے شعراء کے ہاں البتہ مثنوی میں شاذ و نادر ہی نعتیں ملتی ہیں۔

محمد محسنؔ کاکوروی کا شمار دور متاخرین کے شعراء میں ہوتا ہے ان کی زیادہ تر نعتیں مثنوی ہی کی صنف میں ہیں۔

کلیات محسنؔ میں تیرہ مثنویاں شامل ہیں۔

1۔ مثنوی "نعت منبع الطاف احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم 1311ھ:-

اس مثنوی کا نام تاریخی ہے۔ بحساب ابجد اس کے عدد 1311 بنتے ہیں اور 1311ھ ہی میں اس کا سن تصنیف ہے۔ یہ 41 اشعار پر مشتمل ہے مثنوی کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:-

سنبھل کر ذرا خامۂ تیز دم   ادب سے ٹھہرتا ہوا ہر قدم

ابتداء میں محسنؔ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رقم کرنے کا بیان کرتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

سر شکر سے سینکڑوں کر سجود — ہر اک سجدے میں پڑھ ہزاروں درود
وہ لکھ جس کو فرمائیں روح الامیں — کہ پڑھ چل کے پیش سخن آفریں

اس مثنوی میں محسنؔ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت، تقدیس وعظمت، علم وحکمت، شجاعت، سخاوت وغیرہ کا ذکر بہت ہی خوب صورت اور بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا ہے۔

وہ دیباچۂ گلستان وجود — کہ جس پر ہے بلبل کا طغرا درود
کہے دیکھ کر صورت بے مثال — ہر آئینہ حیرت سے یا ذوالجلال
وہ عالم کہ دانائے سر قدم — وہ امی کہ ہمراز لوح وقلم
بحار قدم کا در شاہوار — گلستان قدرت کی صبح بہار
سخاوت کا منصب شجاعت کیساتھ — عبادت کا میداں ریاضت کیساتھ
وہ عارف کہ تھی جس کی خلوت سرا — مقام الی ربک المنتہیٰ

معراج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بھی چند اشعار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رضا دراصل رضائے الٰہی ہے اور اس سے حضور ﷺ کی محبوبیت کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ یہ شعر دیکھئے۔

رضا اس کی عین رضائے خدا — شفاعت ہے شرط اور غفران جزا

اس مثنوی میں محسنؔ نے نبی امی علیہ السلام کی دعوت وہدایت اور اختیارات وتصرفات کا بھی شاعرانہ اور والہانہ بیان کیا ہے۔ زیر نظر مثنوی جذبات نگاری کا اچھا نمونہ ہے۔ محسنؔ کی ضائع اور رعایت لفظی کے جلوے اس مثنوی میں بھی موجود ہیں۔ کئی فارسی اشعار بھی اس میں شامل ہیں۔

2۔ مثنوی ''طلب دعائے خیر نفوس قدسیہ'' 1311ھ:۔

اس مثنوی کا عنوان بھی تاریخی ہے۔ سن تصنیف 1311ھ ہے۔ یہ مثنوی 55 اشعار پر مشتمل ہے۔ مثنوی کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

کدھر ہے تو اے ساقی آہ سرد — ترا دور اور آگ کا ہے درد
لگا دے کوئی برف کی آج کل — کہ گرمی بہت پڑتی ہے آج کل
ملا درد شیریں واشک رواں — یہ شربت بنا کر جما قلفیاں
گھڑے بھر کے آب عرق کے چھڑک — کہ یہ دشت ہو جائے ٹھنڈی سڑک
چلیں پیشواؤں سے اپنے ملیں — گھڑی بھر میں سب طے کریں منزلیں

زیر نظر مثنوی میں یوم حشر کا بیان کیا گیا ہے محسنؔ یوم حشر کا منظر اس طرح پیش کرتے ہیں۔

کہیں کچھ زباں سے یہ طاقت کہاں — اشاروں سے ظاہر یہ طرز بیاں

کہ تن پر نہ کپڑا نہ منہ پر نقاب — سوا نیزے پر آ گیا آفتاب
چلے آتے ہیں دم بہ دم غش پہ غش — زباں پر ہے الجوع یا
پھنچے میں موج ہوا میں نہاں — برستی ہیں سیماب کی گولیاں

حشر کے روز ہر کوئی نفسی نفسی میں مبتلا ہوگا۔ مسلمان اپنی شفاعت کے لئے سب سے پہلے انسانوں کے جد امجد اور مسجود ملائک حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے مگر وہ اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہیں فرمائیں گے۔ "اذ ہبوا الی غیری" یعنی کسی اور کے پاس جاؤ۔ اس کے بعد مسلمان ایک ایک کر کے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہم السلام تک تمام انبیاء ومرسلین کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور ہر جگہ سے ایک ہی جواب ملے گا۔ "اذہبوا الی غیری" اس کی منظر کشی بھی محسنؔ نے بہت خوبصورتی سے کی ہے۔

مجھے سخت ہے اضطرار و ہراس — مگر تم کرو نوح سے التماس
وہاں سے ملا صاف سیدھا جواب — کہ شرمندگی سے ہوں میں آب آب
جو کی میں نے وقت نزول قضا — پسر کی شفاعت خلاف رضا
تمہیں چاہیے جا کہ پیش خلیل — کرو خواہش رحم رب جلیل
وہ بولے کہ پیش جہاں آفریں — نہیں مجھ کو کہنے کی طاقت نہیں

مسلمان حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور وہ اس طرح جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

مری طبع کو ہے بڑا انتشار — مرا قلب ہے [illegible]
مگر تم اٹھاؤ نہ حرماں کا غم — تمہارے لئے بس ہے عیسیٰ کا دم

آخر میں محسنؔ حضرت مسیح علیہ السلام کا جواب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

سمجھ کر کہ مشکل ہے یہ ماجرا — مسیحا ہوئے اس طرح رہنما
کہ لو دامن شاہ اقلیم دیں — مخاطب بہ یا شفیع المذنبیں
کلید در گہ کبریا — حبیب خدا اشرف انبیاء
محمد کہ شان خدا شان او — جحیم و جناں زیر فرمان او

یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی باب شفاعت وا کریں گے جب مسلمان تمام نبیوں اور رسولوں کی بارگاہوں سے مایوس لوٹ کر سب سے آخر میں شافع یوم النشور کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوں گے تو وہ فرمائیں گے۔

"انا لہا" میں تمہاری شفاعت کے لئے ہوں۔

گو یہ مثنوی خالص نعتیہ نہیں کہی جا سکتی مگر چونکہ اس کے مرکزی کردار حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور تمام انبیاء ومرسلین پر ان کی فضیلت وبرتری دکھائی گئی ہے لہٰذا اسے بھی محسنؔ کی نعتیہ مثنویوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

زیرِنظر مثنوی میں محسنؔ نے مکالمہ نگاری کا بھی اچھا انداز پیش کیا ہے۔

3۔مثنوی حشرِ وحشت افزا 1311ھ:۔

اس مثنوی کا عنوان بھی تاریخی ہے۔سن تصنیف 1311 ہے۔اشعار کی تعداد 39 ہے۔
مثنوی کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

پلا میرے یوسف لقا ایک جام
نہیں اب تو قید حلال و حرام
وہ مے جس کی تیزی کو شیشے سے لاگ
اڑائے پھرے جس کی بوتل کو کاگ
وہ مہ کہ جو بھرتی ہو عیسیٰ کا دم
کرے از سرِ نو رواں جامِ جم
ہر اک مست خوابیدہ بیدار ہو
وہی گرم ہو حق کا بازار ہو
ہوا پھر تقاضائے شانِ شہود
کہ ملکِ عدم سے پھر آئے وجود

بعد قیامت جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو خدا کے حکم سے مخلوق پھر زندہ ہو جائے گی۔محسنؔ قرآن وحدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

مکرر ہوئی نغمہ سنجِ ظہور
نیستانِ قدرت کی نے یعنی صور
فضائے عدم میں وہ لے چھا گئی
کہ قالب میں مردوں کے جان آ گئی
نہ سوجھا زمانے کا کیا ہے چلن
ہوا چشمِ مردم میں جالا کفن
نکل آئے عریاں نئے روپ میں
چلے اٹھ کے تہہ خانے سے دھوپ میں

میدان محشر میں مرد وعورت عریاں حالت میں ہوں گے لیکن نفسی نفسی کے عالم میں کسی کو کسی دوسرے کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا۔محسنؔ نے یہ شعر

نکل آئے عریاں نئے روپ میں
چلے اٹھ کہ تہہ خانے سے دھوپ میں

کہہ کر مردوں کو قبر سے اٹھائے جانے کا بڑا اچھا نقشہ کھینچا ہے۔
قبر کو تہہ خانہ اور میدان محشر کو دھوپ کہنے میں بڑی ندرت ہے۔آخر میں محسنؔ شفاعت کا بیان کرتے ہیں۔
مسلمان جب سارے انبیاء سے مایوس ہو جائیں گے تو آخر میں شفاعت کے لئے حضور شفیع المذنبین علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے حضور علیہ السلام ہی باب شفاعت ادا کریں گے اور گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔
محسنؔ نے مثنوی کے آخر میں چند اشعار میں حشر کے دن کی نفسی نفسی کا بہت ہی خوبصورت نقشہ کھینچا ہے اور ضائع کا سہارا لے کر منظر میں جان ڈال دی ہے۔

نہیں اب کسی کو برادر عزیز
کبھی تھا جو یوسف سے بڑھ کر عزیز
محبت ہوئی قیس سے نا امید
لہو ہو گیا کوہکن کا سفید
ہے سبزہ کو گلشن سے بیگانگی
پریشاں ہے جنگل میں دیوانگی

یہ بے الفتی ہے خدا کی پناہ
کہ کعبہ بھی قبلہ کی بھولا ہے راہ
نہ پہنچی نہ پہنچے گی بے بال و پر
زباں تک دعا اور دعا تک اثر

آخری دو شعروں میں یہ کہہ کر بات پوری کر دیتے ہیں اور اس طرح حضور ﷺ کی شفاعت کی اہمیت و عظمت ظاہر کر دیتے ہیں۔

چلیں سوئے شاہانِ عالی جناب
پرو بال ذروں کا ہے آفتاب
سفارش کے ان سے طلب گار ہیں
جو وہ کشتی کھینچیں تو ہم پار ہیں

زیرِنظر مثنوی کے مرکزی کردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور اس طرح باوجود مکمل نعتیہ مثنوی نہ ہونے کے بھی اسے محسنؔ کی نعتیہ مثنویوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

4۔مثنوی' شفاعت ونجات 1311ھ:۔

یہ مثنوی 1311ھ میں لکھی گئی۔اس کا دوسرا نام ''اسرار معانی درد عشق'' ہے۔دونوں نام تاریخی ہیں۔ بحساب ابجد دونوں کے اعداد 1311 بنتے ہیں۔یہ مثنوی 42 اشعار پر مشتمل ہے۔اس میں عشق کو خطاب کیا گیا ہے اور اس کی فطرت بیان کی گئی ہے۔

ذرا عشق ادھر دیکھے بھالے ہوئے
قدم اے ستم گر سنبھالے ہوئے
نہ چلنا کہیں وہ قیامت کی چال
کہ لاشے شہیدوں کے ہوں پائمال
جفا تیری چتون میں اے بے وفا
سروہی کے قبضے میں دستِ قضا

نارِ نمرود میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ڈالا جانا' دریائے نیل میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا فرعون سے نبرد آزمائی کرنا' یوسف علیہ السلام کا زندان میں قید ہونا نیز بیماریٔ ایوبؑ' نابینائی یعقوبؑ اور صلیب عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ سب عشق ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں۔
دراصل یہ عشق عشقِ حقیقی ہے۔حضرت محسنؔ نبیوں کے اس عشق اور رضائے خداوندی میں ان کے بلاؤں میں گھر جانے اور بے خوف وخطر ان سے ٹکرا جانے کی داستان حقیقت بہت ہی حسین انداز میں پیش کرتے ہیں۔

کہیں تو ہے آتش کہیں رود نیل
بچیں یاالٰہی کلیمؑ و خلیلؑ
کیا تیرے زنداں نے یوسفؑ کو بند
ہوئے تیرے مقتل کو عیسیٰؑ پسند
نمک تیرا زخموں میں ایوبؑ کے
کھٹک تیری دیدوں میں یعقوبؑ کے

زیرِنظر مثنوی میں شروع سے آخر تک عشق ہی سے خطاب ہے اور اسی کا سراپا بیان کیا گیا ہے۔مندرجہ ذیل اشعار میں عشق کی کیسی عمدہ اور سچی تصویر کشی کی ہے۔

کمر تیری ہوتی تو کہتے بشر
بکہ ڈوبا ہے تو خون میں تا کمر
کھنچی تیرے قامت کی تصویر ہے
کشش کیا قیامت کی تصویر ہے

اخیر میں محسن اپنے شوق و اضطراب کا اظہار بہت ہی والہانہ انداز میں کرتے ہیں اور جلسہ محشر دیکھنے کی تمنا کرتے ہیں کہ اس روز محبوب خدا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو محسن کے آقا و حبیب اور شافع محشر ہیں۔ کا دیدار ہوجائے لہٰذا عشق کی اسی تکمیل کی آرزو کرتے ہیں۔

خدا کے لئے اک نئی چال چل
دکھا آج ہی جو کہ دیکھیں گے کل

نظر آئے مستقبل و ہر حال
ہو امروز آئینہ فردا مثال

نہ ہو خیرہ حیرت سے چشم یقیں
دکھا کوئی نزدیک ہیں دور ہیں

سخن کو ہے محشر کا جلسہ پسند
کہ ہے مصرعہ طرح قد بلند

تلمیحات کا اچھا استعمال ہے بیان میں روانی ہے۔

عشق کے حوالے سے اس مثنوی میں نعت کا عنصر ضرور موجود ہے اسے اخلاقی و مذہبی مثنوی کے ضمن میں رکھا جاسکتا ہے لیکن حضور نبی کریم ﷺ عشق کے حوالے سے محسن کی اس مثنوی کا جائزہ نعتیہ مثنویوں کے زمرے میں شامل کرلیا گیا ہے۔

5۔مثنوی۔"شفاعت شفیع" 1311ھ:۔

اس مثنوی کا نام بھی تاریخی ہے۔ سال تصنیف 1311ھ ہے۔ اشعار کی تعداد بانوے ہے۔ بانوے گنتی "محمد ﷺ" کے حروف کی تعداد ہے جو بحساب ابجد جو اسی سے بنتے ہیں۔ یہاں بانوے اشعار میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بیان فرما کر حضرت محسن نے "عظمت محمد ﷺ" ظاہر کی ہے اور اس طرح ان سے اپنی محبت و عقیدت کا بے پایاں اظہار کیا ہے۔

مثنوی کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

خبر لے ذرا ساقی مست ناز
کہ بے کیف بے خود ہیں اہل نیاز

نہ پکے کہ از مادر دوش برد
پیام و سلامے بزدوش برد

تجسس میں کس گل کے ہے بے قرار
ذرا سنئے تو نالہائے ہزار

ہوا ہے نمک پاش زخم جگر
یہ ہے شور کو کوئے قمری کدھر

پپیہے نے لیں دل میں سو چٹکیاں
کہاں بولتا ہے سکھی پی کہاں

فطرت کی عکاسی اور اچھی منظر کشی کی گئی ہے۔

روز محشر ہر نبی شفاعت سے انکار کردے گا کہ یہ منصب صرف نبی امی سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس دن حضور علیہ السلام کی شان محبوبیت کا اظہار ہوگا جب خدائے جبار و قہار اپنے حبیب لبیب کی سفارش قبول فرمائے گا اور گناہ گاروں پر رحم و کرم فرمائے گا۔ محسن کہنا چاہتے ہیں کہ فنا و بقاء، شور نشور، آدمؑ تا عیسیٰؑ ہر نبی کی عظمت صرف پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل ہے اور اس دن بزرگان الٰہی کو نہ تو ابراہیم خلیلؑ کے خوان نعمت

سے کچھ حصہ ملے گا نہ ان کی شفا دار الشفائے مسیح علیہ السلام سے ہوسکے گی۔ حضرت نوحؑ بھی ان کی کشتی کو پار نہیں لگا سکیں گے اور گھوم پھر کر ہر کوئی نجات و آسودگی کی خاطر در شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی حاضر ہوگا اور وہیں سے سب کو مرادیں حاصل ہوں گی۔

مقیمان مہماں سرائے خلیلؑ
ترے خوان نعمت پہ ابن السبیل

مریضان دار الشفائے مسیحؑ
ہوئے لوٹ کر تیرے در پہ صحیح

اسی واسطے تھا یہ شور نشور
ظہور فنا و فنائے ظہور

کہ سب اگلے پچھلے برے اور بھلے
جنہوں نے نہ دیکھا ہو دیکھیں اسے

اسی دن مرا جشن موعود ہے
مقام محمد ﷺ ہے محمود ہے

قلم رو میں محشر کے نام خدا
چلے گا تو سکہ اسی نام کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم لواء حمد بلند فرمائیں گے گنہگاران امت کی شفاعت کی خاطر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے۔ اس کی ایسی حمد وثناء بیان فرمائیں گے جو آج تک کسی بندہ نے کی تھی نہ کرسکے گا۔ بالآخر خداوند قدوس تجلی فرمائے گا اور بوسیلہ محبوب مجرموں کو بری فرمائے گا۔

زمیں پر گری جب جبین مبیں
مٹی سب کی قسمت کی چین جبیں

دعا ایسی کی بعد حمد و ثناء
کہ الحمد آمین کہنے لگا

کیا عرش نے بار بار آفریں
ہزار آفریں صد ہزار آفریں

ترے ہاتھ ہے اپنی بگڑی بنی
ہیں محتاج سب تو کریم و غنی

کہاں جز ترے مجرموں کی پناہ
ترحم صفائی کا سچا گواہ

ہوا خلد کی لائے روح الامیں
کہ دامان محشر کی کلیاں کھلیں

چمن ہو گیا تختہ روز گار
ہوا دشت پر خار اک سبزہ زار

چھپی اس کے سایہ میں دھوپ آج کی
نہ تھا جس کی قامت میں سایہ کبھی

اس مثنوی میں قرآن واحادیث کے حوالے بھی ہیں یعنی اقتباسات اور ان کے ساتھ ساتھ تلمیحات بھی خوب ہیں۔ منظر نگاری کے علاوہ محاکات کے حسین جلوے بھی محسن نے دکھائے ہیں۔ مکالمہ نگاری بھی اچھی ہے۔ ضائع اور رعایت لفظی بھی خوب ہے۔ اس مثنوی میں محسن کے تخیل کی پرواز لائق دید ہے۔

6۔مثنوی۔شفاعت مکرر (1311ھ):۔

زیر نظر مثنوی کا عنوان بھی تاریخی ہے۔ سن تصنیف 1311ھ ہے۔ اشعار کی تعداد 109 ہے۔

مثنوی کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

چھپا تھا کدھر عالم پاک میں
میں تھا کب سے ساقی تری تاک میں

ترے مست پھر لڑکھڑانے لگے   وہی جھونکے غفلت کے آنے لگے
وہ مے جس کا میخانہ خلد بریں   وہ مے جو کہیں اور ملتی نہیں
وہ مے جس سے دوکان رضواں رچے   جسے بیچیں رضواں بنے مغبچے

اس مثنوی میں حضور رحمت عالم شفیع عاصیاں، امام مرسلاں حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار کی شفاعت کا بیان ہے۔

یوم حساب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا وہ بار بار اپنے رب کی حمد کریں گے اور اس کی بارگاہ میں سجدہ کریں گے اور رب عظیم سے اپنی گناہ گار امت کی سفارش کریں گے۔ اللہ عزوجل ہر بار ان کی سفارش قبول فرمائے گا اور گناہ گاروں کو بخشے گا۔ حضور علیہ السلام کے باب شفاعت وا فرمانے کے بعد انہیں کے طفیل ان کے چار یار یعنی صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ عثمان غنی اور مولا علی نیز صحابہ کرامؓ اہل بیت رضی اللہ عنہ اطہارؓ امت کے اولیاء وصلحاء اور علماء بھی شفاعت کریں گے۔ ان تمام باتوں کا بیان محسنؔ نے بہت ہی حقیقت پسندانہ اور شاعرانہ نیز والہانہ انداز میں کیا ہے۔

چند اشعار ملاحظہ کیجئے

شفیق جہاں احمد مجتبےٰ   شفیع الوریٰ خاتم الانبیاء

گرا سجدے میں باکمال ادب   سپاس وثنائے خدا زیر لب
کیا شوق دل سے وہ پیارا سجود   کہ تھا ورد سبحان ربی ورود
سند پیش کر سوف یعطیک کی
فترضیٰ کی ہے مہر جس پر لگی
جھکے پھر کئی بار پیش خدا   کئے یوں ہی پیہم سجود و دعا
یہاں تک کہ پوری تمنا ہوئی   نہ باقی رہی جنس بھی نوع کی
مسیحا تک آدم سے جو تھے رسول   ہوئے خضر مقصد براہِ وصول
ابوبکرؓ لاثانی روزگار   کہ تھا ثانی اثنین یارانِ غار
عمرؓ نام و ناموس نام آوری   معمائے اسرار پیغمبری
سخا جلوہ عثمانؓ عالی مقام   انیس پیمبر علیہ السلام
علیؓ شیر یزداں و عالی وقار   ید اللہ اور قبضہ میں ذوالفقار
حسنؔ خاتم خاتم المرسلیں   سیادت کا الماس زیر نگیں

یہ مثنوی تلمیحات اور قرآن واحادیث کے حوالوں نیز تشبیہات واستعارات وغیرہ سے مزین ہے۔
بارگاہ الٰہی میں حضور شافع محشر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عرض داشت کو محسنؔ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

کہاں ناتوانوں کی گرمی کی تاب   انہیں بخش دے کر کے ڈیوڑھا حساب
نہ دکھلا مجھے میرے رب غفور   میں ہوں پاس تیرے وہ ہوں مجھ سے دور

خداوند عالم اپنے حبیب لبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح فرماتا ہے۔

ہوا حکم .ناطق کہ اے درد مند   ہے رحمت کو تیری شفاعت پسند

شاعر اس کے بعد حضور علیہ السلام کی سجدہ ریزی کا بیان بھی بہت حسین طریقے سے کرتا ہے۔

اٹھے آپ بخشش کے لیکے برات   دی اک قسم کے عاصیوں کو نجات
جھکے پھر کئی بار پیش خدا   کئے یوں ہی پیہم سجود و دعا
یہاں تک کہ پوری تمنا ہوئی   نہ باقی رہی جنس بھی نوع کی

مکالمہ نگاری، محاکات آفرینی وغیرہ اس مثنوی میں بھی اپنی انفرادی شان کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

7۔ مثنوی۔ ''چشمداشت دعائے مقبول'' (انشاء اللہ) 1311ھ:۔

اس مثنوی کا عنوان بھی تاریخی ہے 1311ھ میں لکھی گئی 28 اشعار پر مشتمل ہے۔ ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

ادھر بھی ذرا ساقی گلعذار   ہزاروں سہی تیرے امیدوار
جو ہیں تیری چوکھٹ پہ مرزا و میر   یہ ناچیز ہے کس کے در کا فقیر
کوئی موج مجھ تک براہ ثواب   تو دریا ہے میں اک شکستہ حباب
چلے کشتی مے نہ میرے بغیر   مرے ناخدا تیرے بیڑے کی خیر
وہ مے دے کہ لیتا رہوں تیرا نام   وہ دے جو دلائے ترا فیض عام

زیر نظر مثنوی میں خدائے لم یزل کی رحیمی وکریمی اور اس کے حبیب لبیب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل دعا کے مقبول ہونے کا بیان ہے۔ مومنین ومومنات داخل بہشت ہوتے ہیں اور اس سبب سے جہنم کے گھر میں غمی چھا جاتی ہے۔ مومنین ومومنات کی تمام پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اس طرح غم روزگار جہنم رسید ہوتا ہے۔ اشعار دیکھئے۔

خوشی میں بھرے مومن و مومنات   احاطے میں رضواں کے اتری برات
جہنم کے گھر میں غمی ہو گئی   مرا غصہ آتش ستی ہو گئی
گیا اب جہنم میں وہ روزگار   کہ محشر تھا اک اک دم انتظار

اس مثنوی میں ہندی الفاظ اور فارسی تراکیب کی آمیزش عمدگی کے ساتھ کی گئی ہے تخیل کی بلندی، جذبات نگاری وغیرہ عروج پر ہیں۔ خالص نعت کے یہ شعر اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب ملاحظہ کیجئے۔

دلوں میں محبت کے راز و نیاز   زباں پر یہ آہنگ شوخ حجاز

شفیع، مطاع، نبی، کریم ﷺ   قسیم، جسیم، نسیم، وسیم ﷺ

محسن کو زبان و بیان پر پوری قدرت ہے اور اس مثنوی میں ان کی قدرت زبان و بیان کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

اب تک محسن کی جن مثنویوں کا ذکر کیا گیا وہ ادبی اور فنی اعتبار سے اس پائے کی نہیں ہیں کہ انہیں اردو کی قابل قدر مثنویوں کے زمرے میں شامل کیا جائے البتہ ان کی دو مثنویاں ''چراغ کعبہ'' اور ''صبح تجلی'' شاہکار مثنویاں ہیں۔ ان کا شمار نہ صرف اردو نعت کی معرکتہ الآ راء مثنویوں بلکہ اردو کی مشہور و معروف اور مستند و معتبر مثنویوں میں ہوتا ہے۔

8۔ مثنوی۔ صبح تجلی، حال ولادت اصبح اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (1289ھ):۔

447   842

زیر نظر مثنوی 1289ھ میں لکھی گئی۔ یہ 186 اشعار پر مشتمل ہے۔ دوسرے عنوان۔ ''حال ولادت اصبح اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' سے بحساب ابجد سن تصنیف 1289ھ نکلتا ہے۔ اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا بیان ہے۔

صبح کا سہانہ وقت ہے اور مولود کا موقع سعید اسی کی مناسبت سے مقدس فضا پیدا کی گئی ہے جو صرف شاعر کے فن کی ہی نہیں بلکہ اس کے حقیقی جذبات و احساسات کی بھی آئینہ دار ہے اور اس کے سبب ماحول اور بھی مقدس ہو گیا ہے۔

صبح کی پاکیزہ، منور اور معطر فضا کا منظر محسن اس طرح بیان کرتے ہیں۔

بیضاوی صبح کا بیاں ہے   تفسیر کتاب آسماں ہے
ہے خاتمہ شب دل افروز   دیباچہ نگار نسخہ رزو
آثار سحر ہوئے نمایاں   سیپارہ لئے ہوئے ہے دوراں
واللیل کو ختم کر چکا ہے   آمادۂ دور والضحیٰ ہے
عنوان فلک ہے در منثور   لوح زریں سورۂ نور
اطراف بیاض مطلع صاف   والفجر کے حاشیے پہ کشاف

ہر دشت ہے مثل دشت ایمن   ہر کوہ برنگ طور روشن
گردوں کے غلاف میں ہے پنہاں   مشکوٰۃ شریف مہر تاباں

محسن نے موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ بیضاوی، درمنثور، کشاف، تفاسیر قرآن کے نام ہیں۔ منشا یہ ہے کہ رات ختم ہوئی اور صبح صادق کے آثار ہیں۔ صنعت اقتباس کا بہت ہی خوبصورت استعمال کیا گیا

ہے۔ تشبیہات و استعارات بہت بلیغ ہیں۔ غضب کی منظر نگاری کی ہے۔

وقت صبح کی منظر کشی کا مزید جلوہ دیکھئے کیسی فطری منظر کشی کی ہے۔

سبزہ ہے کنار آب جو پر   یا خضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی   تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محو تکبیر فاختہ ہے   قد قامت سرو دلربا ہے
اک شاخ رکوع میں رکی ہے   اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات   جاری لب جو سے التحیات
کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے   اور آب رواں طواف میں ہے

سالک ہے چمن میں نہر موزوں   مجذوب ہے شاخ بید مجنوں
ہے صوفی صاف دل صنوبر   تحریک نسیم حالت آور
ابدال ہیں برگ و نخل و اوتاد   ہے نعم العبد سرو آزاد

ان اشعار میں جو سماں باندھا گیا ہے اس کی موضوع سے کتنی گہری مناسبت ہے۔ نہر کے کنارے اگے ہوئے سبزے کو مانند خضر وضو کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ قمریوں کی صدا کو اذان پکارنے سے تشبیہ دی گئی ہے فاختہ تکبیر میں محو ہے۔ سرو بھی حالت اقامت میں ہے۔ شجر و حجر اس پاکیزہ ماحول سے مسرور و شاداں محو تکبیر و درود ہیں۔ اس میں صنعت گری یہ ہے کہ شروع سے آخر تک نماز کے اجزاء بیان کئے گئے ہیں اور ترتیب وہی رکھی گئی ہے جو نماز کی ہوتی ہے یعنی اول وضو کرنا، پھر اذان دینا، تکبیر پڑھنا اور حکم قد وقامت کے بعد رکوع، سجود اور اس میں کلمات التحیات وغیرہ پڑھنا گویا سرکار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ہر بے جان و جان دار شے کے لب پر مناجات تھی۔

شریعت کی اس پابندی یعنی ادائیگی نماز کے بعد طریقت کا رخ پیش کرتے ہیں۔

نہر کو سالک، شاخ بید مجنوں کو مجذوب، صنوبر کو صوفی باصفا کہا ہے۔ بہت ہی نیچرل بیان اور تشبیہ پیش کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر دنیا کی ہر شے میں ایک نیا نکھار آ گیا تھا۔ بہشت بھی مانند عروس آراستہ کی گئی تھی۔ فرشتے اور انبیاء سابقین مبارکباد پیش کرتے ہوئے مرحبا کی صدا بلند کر رہے تھے۔

جناب محسن کیا ہی حسین نقشہ کھینچتے ہیں۔

خاکہ ہے زمیں میں آسماں کا   نقشہ ہے مکاں میں لامکاں کا
گویا اتر آئی ہے زمیں پر   مینا بازار چرخ اختر

نازل ہوئے عرش سے فرشتے
سب حی علی الفلاح کہتے

حاضر ہوئی روح پاک آدمؑ
دوراں نے کہا کہ خیر مقدم

رحمت کے لباس میں چپ وراس
شیثؑ و ادریسؑ، خضر و الیاسؑ

خاتم پہ لکھے ہوئے سلیماں
نقش تسخیر جن و انساں

کعبے میں خلیلؑ کا ہے جلوہ
بت کرنے لگے خدا کا سجدہ

اس کے بعد نبی کریم علیہ السلام کے خلفائے اربعین یعنی صدیق، فاروق، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے مختصر اوصاف شامل کئے ہیں۔

مہاجر وانصار کا بھی تذکرہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے موقع پر بہت سے معجزات رونما ہوئے۔ فارس کا آتش کدہ سرد ہو گیا ساوا خشک ہو گیا اور خشک ساوا بہنے لگا کسریٰ کے محل کے کنگرے گر گئے وغیرہ۔ ان سب کا بھی ذکر ہے۔ حضور جان نور علیہ السلام کی آمد آمد کا ذکر بہت ہی حسین اور حقیقت سے پُر انداز میں کرتے ہیں۔

نازل ہے زمیں پہ کبریائی
بندے کے لباس میں خدائی

اس وقت دیار میں عرب کے
مطلع سے تجلیات رب کے

برج شرف قریشیاں میں
اور ہاشمیوں کے خانداں میں

کعبے کی زمین نامور سے
اور عبدالمطلب کے گھر سے

اسلام کا آفتاب چمکا
بے پردہ و بے نقاب چمکا

اس مثنوی میں نعت خالص کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

پیدا ہوئے سرور دو عالم
پیدا ہوئے فخر نوحؑ و آدمؑ

محبوب خدا نبی مرسل
صبح دو مین روز اول

شاہنشہ انبیاء محمد ﷺ
تاج سر اصفیاء محمد ﷺ

پیدا ہوئے حضرت پیمبر
صبح قدرت کے سعد اکبر

پیدا ہوئے قبلۂ طریقت
پیدا ہوئے کعبۂ حقیقت

مقصود ازل اجل و اعلیٰ
منظور حضور حق تعالیٰ

سلطان فلک حشم محمد ﷺ
مہر عرب و عجم محمد ﷺ

محسنؔ کے ہر ہر لفظ سے جس والہانہ جذبہ کا اظہار ہو رہا ہے اس سے ان کے خلوص کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے نبی کریم علیہ السلام کے ذکر جمیل کے وقت شاعر کے تمام تر احساسات بیدار ہو جاتے ہیں اور اس کے ذہن و دل میں حقیقت محمدی ﷺ جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

تشبیہات کے ساتھ ساتھ استعارات بھی بہت حسین ولطیف ہیں اور ترکیب سازی کے جلوے بھی۔

''فخر نوحؑ و آدمؑ' سعد اکبر' قبلہ طریقت' کعبہ حقیقت' سلطان فلک حشم' مہر عرب و عجم وغیرہ۔''

تلمیحات کے درست اور برمحل استعمال نے شعر کو واقعیت کے لحاظ سے پر معنی بنا دیا ہے۔ اکثر تلمیحات قرآن واحادیث کے حوالوں سے بیان کی گئی ہیں جن کی صداقت مسلم ہے۔

مثنوی کا اختتام اس طرح ہوتا ہے۔

اعلیٰ اولیٰ اہم و اکبر
ہے ذکر ولادت پیمبر

محسنؔ بہت ہی چابک دستی اور خوبصورتی سے مختلف زبانوں کا استعمال کرتے ہیں اور اردو کے ساتھ انہیں اس طرح گوندھ دیتے ہیں کہ کسی نامانوسیت یا ثقالت کا احساس تک نہیں ہوتا۔

9۔ مثنوی۔ ''چراغ کعبہ'' 1301ھ:۔

اس مثنوی کا عنوان بھی تاریخی ہے اسے جناب محسنؔ نے 1301ھ میں تصنیف کیا۔ یہ کلیات محسنؔ کی سب سے طویل مثنوی ہے۔ اشعار کی تعداد 468 ہے۔ یہ مثنوی بھی ''گلزار نسیم'' کی بحر میں ہے۔ اس میں واقعہ معراج کو نظم کیا گیا ہے۔ ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

ہے نام خدا سواد تحریر
واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر

جاتا ہے کلیم آسماں تک
معراج سخن ہے لامکاں تک

خلوت گہ دل ارم سرشتہ
پرواز طبیعت اک فرشتہ

منظر نگاری مثنوی کا ایک اہم جزو ہے جس میں جزئیات وتفصیل سے کام لے کر ماحول کا ہو بہو نقشہ پیش کرنا اور حقیقی فضا پیدا کرنا کمال فنکاری ہے۔ اس میں تخیل کی رنگ آمیزی بھی ہوتی ہے اور تشبیہ واستعارے کی دلکشی بھی۔ جناب محسنؔ صنعت گری کا بیش بہا نمونہ ضرور پیش کرتے ہیں مگر واقعیت اور اصلیت کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے چھٹنے نہیں پاتا۔

شب معراج کی مناسبت سے محسنؔ کس خوبی سے نئے مضامین پیدا کرتے ہیں۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے
داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے

اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام
شبنم کی ردا بقصد احرام

گویا کہ نہا کے آئی فی الحال
جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال

کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے
سر سے پا تک عرق عرق ہے

نامحرموں سے چھپائے چہرا
پروین کو بنائے منہ کا سہرا

سناٹے کا دم انیس و ہمدم
انفاس ہوا رفیق و محرم

خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے
لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے

یا تازہ بسی ہوئی ختن کی کلیاں یوسف کے پیرہن کی
ناخن کی جگہ ہلال کی مد دفتر کے طلوع سے ندارد
گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے ہیں رمی و جمار کے اشارے
قربان رہ ضرورت ہدی ثور و حمل سپہر تاجدی
قطبین کے سایہ ضیاء میں مشغول دوگانے کی ادا میں
خلوت کی جمائے انجمن کو پردے میں چھپائے مادمن کو

محسن نے بہت ہی حسین منظر کشی کی ہے اور خوبصورت شعری پیکر تراشے ہیں۔

چونکہ معراج رات میں واقع ہوئی تھی اور رات تاریک تھی لہٰذا اس مناسبت سے نصف شب کے بعد کی منظر کشی کرتے ہیں۔ نصف شب کے بعد رات بھیگ جاتی ہے۔ چونکہ رات کعبہ میں داخل ہوتی ہے لہٰذا التزام ارکان حج کا کیا گیا۔ محسن نے یہاں ادائیگی حج کا تفصیلی بیان کیا ہے۔ احرام باندھنے کے وقت غسل کرنا پھر احرام باندھنا، سعی کرنا یعنی سات مرتبہ صفا سے مروہ تک آنا جانا۔ رمی جمار کرنا یعنی پتھروں کو پھینکنا، جانور کی قربانی کرنا (ہدی)، پھر کعبہ کا طواف کرنا وغیرہ وغیرہ۔

محسن نے نجوم وہیئت کی اصطلاحات کو بھی بڑے سلیقے سے برتا ہے۔

محسن کے یہ اشعار لکھنوی صنعت گری کا عمدہ نمونہ ہیں لیکن صنعتوں کے استعمال میں ان کا رنگ انفرادیت نمایاں ہے۔ انہوں نے لکھنوی شاعری کی عام روش کے مطابق صنعت گری اور رعایت لفظی کو نہ تو فی نفسہ مقصد شعر سمجھا ہے اور نہ ہی اسے اغراق ومبالغہ کے لئے استعمال کیا ہے۔ ان کی رعایت بے ساختہ تشبیہات واستعارات جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے لہٰذا ان تکلفات کی وجہ سے کلام میں کوئی الجھن اور پیچیدگی نہیں پیدا ہوتی۔ قرآن اور احادیث کے حوالوں نے ان کی صنعت گری کو نیچرلٹی (Naturality) میں تبدیل کر دیا ہے۔

کردار نگاری:-

مثنوی میں کردار نگاری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شبلی نعمانی کردار نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"مثنوی میں اس کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ ہر شخص کا ایک خاص کیریکٹر (Character) قائم کیا جائے اور جہاں کہیں اس شخص کا ذکر آئے یہ کیریکٹر بدلنے نہ پائے کم سے کم یہ کہ ایسی کوئی بات نظر نہ آئے جو قائم کردہ کیریکٹر کے خلاف ہو۔

محسن نے اس مثنوی میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کردار اس طرح پیش کیا ہے۔

عمان کرم کے در منثور قرآن شرف کے سورۂ نور
مانند دوازدہمین پہ نازل مانند دعا سپہر منزل
منثور ادا مرو نواہی عنوان صحیفۂ الٰہی

فہرست اخبار اصفیاء کی تاریخ فرشتہ انبیاء کی
درج گہر کلام باری پیغامبر و پیام باری
وارد ہوئے ابر ساں زمیں پر ساتھ ان کے براق برق پیکر

محسن نے جبریل امین کے کردار کا بہت ہی نفیس اور مبنی بر صداقت خاکہ پیش کیا ہے۔

صفت براق:-

حدیث پاک میں آیا ہے کہ براق چھوٹے فرس یعنی گھوڑے کے برابر تھا۔ اسی مناسبت سے محسن لکھتے ہیں۔

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل کھیت اس کا بہشت خلد جنگل

چونکہ براق ایک نوری مخلوق ہے لہٰذا اس نوری یا آسمانی گھوڑے کو چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل کہنے میں محسن نے صداقت بیانی کے ساتھ ساتھ نزاکت خیال کا بھی بہت ہی عمدہ اظہار کیا ہے چونکہ براق ایک گھوڑا ہے لہٰذا اس مناسبت سے بہشت کو اس کا کھیت اور خلد کو اس کا جنگل کہنے میں بھی محسن نے اچھی خیال آفرینی کی ہے۔

براق کی سبک روی کتنے شاعرانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔

مہ پارہ فلک سے آنے والا اطلس کو کتان بنانے والا
یوں چرخ سے نکلے وہ سبک رو فانوس سے جس طرح کہ پرتو
شیشے سے پری چمن سے شبنم سیپی سے گہر حباب سے دم
گلشن سے بہار جسم سے جاں آنکھوں سے نیند دل سے ارماں

محسن نے صفت براق میں نادر تشبیہات واستعارات سے جو لطافت پیدا کی ہے اسے دیکھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایک غیر محسوس لطافت کا بیان اس سے زیادہ محسوس طور پر کیونکر ہو سکتا ہے؟ محسن نے ایک غیر مرئی حقیقت کو حواس پر واضح کرنے کے لئے لفظوں سے سحر کا کام لیا ہے۔

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں محسن نے بہت ہی فصیح وبلیغ اشعار نکالے ہیں۔

محبوب خدائے انس و جاں کا مقصود رموز کن فکاں کا
نور القمرین والکواکب خورشید مشارق و مغارب
ہاشم کی کلاہ میں گل تر دامن میں قریشیوں کے گوہر
صانع کے قلم کا رنگ ایجاد بندوں کے چمن کا سرو آزاد
ایماں کی سند کا نقش خاتم عرفاں کے نگیں کا اسم اعظم

محسن کے ہر ہر لفظ سے والہانہ جذبے کا اظہار ہو رہا ہے۔ اپنے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت شاعر کے تمام تر احساسات بیدار ہو جاتے ہیں اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذہن وفکر وقلب ونظر میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

محسن کے جذبے کے خلوص و پاکیزگی اور التہاب و ارتعاش کا نظارہ مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ کیجئے۔

ہم رتبہ صفی باصفا کا
مصداق خطاب مصطفےٰ کا

وہ روز اول کا سعد اکبر
وہ اول ما خلق کا مظہر

وہ سطر اخیر صفحہ راز
وہ مطلع اولین آغاز

وہ آخر انبیاء مرسل
جس کا ثانی نہیں وہ اول

مندرجہ بالا اشعار میں شعر نمبر 2 اس حدیث پاک ''اول ماخلق اللہ نوری'' پر مبنی ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور خلق فرمایا۔

مزید اشعار ملاحظہ کیجئے۔

پھر وہ سبب ظہور ایماں
ظلمات جہاں میں آب حیواں

جس کے شہداء کا واپسیں دم
مسیح انفاس ابن مریم

جس کا کرم آیت شفا ہے
بیمار کے درد کی دوا ہے

ہے جس کی اذانِ صبح گاہی
احیائے شریعت الٰہی

وہ گوہر آب زندگانی
جس کا اول نہیں وہ ثانی

سان احدؐ احمد مکرم
شاہنشہ کشور دو عالم

پھر وہ گل نو بہار معنی
وہ گوہر شاہوار معنی

ہے جس کی زبان میں فصاحت
ہے جس کے کلام میں بلاغت

اورنگ نشین عزت و جاہ
زور سر پنجۂ ید اللہ

محسن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کے لئے لطیف و بلیغ استعاروں کے توسط سے تراکیب سازی کا کمال بھی دکھایا ہے۔

سطر اخیر صفحہ راز، مطلع اولین آغاز، گل نو بہار معنی، گوہر شاہد معنی، اورنگ نشین عزت و جاہ، زور سر پنجہ ید اللہ وغیرہ زیر نظر مثنوی میں محسن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بھی بیان کیا ہے۔

صورت کا وہ دل پذیر نقشا
جس سے ہے ہر آئینے کو سکتا

رخ میں صفت جمال دی ہے
صورت میں جان ڈال دی ہے

ابرو پہ جبیں مہ شمائل
رکھی ہوئی رحل پر حمائل

واللیل کا ترجمہ ہے گیسو
تفسیر اذا سجے ہے گیسو

آنکھوں سے لکھی صفت وہ آنکھیں
مالا عین رات وہ آنکھیں

اسرار دہن میں وحی منزل
اور حامل وحی ریش مرسل

اس گردن صاف کی بلندی
تکبیر فریضہ سحر کی

رعنائی قامت مناسب
روزے میں اذاں وقت مغرب

مندرجہ بالا اشعار میں پوری تفصیل و جزئیات موجود ہیں مگر کہیں بھی بے اعتدالی نہیں ملتی۔ تشبیہات رقصاں و متحرک اور تمثیلات جاندار ہیں۔ محسن کی مضمون آفرینی اور خیال بندی بھی بہت ہی خوب ہے۔ انہوں نے کثرت سے صنائع بدائع کا استعمال کیا ہے مگر اس کے باوجود ان کے یہاں ایک پاکیزہ فضا کا احساس ہوتا ہے۔ محسن کا کلام ادبی اور فنی محاسن سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ علمی وقار کا بھی حامل ہے۔

محسن کے ہاں تلمیحات اور اقتباسات بکثرت موجود ہیں جو کلام کو بوجھل بنانے کی بجائے اس کی لطافت اور خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں اور اسے فنی و ادبی جمال کے دوش بدوش علمی جلال بھی عطا کرتے ہیں۔

زیر نظر مثنوی میں محسن نے واقعہ معراج تفصیل کے ساتھ نظم کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں آرام فرما ہیں۔ حضرت جبریل امین حاضر ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں سے اپنی آنکھیں مل کر انہیں بیدار کرتے ہیں اور انہیں معراج کا مژدہ سناتے ہیں۔ حضور خانہ خدا میں تشریف لاتے ہیں روح القدس وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کرتے ہیں۔ اس واقعہ کو محسن کس قدر نزاکت خیال کے ساتھ نظم کرتے ہیں۔

آیا جو کرم پہ عشق بے باک
سینہ کیا شق جگر کیا چاک

کی شق جفا سر وفا سے
زخمی بھی کیا تو اک ادا سے

لبریز طرب کیا الم سے
نشرح کو ملا دیا الم سے

خالی اسے کر کے ماسوا سے
لبریز کیا فقط خدا سے

قرآن و احادیث کے کیسے لطیف اشارے اور کیسی بامعنی تلمیحات ان اشعار میں موجزن ہیں۔

کعبہ معظمہ سے حضور علیہ السلام مسجد اقصیٰ پہنچتے ہیں یہاں تمام انبیاء و مرسلین موجود ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں سب نماز ادا کرتے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ فلک اول تا فلک ہفتم کی سیر کرتے ہیں۔ الگ الگ آسمانوں پر حضور علیہ السلام کی ملاقات مختلف انبیائے کرام علیہم السلام سے ہوتی ہے جو انہیں اعجاز و اعزاز پر مبارک باد پیش کرتے ہیں اس کے بعد بیت المعمور کی سیر اور بہشت و دوزخ کا معائنہ فرماتے ہیں اور یہاں سے عرش و کرسی کو پار کرتے ہوئے مقام اعلیٰ تک پہنچتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام تو سدرہ ہی میں ساتھ چھوڑ چکے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی رفیق کے سیر فرماتے ہیں اور لامکاں میں اپنے ماتھے کی آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار کرتے ہیں۔

آخر میں محسن مناجات پیش کرتے ہیں مناجات میں محسن اپنی اس تمنا کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب عظیم کا دیدار ہوا اسی طرح وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوں۔ اشعار دیکھئے۔

جس طرح ملا تو اپنے رب سے
انداز سے شوق سے ادب سے

یوں ہی ترے عاصیان مہجور — اک دن ہوں تری لقا سے مسرور
صدقے میں ترے یہ آرزو ہے — دم میں رہِ آخرت کریں طے
ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید — جس طرح کہ صبح صادق عید

محسن اس آرزو کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ یہ مثنوی ان کے کفن میں رکھی ہو۔

دشمن پہ کڑی ہو پہلی منزل — میں سوؤں لحد میں ہو کہ غافل
گزرے مری نعت کے سخن میں — رکھی ہو یہ مثنوی کفن میں

منظر کشی اور ماحول کی تصویر کشی میں جناب محسن کا قلم مصور کے رنگین قلم اور رنگین وحسین خیال کو بھی شرما دیتا ہے۔ تخیل کی بلندی، محاکات، پرشکوہ الفاظ محسن نے جگہ جگہ پیش کئے ہیں۔ کردار ومکالمے، زبان وبیان سب ہی بہت خوب ہیں۔

خلاصۂ کلام

مثنوی کے مضامین محدود نہیں ہیں۔ محسن نے اسے نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کیا ہے اور یہی سبب ہے کہ ان کی اکثر مثنویوں میں دو مثنویاں۔ ''صبح تجلی'' اور ''چراغ کعبہ'' نہ صرف اردو کی مثنویات میں بے مثل ہیں بلکہ اردو مثنوی کی تاریخ میں ان کا ایک خاص مقام ومرتبہ ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید

سید محمد محسن کاکوروی

ان کے ہاں پہلی بار اردو نعت کا فن تکمیل آشنا ہوتا نظر آتا ہے۔ ان کی نعت اب تک کی گئی نعت گوئی کا ماحصل ہے۔ تقلیدی روش اور تشکیلی مراحل کے بعد محسن کے ہاں پہلی بار اردو نعت فن کا ایک مثالی معیار اور ایک جداگانہ صنف سخن کا اعلیٰ درجہ حاصل کرتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ محسن کا شغف نعت ہے۔ انہوں نے اس صنف پر خصوصی توجہ دی اردو کے دوسرے شاعروں نے تو دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ بھی نعت لکھی مگر محسن نے صرف نعت ہی لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نعت کے ساتھ ہی محسن کاکوروی کا نام ذہن میں آجاتا ہے ان کا نعتیہ کلام پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے محسن نعتیہ شاعری کو بام عروج پر پہنچانے کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ اسی لئے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

''نعت گوئی تو سب کے لئے ہے مگر محسن کاکوروی نعت گوئی کے لئے ہیں۔''

محسن کے نعتیہ کلام کے تجزیے سے پہلے ان کے بارے میں مختلف ناقدین کی آراء ملاحظہ ہوں:

عبدالسلام ندوی نے محسن کاکوروی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''(انہوں نے نعت گوئی کو) اپنا خاص فن بنالیا اور اس حیثیت سے غیر معمولی شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس مقدس موضوع کے متعلق لکھنؤ کی برخود غلط شاعری کا استعمال اور بھی غلط طریقے سے کیا۔ چنانچہ خود ان کے صاحبزادے مولوی نور الحسن صاحب لکھتے ہیں کہ ''ان کی سدا بہار طبیعت حسرت ویاس کے مضامین سے الگ رہتی ہے۔ شگفتگیِ طبع اور زندہ دلی کی برقی روشنی ہر بیان میں اپنی چمک دکھاتی ہے۔ مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کا شان وشکوہ، بندش کی چستی ان کا خاصہ طبیعت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بوجہ دقت مضامین وبلندی خیالات وتلمیحات قصہ طلب کے ان کا کلام کم استعداد حضرات کی سمجھ سے باہر ہے''...... ان تمام باتوں کے ساتھ رعایت لفظی کا بھی خاص طور پر التزام ہے ...... ان تمام خصوصیات کے اجتماع نے ان کے کلام کو اس قدر بے اثر کر دیا ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا ہے کہ وہ جو

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

کچھ لکھتے ہیں کسی مذہبی جذبہ سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔ غرض انہوں نے جو نعتیہ قصائد اور نعتیہ مثنویاں لکھی ہیں ان کا بیشتر حصہ ایک معما اور چیستاں ہے نعت نہیں ہے۔"

محسن کاکوروی کے فن کے بارے میں یہ پہلی تنقیدی رائے ہے جو (محسن کے کلام کے بارے میں اردو تذکروں میں مندرج تاثرات کے بعد) عبدالسلام ندوی کی ایک مربوط اور عالمانہ تصنیف "شعرالہند" سے لی گئی ہے۔ مولانا نے "شعرالہند" کے حصہ دوم میں "مذہبی شاعری" کے عنوان سے ایک مستقل عنوان لکھا ہے یہ باب اردو کی نعتیہ شاعری کے بارے میں پہلے اہم مطالعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام محسن کے جائزہ لینے والوں کے لئے عبدالسلام ندوی کی رائے ہمیشہ بحث طلب رہی ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے "لکھنؤ کا دبستان شاعری" میں محسن کاکوروی کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیتے ہوئے عبدالسلام ندوی کی رائے کے برعکس لکھا ہے کہ:

"محسن کی نعت میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے یہ اس لئے کہ نعت گوئی اگرچہ ہمیشہ سے موجود تھی لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے محسن سے پہلے اختیار نہیں کیا اور جن لوگوں نے عقیدت کی بناء پر صرف نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا' انہوں نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا نہیں کیا۔۔۔۔۔۔ محسن کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادوں پر استوار ہے۔ خلوص اور محبت' شیفتگی اور عقیدت جو محسن کی زندگی کے عناصر تھے' انہی سے ان کی شاعری نے ترکیب پائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب بھی اس میں صوری و معنوی دلکشی پائی جاتی ہے۔"

ڈاکٹر ابواللیث نے لکھنوی شاعری کے عناصر خارجیت' نسائیت اور ابتذال وغیرہ کے پس منظر میں محسن کاکوروی کی نعت کا جائزہ لیتے ہوئے اسے (نعت کو) اس لئے بھی سراہا ہے کہ وہ ان عناصر سے پاک ہے۔ ڈاکٹر اشفاق نے بھی عبدالسلام ندوی کی اختلافی رائے پر ایراد کیا ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی طرح ان کی بھی یہی رائے ہے کہ محسن نے لکھنوی شاعری کے معائب کو دور کیا ہے:

"اس لحاظ سے محسن ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے (لکھنوی) ماحول کے اس بگاڑ میں اصلاح کی بہترین راہیں پیدا کیں۔ نہ صرف لکھنؤ کے محاسن کے کھوٹ کو دور کیا بلکہ ان میں اور چار چاند لگا دیئے۔۔۔۔۔۔ محسن نے زبان کے اعجاز کو ایک ایسے موضوع کے لئے وقف کر دیا جو خود سراپا اعجاز ہے۔"

محسن کاکوروی کا کلیات سراپا نعت ہے۔ انہوں نے مختلف اصناف میں نعتیہ شعر کہے ان کی مثنویوں میں صبح تجلی اور چراغ کعبہ زیادہ مشہور ہوئیں اور قصیدوں میں "مدیح خیر المرسلین" نام کا قصیدہ جسے قصیدہ لامیہ بھی کہتے ہیں۔ پہلے ہم محسن کی مثنویوں کا ذکر کرتے ہیں:

صبح تجلی

کلیات محسن کی سب سے طویل مثنوی ہے۔ جس کے اشعار کی تعداد تقریباً پونے دو سو ہے۔ یہ مثنوی 1289ھ میں تصنیف ہوئی۔ "گلزار نسیم" کی بحر میں لکھی گئی۔ یہ مثنوی حضور اکرمؐ کی ولادت کے ذکر مبارک پر مشتمل ہے محسن نے اس مثنوی میں بھی واقعہ معراج بیان کیا ہے۔ بیت اللہ میں تشریف آوری' مسجد اقصیٰ میں ورود اور ہفت افلاک کی سیر' جنت و دوزخ کا حال' آخر میں عرش و کرسی اور مقام اعلیٰ تک رسول اللہ کی رسائی دکھانے کے بعد شاعر نے ایک مناجات پر مثنوی کو ختم کیا ہے۔ مثنوی کے آغاز میں منظر نگاری ملاحظہ ہو:

بیضاویٔ صبح کا بیاں ہے   تفسیر کتاب آسماں ہے
ہے خاتمہ شب دل افروز   دیباچہ نگار نسخہ روز
آثار سحر ہوئے نمایاں   سیپارہ لئے ہوئے ہے دوراں
واللیل کو ختم کر چکا ہے   آمادۂ دور والضحیٰ ہے!
عنوان فلک ہے در منثور   لوح زریں ہے سورۂ نور
اطراف بیاض مطلع صاف   والفجر کے حاشیہ پہ کشاف

محسن کاکوروی کے فن کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب کیا ہے یہ ان کے فن کا اعجاز ہے کہ انہوں نے بلیغ استعارات اور پاکیزہ تشبیہات کے باعث شروع سے آخر تک مثنوی کی فضا میں طہارت و تقدس کا عنصر برقرار رکھا ہے۔ تلمیحات کی ندرت و کثرت نے ان کی مثنوی میں بھی قصیدہ کی شان پیدا کر دی ہے۔ ان کا طرز اظہار بظاہر تکلف سے عبارت نظر آتا ہے مگر انہوں نے جس التزام سے اسے نبایا ہے اس کے باعث اس تکلف کو ان کا فطری اسلوب ماننا پڑتا ہے۔ اس مثنوی میں نعت کے چند اشعار دیکھئے:

پیدا ہوئے سرورؐ دو عالم   پیدا ہوئے فخر نوحؑ و آدمؑ
محبوب خدا' نبی مرسل   صبح دو بیمین روز اول
شاہنشہ انبیاء محمدؐ   تاج سر اصفیاء محمدؐ
پیدا ہوئے حضرت پیمبرؐ   صبح قدرت کے سعد اکبر
خورشید سپہر دیں محمدؐ   نور عین الیقیں محمدؐ
پیدا ہوئے قبلۂ طریقت   پیدا ہوئے کعبۂ حقیقت
مقصود ازل' اجل و اعلیٰ   منظور حضور حق تعالیٰ
سلطان فلک حشم محمدﷺ   مہر عرب و عجم محمدﷺ

محسن کاکوروی کی دوسری مثنوی "چراغ کعبہ" بھی گلزار نسیم کی بحر میں ہے۔ یہ مثنوی 1301ھ میں لکھی گئی۔

اس مثنوی میں واقعہ معراج کو نظم کیا گیا ہے چونکہ یہ واقعہ رات سے متعلق ہے لہٰذا اسی مناسبت سے محسن نے "چراغ کعبہ" کے آغاز میں رات کے پراسرار سکون وسکوت کا نقشہ کھینچا ہے۔ مثنوی کی یہ تمہید یا پس منظر نہایت شاعرانہ ہے اور قارئین کو آغاز واقعہ ہی میں ایک پاکیزہ فضا میں لے جاتا ہے اس کے بعد گریز مدح جبریل صفت براق اور مسجد اقصیٰ کے عنوانات ہیں۔ اس کے بعد ہفت افلاک کی سیر ہے جس کو فتوحات کے طرز پر پیش کیا گیا ہے۔ نظریہ قدیم کے بموجب فلک اول پر چاند فلک دوم پر عطارد (منشی فلک) فلک سوم پر زہرہ (سعد اصغر) فلک چہارم پر سورج (شاہ فلک) فلک پنجم پر مریخ (بہرام) فلک ششم پر مشتری (سعد اکبر) اور فلک ہفتم پر زحل (ہندوئے فلک) واقع ہیں۔ لہٰذا ہر فلک کی سیر پر ایسا شعور موجود ہے جس میں اس سیارہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا اس فلک سے تعلق ہے۔

پھر جنت و دوزخ کی سیر ہے۔ آخر میں عرش و کرسی اور مقام اعلیٰ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی دکھانے کے بعد شاعر نے ایک مناجات پر مثنوی کو ختم کیا ہے۔

چراغ کعبہ

میں بھی زبان و بیان کی صناعی آرائش اور مضمون آفرینی کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ آغاز مثنوی کا قصہ دیکھیے۔ شب معراج کی مناسبت سے کس خوبی سے نئے مضامین پیدا کیے ہیں۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے — داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلی گل اندام — شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال — جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے — سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرموں سے چھپائے چہرہ — پروین کو بنائے منہ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا — انداز خرام صوفیانہ
سناٹے کا دم انیس ودمدم — انفاس ہوا رفیق و محرم
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے — لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے
یا تازہ بسی ہوئی ختن کی — کلیاں یوسف کے پیرہن کی
ناخن کی جگہ ہلال کی مد — دفتر سے طلوع کے ندارد
گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے — ہیں ری جماد کے اشارے

محسن کے یہ اشعار اس صنعت گری کا عمدہ نمونہ ہیں جو ان کے عہد میں لکھنوی دبستان شاعری کی سب سے بڑی نمایاں خصوصیت خیال کی جاتی ہے مگر محسن کے یہاں صنعتوں کے استعمال میں بھی ان کا رنگ انفرادیت نمایاں ہے۔ انہوں نے لکھنوی شاعری کی عام روش کے مطابق صنعت گری اور رعایت لفظی کو نہ تو فی نفسہ مقصد

شعر سمجھا ہے اور نہ ہی اسے مبالغہ و اغراق کے لئے استعمال کیا ہے ایک تو ان کا موضوع ہی ایسا عظیم ہے کہ جہاں بڑے سے بڑا مبالغہ حقیقت اور صنعت گری کوتاہی فن اور اظہار عجز کے ذیل میں آتی ہے دوسرے ان کی محبت رسولؐ اور شغف نعت ہے جس کے سبب محسن صنعت گری میں بھی شاعرانہ لطافتوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

بقول ڈاکٹر ابواللیث صدیقی:

> "ان کی رعایت بے ساختہ ان کی تشبیہات اور استعارات جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے۔ ان تکلفات کی وجہ سے کلام میں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ تلمیحات بھی ہیں اور بکثرت ہیں لیکن بندش کی چستی اور نظم کی روانی ایسی ہے کہ طبیعت اس پر رک کر نہیں رہ جاتی"

اس اعتبار سے ان کا کلام ایک طرف تعلیم یافتہ طبقے کے لئے جاذبیت رکھتا ہے تو دوسری طرف عوام الناس بھی اس کی خوبیوں پر سر دھنتے ہیں۔

ان کا یہ رنگ اس مناجات میں بھی ہے جو مثنوی کے آخر میں ہے:

اے پر تو مہر لایزالی — بے مثل مثال بے مثالی
شمع حرم خدا نمائی — قندیل حریم کبریائی
جس طرح ملا تو اپنے رب سے — انداز سے شوق سے ادب سے
یوں ہی ترے عاصیان مہجور — اک دن ہوں تری لقا سے مسرور
صدقے میں ترے یہ آرزو ہے — دم میں رہ آخرت کریں طے
ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید — جس طرح نے صبح صادق عید
یوں سر پہ ہو مہر آتشیں خو — ٹوپی میں کسی کے جیسے جگنو
دشمن پہ کڑی ہو پہلی منزل — میں سوؤں لحد میں ہو کہ غافل
گزرے مری نعت کے سخن میں — رکھی ہو یہ مثنوی کفن میں
یاں شوق خلوص و التجا ہو — واں میں ہوں آپؐ ہوں خدا ہو

یہاں بھی حسن و تاثیر کا سبب وہی رعایت لفظی ہے جو لکھنوی شاعری کی عام روش یعنی بجائے قصیدے کے اپنے جذبات و احساسات کی ترسیل کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ رعایت لفظی سے زیادہ محسن نے رعایت معنوی ملحوظ رکھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی تخلیقی صلاحیت اور قوت ایجاد ہے جس نے لکھنوی شاعری کی تصنعات (رعایت لفظی مراعات النظیر اور صنائع بدائع کی بھرمار) کو فن شریف بنایا۔ محمد حسن عسکری نے محسن کے شعری اسالیب کا رشتہ ان کے موضوع اور عقائد سے ملاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "رعایت لفظی بری چیز سہی لیکن محسن کی نعتیہ مثنویوں میں یہ رعایت تین دائروں میں یا تین سطحوں پر بیک وقت عمل کرتی ہے:

۱۔ انفرادی طور سے شعر کے اندر رعایت لفظی اور مناجات کا استعمال۔

۲۔ پوری مثنوی میں ایک خاص مضمون کی رعایت اور اس کے مناسبات کا انتخاب۔

۳۔ مناسبات سے اس طرح کے مضمون نکالنا جن سے حقیقت محمدی کی طرف اشارہ ہو۔

اگر یہ رعایت لفظی اور مضمون آفرینی صرف الگ الگ شعروں میں ہی کام کر رہی ہوتی تو بھی ہمیں کم سے کم ان کی قوت ایجاد کی داد دینی پڑتی جو پارے کی طرح بے تاب رہتی ہے اور مچلتی ہوئی ایک شعر سے دوسرے شعر میں نکلتی چلی جاتی ہے لیکن یہ مسلسل اور انتھک مضمون آفرینی بجائے خود حقیقت محمدی کی گوناگوں کیفیتوں کا ایک استعارہ ہے جو لمحہ بہ لمحہ نئی نئی شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ محسن کے کلام کی شگفتگی اور تازگی سدا بہار جمال محمدؐ کا گویا ایک عکس ہے۔ محسن کا کمال اسی بات میں ہے کہ ان کا آئینہ شعر کبھی ماند نہیں پڑتا اور ہر لحظہ یہ بدلتے ہوئے عکس کو قبول کرتا رہتا ہے۔ ان کی قوت ایجاد صرف شعروں ہی میں ظاہر نہیں ہوتی بلکہ مناسبات کو شعر میں، شعر کو مثنوی کے نقش میں اور اس نقش کو اپنے مستقل موضوع میں پیوست اور منضبط کرتی ہے تنظیم کا یہ عمل کسی معمولی درجے کے تخیل کے بس کا روگ نہیں، اس کے لئے تعمیری صلاحیت درکار ہے۔

تلمیحات کا استعمال محسن کی صنعت گری کی دوسری خصوصیت ہے جس کے نمونے ان کے ہاں جا بجا ملتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام کو تلمیحات سے مزین کر کے نہ صرف یہ کہ اسے علمی وقار اور شکوہ عطا کیا ہے بلکہ ان سے نفس مضمون کی ترسیل کا کام لیا ہے۔ قرآن واحادیث کے حوالوں کی کثرت کے باوجود ان پر صنعت گری کا گمان نہیں گزرتا اور وہ ترسیل مضمون میں حارج نہیں ہوتے بلکہ اسلوب کو بلیغ اور وقیع بناتے ہیں۔ مختلف جگہوں سے یہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

محبوبؐ خدا و انس و جاں کا — مقصودِ رموز کن فکاں کا

منظور اشارۂ قلم — قائم بہ مقام ''قم فانذر''

تھا داغ فراق ''لن ترانی'' — مسرور جمال ''من رانی''

آنکھوں کی تلاش جلوۂ رب — کانوں میں صدائے ''نحن اقرب''

ہے نام خدا سواد تحریر — والیل اذا سجی کی تفسیر

آیا سوئے بزم ''لی مع اللہ'' — آئینے میں جیسے پر تو ماہ

تجلی میں جما، جمال دل خواہ — جس طرح نگینے پہ ''قل ھو اللہ''

مذکورہ بالا شعروں کی طرح ان کے پورے کلام میں تلمیحات قرآن واحادیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح علوم وفنون کی مختلف اصطلاحیں اور اسلامی تاریخ وروایات کے پرتوان کے اسلوب شعر میں رچے بسے، نمایاں، بجتے ہیں۔

''صبح تجلی'' اور ''چراغ کعبہ'' کا حسن اور تاثیر انہی محاسن کے باعث ہیں جو لکھنوی شاعری کا طرۂ امتیاز تھے۔ مگر انہیں محسن کے انداز میں کسی نے نعت گوئی جیسے پاکیزہ موضوع کے لئے استعمال نہیں کیا تھا۔ محسن کے ہاں

رعایت لفظی، تلمیحات، تشبیہات، استعارات، مراعات النظیر، حسن تعلیل اور دوسرے صنائع بدائع اس فطری انداز میں ملتے ہیں کہ ان پر تصنع اور بناوٹ کا گمان نہیں گزرتا۔ محسن کے اسلوب میں یہ تمام اجزائے ترکیبی یوں گندھے ہوئے ہیں کہ انہیں موضوع سے کسی طور الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہاں تشبیہات واستعارات اور حسن تعلیل وغیرہ کی مثالیں الگ الگ دینے کی ضرورت نہیں۔ ان کے مذکورہ بالا اشعار میں ان تمام محاسن شعری کے نمونے موجود ہیں۔ نعتیہ مثنویوں کی تاریخ میں محسن کی یہ مثنویاں اپنے اسلوب کی انفرادیت کے سبب ممتاز اور سرفہرست ہیں۔ لکھنوی شاعری کے محاسن کا سب سے منفرد اور مبارک استعمال انہیں مثنویوں میں ہوا ہے۔

محسن کے نعتیہ قصائد میں سرفہرست وہ لامیہ قصیدہ ہے جس کا عنوان ''مدیح الرسلین'' ہے اور جس کا مطلع ہے:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل\
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

یہ قصیدہ محسن نے **1293**ھ میں (یعنی دونوں مثنویوں ''صبح تجلی'' **1289**ھ اور ''چراغ کعبہ'' **1301**ھ کے درمیانی عرصے میں) لکھا۔ یہ ایک جداگانہ اسلوب کا نمائندہ ہے۔ اس کی فضا ہندی عناصر سے تیار کی گئی ہے۔ محسن نے نعت کے موضوع کے لئے ہندو مذہب اساطیر کی علامتیں استعمال کی ہیں اور الفاظ وتراکیب کی مدد سے نہ صرف مقامی ماحول کو پیش کیا ہے بلکہ ہندوانہ رسم ورواج اور ہندوانہ مذہب وتہذیب سے خاص روایات، تقریبات اور تلمیحات کی کثرت سے اس نعتیہ قصیدے کی فضا کو ''مناسبات کفر'' کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اس کی تشبیب کے کچھ شعر درج ذیل ہیں:

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی — ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن — سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں — تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

اب کے میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا — نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

محسن کی یہ تشبیب اگرچہ بہاریہ ہے لیکن اس کے انداز اور مضامین پر ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کے گہرے اثرات ہیں۔ نعتیہ قصائد کی تاریخ میں یہ قصیدہ اس اعتبار سے نہ صرف مختلف بلکہ منفرد اور اپنے نوع کی بالکل نئی چیز ہے۔

بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

''یہ تشبیب نعتیہ قصائد کی تاریخ میں بالکل اچھوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ومحبت کے بیان میں ہندوستانی تہذیب اور تہذیبی اصطلاحات کا سہارا

اس سے پہلے کسی نے نہیں لیا تھا۔ عام طور پر قصیدے کی تشبیب انہی بندھے ٹکے الفاظ واصطلاحات وتشبیہات میں کہی جاتی تھی جو عربی اور فارسی شعراء کے ذریعے اردو میں مروج ومستعمل ہے' اس لئے محسن کاکوروی نے قصیدے کی تشبیب میں جس مقامی رنگ سے کام لیا تھا اسے بعض متشرع حلقوں میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور طرح طرح کے اعتراض اٹھائے گئے۔''

اسی ضمن میں انہوں نے امیر مینائی کے اس دفاع کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں انہوں نے معترضین کے جواب میں حضرت کعب بن زہیرؓ کے مشہور قصیدہ ''بانت سعادؔ'' سے نعتیہ قصیدے میں غیر مشروع تشبیب کا جواز پیش کیا ہے۔

امیر مینائی کہتے ہیں:

''بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدۂ نعت میں متھرا' گوکل وکنھیا کا ذکر بے محل ہے لہٰذا دفع دخل کیا جاتا ہے کہ نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصطلاح شعر میں مضامین عشقیہ کا بیان کرنا۔ اساتذہ نے تخصیص مضامین عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ کوئی شکایت زمانہ کرتا ہے کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے۔ کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے۔ الغرض متبعان کلام اساتذہ حقیقت شناسان تشبیب وقصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ مناسبت کی قید ہے کہ حمد ونعت ومنقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اس کی رعایت رہے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے:

صبح کے در ہوائے پرستاریٔ وثن
جنبد کلید بت کدہ در دست برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں۔ عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجہ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قصیدہ ''بانت سعادؔ'' جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے' پڑھا گیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔''

محسن کاکوروی کو بھی اس امر کا پورا پورا احساس تھا کہ وہ نعت کے قصیدے کا آغاز ہندوانہ تشبیب سے کر رہے ہیں اور نعت کے حوالے سے قارئین کی ایک جماعت کو اس پر اعتراض ہوگا کہ نعت رسولؐ میں مناسبات کفر کا استعمال غیر مشروع ہے یہی وجہ ہے کہ قصیدے میں آگے چل کر انہوں نے خود اس اندیشے کی نشاندہی کر دی ہے۔ وہ اس تشبیب کے جواز میں کہتے ہیں:

گو قصیدہ ہے جدا ابر بہار تشبیب   فکر کے تازہ و تر کرنے کو ہے مستعمل
مختلف ہوتے ہیں مضموں کہیں عشق اور کہیں حسن   کہیں نغمہ ہے کہیں مے ہے کہیں پھول اور پھل
تاہم اک لطف ہے خاص اس میں جو سمجھے ناداں   کہ سخن اور سخن گو کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز   رجعت کفر بہ ایماں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر   شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ   نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طول سخن   مگر ایمان کی کہئے تو اسی کا تھا محل
کفر وظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دین خدا   مے ونغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل

ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کے لئے
سیف مسلول خدا نور نبی مرسلؐ

محمد حسن عسکری نے محسن کے اس قصیدے کا تہذیبی پس منظر میں جائزہ لیا ہے۔ وہ اپنے اس سوال کہ:

''اس نظم میں ایسی کیا بات ہے جو آج سے سو سال پہلے ہماری اجتماعی روح کی کسی پوشیدہ رگ کو چھوگئی؟''

کے جواب میں اس قصیدے کی مقبولیت کے تاریخی وتہذیبی پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے جو نتائج اخذ کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(اس) قصیدہ میں اجتماع ضدین کی وہ تمام قسمیں موجود ہیں جو محسن کی شاعری کی بنیاد ہیں...... عالم طبعی کو جس کیف کے ساتھ محسن نے یہاں قبول کیا ہے اس کا تو نشان بھی ان کی کسی اور نظم میں نہیں ملتا۔ فطرت اور انسان اس طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے ہیں کہ انسانی عوامل کا بیان فطرت کی اصطلاح میں ہوا ہے اور فطرت کا بیان انسانی زندگی کی اصطلاح میں.......... محسن نے عناصر فطرت میں ایسی زندگی کی لہر دوڑائی ہے' روح فطرت کی تازگی اس طرح نچوڑی ہے' انسان اور فطرت میں وہ انضباط پیدا کیا ہے کہ صرف ہند اسلامی تہذیب میں نہیں بلکہ پوری اسلامی تہذیب میں اس نظم کا ایک خاص مقام ہے.......... فطرت کے علاوہ دوسری چیز جسے محسن نے جذب کرنے اور اسلامی تصورات کے ساتھ انضباط دینے کی کوشش کی ہے مقامی عناصر ہیں۔ خصوصاً وہ عناصر جن کا تعلق سری کرشن سے ہے چونکہ سری کرشن اوتار بھی ہیں اور جسمانی محرکات سے ان کا خاص رشتہ ہے اس لئے فطرت کے حسن اور مقامی عناصر کی لطافت کے ذریعے محسن ہوس وعشق اور جسم وروح کی دوئی مٹانے میں بھی کامیاب ہوئے ہیں..... (قصیدہ میں) عربی وفارسی الفاظ اور ہندی الفاظ کا

سنگم بھی معنویت سے خالی نہیں اور اضداد کے اسی امتزاج پر دلالت کرتا ہے۔ الفاظ کے ذریعے محسن نے ہند وعرب کو گلے ملا دیا ہے۔

اس قصیدے میں سب سے گہرا اجتماع ضدین کفر واسلام کا ہے۔ امیر مینائی اور خود محسن نے تشبیب کا جواز پیش کرتے ہوئے یہ شرعی حیلہ تو ضرور نکالا ہے کہ قصیدے میں نور اسلام کو کفر پر غالب آتے دکھایا گیا ہے.......... لیکن اس غلبہ اسلام کا تعلق فکری عنصر سے زیادہ ہے۔ قصیدے کی جذباتی فضا کچھ اور کہتی ہے۔ ہر قصیدہ نگار کی طرح محسن نے بھی تشبیب پر مدح کی نسبت زیادہ زور دیا ہے اور تشبیب کی ملاحت بیان آگے چل کر کم ہوگئی ہے۔ سری کرشن کے مناسبات جس چٹخارے کے ساتھ نظم ہوئے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ کفر کوئی ایسی چیز نہیں جس سے گھبرایا جائے' خصوصاً قصیدے کا خاتمہ:

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

صاف اعلان کرتا ہے کہ اسلام نے کفر کو قبول کر لیا۔ اس قصیدے کی سب سے بڑی جذباتی معنویت یہی ہے کہ اسلام کو چھوڑے بغیر کفر واسلام کا امتزاج.....اور یہی اس قصیدے کی مقبولیت کا راز ہے۔''

اس قصیدے کے 142 اشعار میں دو غزلیں بھی شامل ہیں۔ قصیدے میں غزل کی شمولیت نئی چیز نہیں مگر محسن نے یہاں جس خاص سلیقے کا التزام رکھا ہے وہ قصیدے کی روایت میں محسن کی جدت ادا کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ عام طور پر قصیدے میں شامل غزلیں قصیدے ہی کی ردیف وقافیہ میں ہوتی ہیں مگر محسن نے دونوں غزلوں کو قصیدے کے پہلے مصرع ''سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل'' کی پیروی میں یوں لکھا ہے کہ بادل کو ردیف بنایا ہے اور ''متھرا'' کو قافیہ۔ اور یوں غزلوں کے اشعار ''بادل'' ردیف کے ساتھ جمنا' سہرا' کرشمہ' صدقہ' بطحا وغیرہ کے قوافی میں ہیں۔ یہ دونوں غزلیں قصیدے کی معنوی فضا سے اس طرح مربوط ہیں کہ اسی کا تخلیقی حصہ نظر آتی ہیں۔

قصیدہ میں خالص نعت اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو:

گل خوش رنگ رسول مدنی العربیؐ	زیب دامان ابد' طرۂ دستار ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر	نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر' نخل دو عالم کا ثمر	بحر وحدت کا گہر' چشمہ کثرت کا کنول
مرجع روح امیں' زیب دہ عرش بریں	حامی دین متیں' ناسخ ادیان و ملل

قصیدے کے آخر میں مناجات کے شعر دیکھئے

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل	میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی	نہ مرا شعر' نہ قطعہ' نہ قصیدہ نہ غزل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے	صرف تیرا ہو بھروسہ' تری قوت' ترا بل
ہو مرا ریشہ امید وہ نخل سر سبز	جس کی ہر شاخ میں ہو پھول ہر اک پھول میں پھل
آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تادم مرگ	شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح	ہاتھ میں ہو لئے مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ	سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

بہ حیثیت مجموعی اس قصیدے کو نہ صرف محسن کے نعتیہ قصائد بلکہ اردو قصائد نعت کی تاریخ میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس قصیدے کی اس سے بڑی خوبی کیا ہوگی کہ اگر اردو کے نعتیہ قصائد میں مقبولیت وشہرت اور فنی محاسن کے اعتبار سے صرف ایک قصیدہ منتخب کیا جائے تو بلا خوف تردید محسن کے اس لامیہ قصیدہ کا نام ذہن میں آتا ہے۔ اس قصیدے کی شہرت کا محسن کے نعتیہ کلام پر ایک اثر یہ بھی پڑا کہ اس کے مقابلے میں ان کے دوسرے قصیدے ''گلدستہ رحمت''، ''ابیات نعت''، ''نظم دل افروز'' اور ''انیس آخرت'' انہی فنی خوبیوں کے باوصف مشہور نہ ہو سکے۔ ان قصیدوں کے مطلعے درج ذیل ہیں:

پھر بہار آئی کہ ہونے لگا صحرا گلشن	غنچہ ہے نام خدا' نافۂ آہوئے ختن
مٹانا لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا	دبستان محمدؐ میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا
ہے منزل اک مہ کنعاں کی قلب زار و مضطر میں	یہ مہمان عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں
ازل سے عشق حسن بے نشاں کے روئے تاباں کا	لئے صد فتنہ محشر ہوا مہماں دل و جاں کا

پہلا قصیدہ محسن نے سولہ سال کی عمر میں کہا۔ 51 اشعار کے اس قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے اور اس پر لکھنوی اسالیب شعر خصوصاً سراپا نگاری کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس میں محسن نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال ظاہری (کاکل وابرو اور زلف ودندان وعارض وغیرہ) کی مدح کی ہے۔ دوسرا قصیدہ شہیدی کے مشہور قصیدۂ نعت کی تقلید میں ہے۔ شہیدی کے قصیدے کی زمین میں بہت سے شاعروں نے قصیدے لکھے (اور نعتیں بھی کہیں) مگر محسن کا قصیدہ مضمون آفرینی کے سبب زیادہ مقبول ہوا۔

مثنویات وقصائد کے علاوہ محسن نے رباعی کو بھی فن نعت کے لئے برتا اور اسی خوش اسلوبی سے برتا کہ ان کی رباعیوں کے لب ولہجہ پر انیس ودبیر کا گمان ہوتا ہے:

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے	عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے

کہہ دو کہ ملک گوش بر آواز ہیں — مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے
بندہ کو نگاہ مولا بس ہے — حضرت کا مرے لئے وسیلہ بس ہے
ہمیں مشت غبار ہوں سہارا مجھ کو — دامان رسول مصطفےٰ کا بس ہے

محسن کی غزلوں میں نعت گوئی کے نمونے کے لئے درج ذیل اشعار دیکھئے:

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے — زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعتیں محسن — کلام نعتیہ رکھا میری زباں کے لئے

محسن کی التجا ہے فنا فی الرسولؐ ہو — اے بحرِ فیض لے خبر اپنے حباب کی

سراپائے مبارک میں ان کا ایک مسدس بھی ان کی قوت شاعری کا بے مثل نمونہ ہے۔

بحیثیت مجموعی محسن کاکوروی نے اردو نعت کو فنی معیار سے ہمکنار کیا۔ اردو نعت کی وہ روایت جس کے ابتدائی نمونے جنوبی ہند کے شاعروں کی تصنیفات میں ملتے ہیں اپنے ارتقائی وتشکیلی دور سے گزرتی ہوئی محسن کے شغف و وابستگی نعت' قادر الکلامی اور اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کے سبب ایک مستقل فن کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ انہوں نے نعت کو وہ انفرادیت دی جو اسے ان سے پہلے حاصل نہ تھی۔

بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

''اردو شاعری کو بلند سطح تک پہنچانے میں جتنا ہاتھ ان کا ہے' کسی اور کا نہیں۔''

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر نعت کو محسن جیسا شاعر نہ ملتا تو یہ فن اور بہت عرصے تک تشنۂ تکمیل ہی رہتا۔ محسن نے جس شائستگی اور خوش سلیقگی سے لکھنوی دبستان شاعری کے عناصر' فنی تشبیہات واستعارات' تراکیب وحسن تعلیل' تلمیحات' سراپا نگاری' زبان وبیان کی نفاستیں' مضمون آفرینی اور رعایت لفظی وغیرہ) کو نعت کے موضوع میں برتا' اس سبب ان کا کلام نہ صرف تاریخ نعت بلکہ تاریخ شعر وادب میں بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ ان عناصر فنی (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور جن کی مثالیں گزشتہ صفحات میں دی گئی ہیں محسن کے نمونہ کلام میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہیں) کے علاوہ محسن نے اردو نعت کو علمی وقار عطا کیا۔ اس کے ساتھ ہندی عناصر کی دلآویزی' کیف اور شعریت نے ان کی شاعری میں حسن اور تاثیر پیدا کی اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے اپنی نعت کو شریعت کی حدود میں رکھا اور مضمون آفرینی اور تخیل کی رنگ آمیزی کو احادیث وقرآن کے دائرے سے باہر نہیں جانے دیا یوں ان کی نعت افراط اور ناہمواری کا شکار نہیں ہوئی۔

پروفیسر خالد بزمی

محسن کاکوروی

نعتیہ شاعری میں ایک معتبر نام

اردو کی نعتیہ شاعری میں محسن کاکوروی کا نام اس قدر ممتاز اور قابل احترام ہے کہ ایک طرح یہ نام اور نعتیہ شاعری لازم وملزوم کے طور پر ذہن میں آتے ہیں۔

جب میں میٹرک کا طالب علم تھا تو ہمارے اردو نصاب کی کتاب ''سرمایہ اردو'' میں محسن کاکوروی کے اس مشہور نعتیہ قصیدے کا انتخاب شامل تھا' جس کا مطلع ہے:

سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

ہمارے نصاب میں شامل اشعار میں ہندی الفاظ کی کثرت تھی اس وجہ سے مجھے وہ غیر مانوس سے لگتے تھے لیکن جب ایک روز میں نے امتحان کی خاطر توجہ دے کر ہندی الفاظ کے معانی سمجھے تو وہ اشعار ایک خاص لطف دے گئے۔ ان دنوں مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس قصیدے کے پہلے حصے میں خاص طور پر ہندی الفاظ زیادہ کیوں ہیں۔

مذکورہ نعتیہ قصیدے کے حصۂ تشبیب میں ہندوستان کی برسات کا ذکر ہے۔ اس کے لئے محسن جو ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے اس کے لئے بعض ہندوانہ اصطلاحات اور الفاظ ضروری تھے۔

محسن کاکوروی کا یہ نعتیہ قصیدہ عام روایت کے مطابق تشبیب' گریز' مدح' دعا وغیرہ پر مشتمل ہے۔ تشبیب کے مختلف اشعار میں مذکورہ بالا شعر کے بعد یہ اشعار بھی شامل ہیں۔

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی — پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
ہم زباں وصف چمن میں ہوئے سب اہلِ چمن — طوطیوں کی ہے جو تضمین تو بلبل کی غزل

تشبیب کا حصہ ختم ہونے کے بعد گریز کی ندرت دل کا دامن کھینچتی ہے کہ جلد نگاہ کو ہندوانہ ماحول سے ہٹا کر آستانِ رسالت کے طواف کا موقع دیا جائے۔ اس سلسلے میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں — خرمنِ برقِ تجلی کا لقب ہے بادل
تا بارانِ مسلسل ہے ملائک کا ورود — پئے تسبیح خداوندِ جہاں عزوجل
کہیں طوبیٰ، کہیں کوثر، کہیں فردوسِ بریں — کہیں بہتی ہوئی نہرِ لبن و نہرِ عسل
کہیں جبریل حکومت پہ کہیں اسرافیل — کہیں رضوان، کہیں ساقیِ کوثر کا عمل
کنزِ مخفی کے کسی سمت نہاں تہ خانے — اک طرف مظہرِ قدرت کا عیاں شیش محل

ہندی الفاظ تشبیب کے حصے میں تھے، گریز کے حصے میں وہ صورت بالکل بدل گئی۔ یہ بات اوپر کے ان چند اشعار سے ایک حد تک واضح ہے۔

مدح کے حصے میں حسبِ ذیل اشعار میں سے ایک سے ایک خوب تر ہے:

باغِ تنزیہہ میں سرسبز نہالِ تشبیہ — انبیا جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کونپل
گل خوش رنگ رسول، مدنی عربی — زیبِ دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر — نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوجِ رفعت کا قمر نخلِ دو عالم کا ثمر — بحرِ وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول
مہرِ توحید کی ضو اوجِ شرف کا مہِ نو — شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول
مرجعِ روحِ امیں، زیبِ دہِ عرشِ بریں — حامیِ دینِ متیں، ناسخِ ادیان و ملل

ہفت اقلیمِ ولایت میں شہِ عالیجاہ
چار اطرافِ ہدایت میں نبیٔ مرسل

مندرجہ بالا بعض اشعار میں اندرونی قوافی قمر، ثمر، گہر، ضو، نو، لو اور امیں، بریں، متیں نے اشعار کو دلکش بنا دیا ہے۔

یہ نعتیہ قصیدہ مطلع اول، مطلع ثانی اور مطلع ثالث میں منقسم ہے۔ مطلع ثالث میں زیادہ اشعار دعا پر مشتمل ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

منتخب نسخہ وحدت کا تھا یہ روزِ ازل — کہ نہ احمدؐ کا ہے ثانی نہ احد کا اول
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل — میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی — نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل
آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تا دمِ مرگ — شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل — کہ مری جان! مدینے کو جو چلتی ہے تو چل
یادِ آئینہ رخسار سے حیرت ہو مجھے — گوشۂ قبر نظر آئے مجھے شیش محل
میزباں بن کے نکیرین کہیں گھر ہے ترا — نہ اٹھانا کوئی تکلیف نہ ہونا بیکل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے — صرف تیرا ہو بھروسا، تری قوت، ترا بل
صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح — ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ، یہ غزل

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ — "سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل"

یہ نعتیہ قصیدہ جس خلوص، جس عقیدت اور جس محبت سے لکھا گیا تھا اس کے مطابق اسے شہرت قبولیت اور پذیرائی بھی حاصل ہے۔

مجموعی طور پر اس قصیدے میں نادر تشبیہات، ہندوستانی تلمیحات اور زبان و بیان کی خوبیاں موجود ہیں۔ اس کی تشبیب نادر اور دلکش ہے۔ محسن مرحوم نے قصیدے کو اسلامی خیالات اور ہندی خیالات کا سنگم بنا دیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس قصیدے پر کچھ اعتراض بھی کئے ہیں لیکن ان تلمیحات سے حضورؐ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آ سکتا بلکہ ممکن ہے کہ یہ قصیدہ پڑھ کر غیر مسلموں کو بھی حضورؐ کے رحمت للعالمین اور خاتم المرسلین ہونے پر یقین آ جاتا ہو۔

محسن کاکوروی کا ایک اور نعتیہ قصیدہ بہت مشہور ہے جس کا مطلع ہے

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے
زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے

اس قصیدے کے دو چار اشعار ملاحظہ ہوں۔

زمیں بنائی گئی کس کے آستاں کے لئے — کہ لامکاں بھی اٹھا سروقد مکاں کے لئے
ترے زمانے کے باعث زمیں کی رونق ہے — ملا زمین کو رتبہ ترے زماں کے لئے
خدا کے سامنے محسن! پڑھوں گا وصفِ نبیؐ — سجے ہیں جھاڑ یہ باتوں کے لامکاں کے لئے
ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعتیں محسن — کلامِ نعتیہ رکھا میری زباں کے لئے

محسن کاکوروی کا سال پیدائش 1826ء ہے۔

شعر و سخن کے سلسلے میں ان کی خداداد صلاحیت عہدِ طفولیت ہی میں سامنے آ گئی تھی۔ انہوں نے صرف سولہ برس کی عمر میں ایک نعتیہ قصیدہ لکھا جس میں لفظی اور معنوی جملہ خوبیاں موجود تھیں۔ یہ قصیدہ دو مطلعوں اور اکاون دیگر اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے دو تین شعروں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ محسن کی طبیعت میں کس طرح لڑکپن ہی میں شاعری کا ملکہ ودیعت تھا:

اس کی توصیف میں اک شمہ ہے قرآن شریف — کہ لکھا خامۂ قدرت نے بہ یحییٰ احسن
پیشوائے رسل و سیدِ نسلِ آدم — جلوۂ حضرتِ حق، نورِ مجسم ہمہ تن
یعنی وہ جس کی ہوئی ذات سراپا برکات — باعثِ خلقِ زماں، موجبِ ایجادِ زمن

محسن کاکوروی نے ایک نعتیہ قصیدہ نامور نعت گو شاعر کرامت علی خان شہیدی کی ایک زمین میں بھی لکھا تھا۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس وقت محسن کی عمر بتیس برس تھی۔ مذکورہ قصیدہ ایک سو ایک اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ خواہش ہے کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی — نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہلِ دنیا کی خوشامد کا
فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں ایوانِ محشر میں — جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمدؐ کا

مٹا ڈالیں بنا کر صورتیں آدمؑ سے عیسیٰؑ تک — تب آیا راست نقشہ کلکِ قدرت سے ترے قد کا
ستائش کے لئے تو، واسطے تیرے ستائش ہے — کہ ہے مذکور قرآں میں ترے اوصاف بے حد کا

محسن مرحوم بلاشبہ نعت کے عظیم شاعر تھے۔ کبھی کبھی بے اختیار اپنی زبان سے بھی عظمت کا اظہار ہو جاتا ہے وہ اسی قصیدے میں ایک جگہ کہتے ہیں کہ

کیا شیراز کو پامال اردوئے معلّٰی نے
گیا مان اصفہاں لوہا مری تیغ مہند کا

تو اس میں مبالغے کی کوئی بات نہیں اسی قصیدے میں ایک شعر یہ ہے کہ:

مقابل مجھ سے کیا ہو مرد میدان سخن محسن
کہ جوہر ہے مری تیغ زباں میں وصف احمدؐ کا

حقیقت یہ ہے کہ نعت میں محسن مرحوم کو جو اعزاز وسعادت حاصل ہے وہ کسی کسی کے حصے میں آتی ہے۔

محسن کاکوروی کی ساری زندگی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء میں گزری۔ انہوں نے ایک قصیدہ بہ عنوان ''نظم دل افروز'' 1900 میں لکھا جب ان کی عمر چوہتر (74) برس تھی اور ایک قصیدہ ''انیس آخرت'' 1904ء میں اٹھتر برس کی عمر میں لکھا۔ یہ دونوں قصیدے قرآن پاک کی آیات اور دینی جذبات وخیالات کے آئینہ دار ہیں۔ ''نظم دل افروز'' میں حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ورود مسعود اور اس کے پس منظر کے علاوہ آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ، واقعہ معراج اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا ذکر نہایت محبت آمیز انداز سے کیا گیا ہے۔

''انیس آخرت'' میں نام یا عنوان کے مطابق زیادہ تر آخرت کے احوال کا ذکر ہے۔ دونوں قصیدوں میں سے کچھ اشعار دیکھئے۔

ہوا عالم معطر صبح میلاد پیمبرؐ میں — بسا ہے نالۂ جانسوز بلبل تک گل تر میں
نبوت کا تحمل، اصطفا کی مسند آرائی — فلک کی ہفت اقلیم اور زمیں کے ہفت کشور میں
ترا اسم گرامی زیر بسم اللہ عنواں میں — ازل کے ہر صحیفے میں ابد کے ہر رجسٹر میں
غرض ہر جا شفیع و رحمۃ للعالمین تو ہے — زمیں میں، آسماں میں، جنت الماویٰ میں، محشر میں
ترے اقبال سے شان سلیمانی و داؤدی — ہوئی یکجا ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ میں
رہے پہنے ہوئے قرآن کا جامہ سخن میرا — کوئی حرف غلط آئے نہ سہواً میرے دفتر میں

''انیس آخرت'' جس زمین میں ہے اسے محسن مرحوم کی قدرت کلام نے آسمان بنا دیا ہے۔

کہوں ایمان کی، سو بار اٹھالوں سر پہ قرآں کو — کوئی ثانی نہ یزداں کا نہ اس محبوب یزداں کا
وہ زیب عرش عالی ہے، شرف ہے دین وایماں کا — مثال بے مثالی ہے، شرف ہے دین وایماں کا
اسی کا شوق، اسی کی آرزو ہو وقت مردن تک — رہے تا روز محشر سر پہ سایہ اس کے داماں کا

اس آخری قصیدے کے ایک سال بعد دوشنبہ 18 صفر المظفر 1323ھ مطابق 24 اپریل 1905ء دس بجے دن اپنے دل پر شوق وآرزو کے ساتھ محسن کاکوروی مرحوم اس دنیائے آب وگل کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جنت الفردوس کو رحلت کر گئے۔

نعتیہ قصائد کے علاوہ محسن کاکوروی مرحوم نے نعتیہ مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ ان میں ایک بہ عنوان ''صبح تجلی'' 1289ھ مطابق 1872ء، دوسری ''چراغ کعبہ'' 1301ھ مطابق 1884ء اور تیسری ''شفاعت ونجات'' 1311ھ مطابق 1894ء میں لکھی گئیں۔

''صبح تجلی'' نادر تشبیہات، قرآن پاک کی آیات اور احادیث کے حوالوں سے اس طرح آراستہ ہے کہ اس کی مثالیں کم ہیں۔ اس مثنوی کا موضوع رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہے۔ کہیں کہیں سے اس مثنوی کے غیر مربوط اشعار ذیل میں درج ہیں۔ ان سے ایک حد تک مثنوی کا انداز معلوم ہو سکے گا۔

بیضاوی صبح کا بیاں ہے — تفسیر کتاب آسماں ہے
آثار سحر ہوئے نمایاں — سیپارہ لئے ہوئے ہے دوراں
واللیل کو ختم کر چکا ہے — آمادۂ دور والضحیٰ ہے!
اک مخبر صادق البیاں ہے — پیغمبر آخر الزماں ہے
عنوان فلک ہے در منشور — لوح زریں ہے سورۂ نور
پستی کا دماغ آسماں پر — اوج افلاک مہر گستر
وہ ہے بلغ العلیٰ کی تفسیر — یہ ہے کشف الدجیٰ کی تعبیر
نازل ہے زمیں پہ کبریائی — بندے کے لباس میں خدائی
پیدا ہوئے سرور دو عالم — پیدا ہوئے فخر نوحؑ و آدمؑ
پیدا ہوئے خاتم النبیین — مہر عرفان و عز و تمکین
کیفیت وجد میں ہے اب ذوق — کہتا ہے خطیب خامہ شوق
ہے ذکر ولادت پیمبرؐ — اعلیٰ اولیٰ اہم و اکبر

اسی سلسلے کے یہ اشعار بھی قابل توجہ ہیں۔ ان میں لفظی اور معنوی خوبصورتی کس طرح اجاگر ہے:

سبزہ ہے کنار آب جو پر — یا خضر ہے مستعد وضو پر
اک شاخ رکوع میں رکی ہے — اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
کیاری ہر ایک اعتکاف میں ہے — اور آب رواں طواف میں ہے
ہر تخم بہ خلوت آرمیدہ — ہر ایک ثمر خدا رسیدہ
ہر شمع خموش فکر میں ہے — ہر طائر شوخ ذکر میں ہے
ہے کس کو خطاب ایزد پاک — لولاک لما خلقت الافلاک

اورنگ نشین باغ ہے گل　　　اور ہفت ہزاریوں میں بلبل
یہ صبح سعادت جہاں ہے　　　نو روز بہار جاوداں ہے
اسلام کا آفتاب چمکا　　　بے پردہ و بے نقاب چمکا
مقصود ازل اجل و اعلیٰ　　　منظور حضور حق تعالیٰ
پیدا ہوئے بادشاہ دیباجہ　　　آرائش تخت لی مع اللہ
عین عرفان و مردم عین　　　ابروئے جبین قاب قوسین
جان و دل مرسلین محمد ﷺ　　　روح روح الامیں محمد

ان اشعار کی مدد سے الفاظ کی کاریگری اور معانی کی وسعت کا اندازہ مشکل نہیں۔

''چراغ کعبہ'' معراج شریف کے واقعے کے بارے میں ہے۔ اس مثنوی کو سمجھنے کے لئے معراج سے متعلقہ احادیث سے واقفیت ضروری ہے۔ مثنوی میں احادیث سے ماخوذ مستند واقعات' شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس مثنوی میں سراپا نگاری' کردار نگاری' منظر نگاری اور واقعہ نگاری کی جملہ خصوصیات موجود ہیں۔ اس مثنوی کے بھی چند اشعار دیکھئے۔

ہے نام خدا سواد تحریر　　　واللیل اذا تجیٰ کی تفسیر
از رفعت طبع من چہ پرسی　　　ہر حرف کی عرش پر ہے کرسی
حقا کہ وہ جسم سر سے تاپا　　　ہے شاہد غیب کا سراپا
دیکھا ہے خدا نے اپنا عالم　　　آئینہ بنا کے قد آدم
کھینچی بہ کمال حسن تدبیر　　　نقاش ازل نے اپنی تصویر
رخ میں صفت جمال دی ہے　　　صورت میں جان ڈال دی ہے

مثنوی ''شفاعت و نجات'' میں دردِ عشق کے اسرار معانی تحریر کئے گئے ہیں۔ اسی لئے اس کا دوسرا نام ''اسرار معانی دردِ عشق'' بھی ہے اس مثنوی میں روز قیامت کے حالات و مشاہدات مذکور ہیں۔ یہ مثنوی میر حسن دہلوی مرحوم کی مشہور عشقیہ مثنوی ''سحرالبیان'' کی بحر میں ہے یہ مثنوی 1311ھ میں لکھی گئی تھی۔ اس کے نام ''شفاعت و نجات'' کے اعداد تاریخ بھی یہی ہیں محسن کا کمال یہ ہے کہ اس مثنوی کے مختلف عنوانات مثلاً شرح حال روز قیامت' حشر وحشت افزاء' طلب دعائے خیر' نفوس قدسیہ' شفاعت شفیع' خزانہ رحمت' شفاعت مکرر اور چشم داشت دعائے مقبول میں سے ہر عنوان سے 1311ھ کی تاریخ نکلتی ہے۔

یہ مثنوی دیگر مثنویوں سے طویل ہے۔ اس کے واقعات و حالات شاعرانہ لطافت کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں لکھے گئے ہیں گنہگار لوگ شفاعت کے لئے پہلے جمع ہو کر ابوالانبیاء حضرت آدمؑ کے پاس جاتے ہیں پھر نوحؑ کے پاس' پھر ابراہیمؑ کے پاس پھر موسیٰؑ کے پاس پھر عیسیٰؑ کے۔ آخر میں وہ خاتم المرسلین و شافع المذنبین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے ہیں۔

حضور کی شفاعت سے رب العالمین کی رحمت کاملہ گنہگاروں پر سایہ فگن ہوتی ہے اس مثنوی کے آخر میں سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

زمانے کا عالم ہوا دوسرا　　　بہ فضل خدا و حبیب خدا
خوشی میں بھرے مومن و مومنات　　　احاطے میں رضواں کے اتری برات
بجیں نوبتیں خلد میں بارہا　　　کہ اسلام کے سر ہی سہرا رہا
دعائیں جو کی تھیں ہوئیں اب قبول　　　مراد ایک ہے اور ہزاروں حصول
خدا کی تجلی کا آنکھوں میں نور　　　ہر اک نوک مژگاں ہر اک شمع نور
دلوں میں محبت کے راز و نیاز　　　زباں پر بہ آہنگ شوخ مجاز
شفیع مطاع نبی کریم　　　قسیم جسیم نسیم وسیم

قصیدوں اور مثنویوں کے علاوہ محسن کاکوروی مرحوم نے غزل کی ہیئت میں بھی نعت کہی ہے اس سلسلے کی بھی چند مثالیں ملاحظے کی غرض سے درج ذیل ہیں۔

اٹھتی ہے لامکاں سے جو چلمن حجاب کی　　　آمد ہے کس پیمبرؐ عالی جناب کی
مصحف کا ایک صفحہ جبیں ہے جنابؐ کی　　　تقریظ حق نے لکھی ہے اپنی کتاب کی
مقصود آفرینش و محبوب کبریا　　　کیا بات ہے جناب رسالت مآب کی
محسن کی التجا ہے فنا فی الرسول ہو　　　اے بحر فیض! لے خبر اپنے حباب کی

فارسی کے نامور شاعر عرفی شیرازی نے اپنے ایک قصیدے میں نعت کے بارے میں یہ دو شعر کہے ہیں کہ

عرفی! مشتاب ایں رہ نعت ست نہ صحراست　　　آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را
ہشدار! کہ نتواں بیک آہنگ سرودن　　　نعت شہ کونین و مدیح کے و جم را

محسن مرحوم ان اشعار کے مطابق نعت کے جملہ تقاضوں کو خوب سمجھتے تھے اس لئے ان کی نعتوں میں نعت گوئی کے علاوہ جملہ فنی اور معنوی محاسن موجود ہیں۔ المختصر محسن کاکوروی کو نعت میں جو بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے' اس پر کسی مومن صادق اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رشک ہی ہوگا۔

راجا رشید محمود

محسن کاکوروی رح کی ''نظم دل افروز''

محسن کاکوروی رحمۃ اللہ تعالیٰ 24 اپریل 1905ء کو اپنے خالق کریم کے پاس چلے گئے تھے مجھے یہ خیال چین نہیں لینے دیتا کہ میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف وثناء میں تر زبان رہنے والے ہی بختوں کا ذکر خیر کسی نہ کسی طریقے سے ہوتا رہنا چاہیے۔ میں نے محترم خواجہ رضی حیدر (کراچی) کے ہاں حافظ پیلی بھیتی کے آٹھ نعتیہ دیوان مطبوعہ صورت میں پائے تو ان کا ایک انتخاب کر کے ''نعت حافظ'' کے نام سے پونے تین سو صفحات کی ایک کتاب چھپوادی۔ مجھے معلوم ہوا کہ آزاد بیکانیری کا نعتیہ دیوان مکرم محمد صادق قصوری (قصور) کے پاس ہے۔ میں نے کئی سال کی کوشش کے بعد ان سے عکسی نقل حاصل کی اور ماہنامہ ''نعت'' لاہور کے دو شماروں میں اس کا انتخاب (چند مضامین کے ساتھ) چھاپ دیا۔ اسی طرح مختلف رسائل وجرائد میں بکھرا ہوا کلام ضیاءؔ القادری جمع کیا اور اب تک چار شماروں میں (سوا چار سو صفحات) شائع کر چکا ہوں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ نیز محمد حسین فقیرؔ بے چین رجپوری، اخترؔ الحامدی، شیوا بریلوی، جمیلؔ نظر، کفایت علی کافی، ستارؔ وارثی، لطف بریلوی، جوہر میرٹھی، امام احمد رضا خان بریلوی، علامہ اقبالؔ، تہنیت النساء تہنیتؔ، عبدالقدیر حسرت صدیقی، حقیر فاروقی، حمید صدیقی، امیر مینائی، عابدؔ بریلوی، ظفر علی خان اور مفتی غلام سرور لاہوری پر خاص نمبر مرتب کر کے چھاپ چکا ہوں۔

محکمہ اوقاف پنجاب نے ''سید ہجویرؒ نعت کونسل'' قائم کی تو راقم الحروف کو اس کا سربراہ مقرر کر دیا۔ ہم نے فوری طور پر 10 دسمبر 2001ء (25 رمضان المبارک۔ پیر) کو کونسل کا افتتاحی اجلاس بصورت مشاعرۂ نعت کرایا۔ جنوری 2002ء سے ماہانہ طرحی نعتیہ نشست شروع ہوئی۔ التزام یہ کیا گیا کہ ہر ماہ مصرع طرح مرحوم نعت گو کے کلام سے منتخب کیا جائے جو اس ماہ میں اپنے رب کریم سے جا ملے تھے۔ چنانچہ جنوری کے مشاعرے کے لئے علامہ سیمابؔ اکبر آبادی، فروری کے لئے حکیم عبدالکریم ثمرؔ، مارچ کے لئے احسان دانشؔ اور اپریل کے لئے محسنؔ کاکوروی کے مصرعے دیئے گئے۔

یہ ماہانہ مشاعرہ ہر انگریزی مہینے کے پہلے پیر کو نماز مغرب کے فوراً بعد داتا دربار لاہور کے ایگزیکٹو بلاک میں ہوتا ہے۔ مارچ کا مشاعرہ 4 تاریخ کو ہونا تھا مگر اسی دن میری بیگم کے ارتحال کے سبب ملتوی ہو گیا۔ یوں یکم اپریل کو احسان دانش کے مصرعے ''عکس خود عکاس کے جلوؤں کا پیکر ہو گیا'' اور محسن کاکوروی کے مصرعے ''نہاں

تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں'' پر مشاعرہ ہوا۔ سترہ شعراء نے احسان دانش کے مصرعے پر اور چھ شعراء نے محسن کے مصرعے پر طبع آزمائی کی۔

محترم صبیح رحمانی (مدیر ''نعت رنگ'') کو مصرعے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے مجھے فون کیا کہ محسن پر میرا کوئی مضمون ہو تو میں ''سفیر نعت'' کے لئے بھجوا دوں میں نے معذرت کر لی لیکن بعد میں مجھے خیال آیا کہ میں جب فروری 1992ء میں دہلی گیا تھا تو انجمن ترقی اردو ہند کے ناظم کتب خانہ ایم حبیب خان نے مجھے علی گڑھ سے احسن مارہروی کی تضمین بر ''نظم دل افروز'' لا کر دی تھی۔ محسن کاکوروی 24 اپریل 1905ء کو پیر کے دن واصل بحق ہوئے تھے۔ ''سید ہجویرؒ نعت کونسل'' کے یکم اپریل 2002ء (پیر) کے طرحی مشاعرے کے لئے محسن کاکوروی کا مصرع ان کی ''نظم دل افروز'' ہی سے لیا گیا تھا۔ یہ نظم ''کلیات نعت محسن'' (مرتبہ محمد انوار الحسن۔ شائع کردہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ۔ پہلا فوٹو آفسیٹ ایڈیشن 1982ء) کے صفحہ 207 تا 210 پر طبع ہے۔ نظم 74 اشعار پر مشتمل ہے۔ میں نے احسن مارہروی کی ''مخمس نعت نبی ﷺ'' (1322ھ) اپنے ذخیرۂ کتب سے ڈھونڈ نکالی ہے اور اس کے حوالے سے یہ مضمونچہ تحریر کر رہا ہوں۔ لیکن پہلے میرے مشاعرے پر محسن کی نظم کے اثرات دیکھئے محسن نے کہا تھا:

ترے ہی نور سے نکلے زمین و آسماں بے شک
نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں

اس شعر پر احسن مارہروی کی تخمیس دیکھئے:

نہ ہوتا تُو تو رہتا ناقص امر ''کن فکاں'' بے شک
تصرف سے ترے ہے منشعب فعل زماں بے شک
ترے جلوے کی ہیں کونین میں نیرنگیاں بے شک
ترے ہی نور سے نکلے زمین و آسماں بے شک
نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں

(تخمیس از علی احسن، احسن مارہروی۔ مسلم یونیورسٹی بک ڈپو علی گڑھ۔ س ن۔ ص 15)

''سید ہجویرؒ نعت کونسل'' کی یکم اپریل 2002ء نعتیہ نشست میں محسن کاکوروی کے مصرعے پر چھ نعتیں کہی گئیں۔ دو دو اشعار دیکھئے:

بشیر رزمیؔ (صدر):

چمک ایسی نہ اختر میں، جھلک ایسی نہ گوہر میں
جسے ہم دیکھتے ہیں حسن کردار پیمبر ﷺ میں
خدا کے وہ خدا ان کا، ہمارے وہ، ہم ان کے ہیں
یہی لکھا ہوا ہے ہر دو حرف کن کے دفتر میں

تابشؔ الوری بہاولپور (مہمان شاعر):

عجب امید روشن ہے ہمارے قلب مضطر میں
ہمارے ساتھ ہوں گے رحمت عالم بھی محشر میں
رسول پاک کے پرچم تلے آجائیں گی قومیں
کہ دریاؤں کو بالآخر اترنا ہے سمندر میں

صادق جمیل

کرے جو وقف اپنی زندگی مدحِ پیمبر میں — ہوائیں خود جلاتی ہیں دیے اس شخص کے گھر میں
ثناءِ صادق جمیل اس کی بیاں ہو کس طرح مجھ سے — خدا کا عکس آتا ہے نظر جس نور پیکر میں

فیض رسول فیضانؔ (گوجرانوالہ):

بڑی رعنائیاں ہیں سرورِ کونین کے در میں — سمٹ آئی شبیہہ خلد میرے دیدۂ تر میں
سفر سوئے مدینہ یوں اگر طے ہو تو کیا کہنے — درود پاک لب پر، شوق دل میں، عاجزی سر میں

پروفیسر حسنؔ عسکری کاظمی:

وہی ہیں مرکز پرکار عصمت چشم داور میں — کہ ہیں سب آیتیں قرآن کی مدح پیمبر میں
اسی کے سامنے سر خم کیا میں نے عقیدت سے — کہ دیکھا جلوۂ عشق محمد جس سخنور میں

راجا رشید محمود (ناظم مشاعرہ):

ہو پس منظر میں جس کے عرش، جنت پیش منظر میں — اک ایسا شہر بھی دیکھا ہے ہم نے ہفت کشور میں
کیا ہے رہنما اس نے جو قاموس محبت کو — مفاہیم و معانی ہیں کئی حرف ثنا گر میں

''نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں''، پر گرہ کی درج ذیل صورتیں سامنے آئیں:

فیض رسول فیضانؔ

شہ لولاک جو کھوئے ہوئے تھے حسن داور میں — ''نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں''

حسنؔ عسکری کاظمی

بنا کر رحمت للعالمیں بھیجا گیا ان کو — ''نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں''

صادق جمیل

فصاحت ہو تو ایسی ہو، بلاغت ہو تو ایسی ہو — ''نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں''

راجا رشید محمود

ازل سے میرے آقا مرکز رشد و ہدایت تھے — ''نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں''

راقم نے ماضی کے فعل کو حال میں تبدیل کر کے مستقبل کو بھی یوں ساتھ ملایا:

مقام مصطفیٰ ﷺ کی عظمتوں کا یہ تسلسل ہے
''نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں''
ہیں مداح نبی اجداد بھی، اولاد بھی، میں بھی
''نہاں تھے ماضی و مستقبل و حال ایک مصدر میں''

راقم کے ذخیرۂ کتب میں محسن کا ایک مجموعہ نعت ''سنبلستان رحمت'' (1307ھ) بھی ہے لیکن اس میں صرف پانچ رسالے ہیں۔ مثنوی صبح تجلی، مثنوی چراغ کعبہ، سراپائے رسول اکرم ﷺ، مخمس نعتیہ اور مدیح خیر

المرسلینؐ (قصیدہ لامیہ) یہ کتاب مطبع نامی لکھنؤ میں ابوالحسنات قطب الدین احمد کے اہتمام سے ستمبر 1889ء محرم 1307ھ میں چھپی چونکہ اس میں ''نظم دل افروز'' نہیں ہے کہ وہ لکھی ہی 1318ھ میں گئی تھی جو ''نظم دل افروز'' کے عدد بھی ہیں...... اس لئے یہ کتاب فی الحال زیر بحث نہیں ہے۔

''کلیات محسن'' میں ''نظم دل افروز'' 74 اشعار پر مشتمل ہے لیکن احسن مارہروی نے 76 اشعار کی تضمین کی ہے۔ درج ذیل دو شعر ''کلیات'' میں نہیں ہیں۔

تری دیوار کے سایے میں اہل حق کے جھرمٹ ہیں — دم توحید کی ہو حق ہے تیرے حلقۂ در میں
ترے اقبال سے شان سلیمانی و داؤدی — ہوئی یکجا ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ میں

احسن نے محسن کے درج ذیل تین اشعار پر دہری تضمین کی ہے:

ہے منزل اک مہ کنعاں کی قلب زار و مضطر میں — یہ مہمان عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں
نئی الفت کا بیٹھا درد ہو تقسیم اعضاء میں — کہ بسم اللہ طفل اشک کی ہے دیدۂ تر میں
وصال و ہجر میں ہے بے قراری ایک حالت پر — نہیں کیا اک گھڑی کا چین بھی اپنے مقدر میں

اس طرح احسن کی تضمین 79 بند پر مشتمل ہے۔

''کلیات نعت محسن'' اور ''تخمیس'' (کتاب کا نام یہی ہے۔ اس میں محسن کی ''نظم دل افروز'' اور الطاف حسین حالی کی ''عرض حال'' دونوں نظموں کی تضمینیں ہیں)

نظم محسن کے بعض الفاظ اور بعض الفاظ کی املا میں تفاوت ہے۔ اس کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔ (کہیں کلیات میں درست چھپا ہے کہیں تخمیس میں) راقم کے ذخیرۂ کتب میں ''مکمل گلدستہ حضرت محسن کاکوروی'' بھی ہے لیکن بوجوہ اس کا ذکر آخر میں ہوگا۔

کلیات	تخمیس
نہیں کیا اک گھڑی کا چین بھی اپنے مقدر میں	نہیں کیا اک گھڑی کا چین بھی اپنے مقدر میں
بہار اب کی برس رکھے مجھے زندان دیگر میں	بہار اب کی برس رکھے مجھے زندان دیگر میں
ہماری بندگی کا سجدہ ہے محراب دیگر میں	ہماری زندگی کا سجدہ ہے محراب دیگر میں
عوض میں غمزے کے دینا کرشمے کے عوض عقبیٰ	عوض میں غمزے کے دینا کرشمے کے عوض عقبیٰ
لگا ہے ٹھیک اب کی نرخنامہ یار کے در میں	لگا ہے ٹھیک اب کی نرخنامہ یار کے در میں
کہ تاب جلوۂ حسن بتاں ہو آب دیگر میں	کہ تابِ جلوۂ حسن بتاں ہو آب دیگر میں
ابد تک اب خزاں سوتی رہے پھولوں کی چادر میں	ابد تک اب خزاں سوتی رہے پھولوں کی چادر میں
شجاعت کا صلحنامہ نہاں ہر چین ابرو میں	شجاعت کا صلح نامہ نہاں ہر چین ابرو میں
کہ لہریں لے رہی ہے بحر مواج آپ کی بر میں	کہ لہریں لے رہی ہے بحر مواج آپ کی بر میں

رہے پیراہن محبوبِ خالق تری بر میں	رہے پیراہن محبوبِ خالق تری بر میں
ملے شکریہ میں اس بت شکن کو خوانِ صد نعمت	ملے شکریے میں اس بت شکن کو خوان صد نعمت
خدا ہے اس کے گھر میں اور وہ خدائے پاک کے گھر میں	خدا ہے اس کے گھر اور وہ خدائے پاک کے گھر میں
ترے انوار کا پرتو مہ کنعاں کے نقشہ میں	ترے انوار کا پرتو مہ کنعاں کے نقشہ میں
نہ تیرا مثل مظہر میں، نہ ترا مثل مضمر میں	نہ تیرا مثل مظہر میں، نہ ترا مثل منظر میں
ضمیر پاک کا ثانی نہ مظہر میں، نہ مضمر میں	ضمیر پاک کا ثانی نہ مظہر میں، نہ مضمر میں
شمیم خلد کوچہ کی نسیم روح پرور میں	شمیم خلد کوچہ کی نسیم روح پرور میں
کبائر پہلے پوچھے جائیں جب سرکار محشر میں	کبائر پہلے پوچھے جائیں جب سرکار عالی میں
مچلکہ لے لیا دوزخ کے کارندوں سے محشر میں	مچلکا لے لیا دوزخ کے کارندوں سے دم بھر میں
کہیں لکھ دیں نہ نام اپنا گنہگاروں کے دفتر میں	کہیں لکھ دیں نہ نام اپنا گنہگاروں کے دفتر میں
نہیں ممکن کبھی تیرے مدائح سو میں دس لکھنا	نہیں ممکن کبھی اس کے مدائح سو میں دس لکھنا
جو کلک دو زباں ہے وہ زباں دست سخنور میں	جو کلک دو زباں ہے وہ زباں دست سخنور میں
وہ تیری مدح بس ہے جو لکھی خامہ نے قدرت کے	وہ تیری مدح بس ہے جو لکھی خامے نے قدرت کے
کہے کیا خوب طوطی بولتا ہے باغ سرور ﷺ میں	کہے کیا خوب طوطی بولتا ہے باغ سرور ﷺ میں
لگا دیں خاک پا ممدوح کی مداح کے منہ میں	لگا دیں خاک پا ممدوح کی مداح کے منہ پر
سلام غیر محدود آپ ﷺ کی روح معظم پر	سلام غیر محدود آپ ﷺ کی روح معظم پر

آپ نے دیکھا کہ احسن مارہروی لفظ کو امالے کے ساتھ لکھتے ہیں جبکہ محسن بغیر امالہ کے احقر پہلے عرض کر چکا ہے کہ کہیں غلطی کلیات میں ہے کہیں مخمس میں۔ اب وضاحت سے عرض کرتا ہوں کہ مصرع نمبر ۱، ۲، ۵، ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۴، ۲۵ میں ''کلیات نعت محسن میں غلط چھپا ہے اور مصرع نمبر ۳، ۴، ۶، ۷، ۱۴، ۱۹، ۲۰، ۲۳ میں غلطی مخمس میں ہوئی ہے۔ اوپر درج شدہ بارہویں مصرع میں کلیات میں لفظ ''میں'' زائد لکھا گیا ہے ایک لطیفہ یہ ہوا ہے کہ نویں اور دسویں مصرعوں میں کلیات میں دونوں جگہ ''بر'' کو مؤنث لکھا گیا ہے جبکہ مخمس میں ایک جگہ مؤنث' دوسری جگہ مذکر تحریر ہے۔ ہونا مذکر ہی چاہیے تھا۔

''مخمس نعت نبی ﷺ'' کے آغاز میں ۴۴ صفحات کا مقدمہ ہے جس میں ساڑھے نو صفحے تو احسن مارہروی کے لکھے ہوئے ہیں۔ باقی صفحات پر امیر احمد بی اے علوی کاکوروی کی مبسوط اور پر مغز تحریر نقل کی گئی ہے۔ محسن کاکوروی امیر احمد علوی کے نانا تھا۔

احسن مارہروی نے لکھا ہے کہ ''نظم دل افروز'' کی تضمین سب سے پہلے غالباً سید طاہر علی طاہر فرخ آبادی نے کی۔ انہوں نے منشی حیات بخش رسا کی تضمین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مارہرہ میں چار شاعروں نے تخمیس کی صورت میں اس نظم کی تضمین کی۔

سید مخدوم عالم آثر مارہروی

سید امیر حسن دلیر مارہروی

یوسف حسن طیش مارہروی

اور محمد احسن احسن مارہروی

انہوں نے تحریر کیا ہے کہ اس نظم کی ایک درجن سے زیادہ تضمینیں ہوئیں جن میں سے چار چھ زیور طبع سے بھی آراستہ ہوئیں۔ انہوں نے اپنی تضمین کے بارے میں کہا ہے کہ 1322ھ میں لکھی گئی اور اٹھارہ برس بعد چھپ رہی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''تخمیس'' 1340ھ میں اشاعت پذیر ہوئی۔ لکھتے ہیں کہ جب یہ مخمس مکمل ہو گیا اور منشی حیات بخش رسا کے ذریعے محسن کاکوروی کو اطلاع ہوئی تو محسن نے 28 مئی 1904ء کو احسن کو لکھا۔

> ''آج منشی حیات بخش صاحب کا خط جلیسر سے آیا کہ میرے کرم فرما میر اوصاف علی صاحب سیکریٹری کے مکان پر جلسہ ہوا اور بزرگان مارہرہ کی چار تضمینیں پڑھی گئیں اور حقیقت میں بہت عمدہ چاروں تضمینیں ہوئی ہیں اور وہ لوگ بہت ہی لائق اشخاص ہیں لہٰذا بسلسلہ تحریر گزشتہ جو چار پانچ روز ہوئے میں نے لکھی ہے ایک غزل نعتیہ کی چاروں صاحبوں کی تضمینیں میرے پاس بھیج دیجئے۔ کل کے بھیجنے میں تو بہت تکلف ہوگا مگر ایک غزل کی چار تضمینیں کچھ بہت نہیں ہیں۔ آپ کی عنایتوں سے امید ہے کہ دو ہی تین دن میں میرے پاس بھیج دیں۔''

محسن کا ایک شعر ہے:

یدِ بیضا چراغ طور سے روشن کیے دستی
کہ سجدے میں جھکا ہوگا اندھیرا راستے بھر میں

اس شعر کے بارے میں دو معانی سامنے آئے۔ اول یہ کہ شب معراج دستی لئے ہوئے ید بیضا موجود تھا۔ دوم یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ید بیضا کی دستی لئے تشریف فرما تھے۔ محسن نے 5 مئی 1904ء کے مکتوب میں اس کے متعلق لکھا:

> آپ کی صفائی طبیعت اور حسن لیاقت و خوبی بندش اور ترکیب معانی مبانی مجھے اس تاریخ سے معلوم ہو گئی تھی جو آپ نے رسا کی تضمین پر لکھی تھی۔ میں آپ کے اس خط کا نہایت شکر گزار ہوا۔ شعر کے معنی وہی صحیح ہیں جو آپ نے معنی اول قرار دیئے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں مشعل کا ہونا خلاف ادب ہے۔ معنی ثانی ہرگز مقصود شاعر نہیں ہیں۔ آپ غور کیجئے کہ اس مطلب کے ساتھ یا دوسرے مطلب کے ساتھ جس کو معنی ثانی آپ لکھتے ہیں' مصرع ہائے تضمین کیا اور ربط رکھتے ہیں۔ حقیقت میں تضمین کے مصرع' شعر کی مناسبت سے ہونا چاہیے۔ مثلاً ید بیضا کی حسن

خدمت محض بنظر تعظیم تھی ورنہ ممدوح کے جمال جہاں آراء سے سب اندھیرے سٹ جاتے۔''

محسن کے مصرع ''باستقبال آیا مرحبائے آدم وعیسیٰ'' میں مرحبا کو مذکر باندھا گیا ہے۔ احسن مارہروی نے اس کے متعلق استفسار کیا تو 11 '12 مئی 1904ء کے خط میں محسن کاکوروی نے لکھا:

''مرحبا کی تذکیر و تانیث مجھ کو معلوم نہیں ہے لیکن چونکہ علامت تانیث کی پائی نہیں جاتی' لہٰذا بحیثیت تذکر اس کا استعمال میں نے پسند کیا اور میں نے ساری عمر نہ کسی کو استاد کہا' نہ کسی کی زبان کا پابند ہوا۔ نہ ایسی شاعری کا قصد کیا کہ اس کی حاجت ہوتی۔ کبھی کبھی دو چار شعر نعت کے لکھے' بقصد عبادت اور معذوریٔ ہاتھ کے سبب باریک کاغذ پر میں لکھ نہیں سکتا۔ اس سبب سے اس کاغذ (چھپے ہوئے کارڈ) پر لکھا ہے۔''

احسن مارہروی نے لکھا ہے۔ ''چونکہ آفرین' شاباش' واہ واہ' یہ سب کلمات تحسین اردو میں مؤنث مستعمل ہوتے ہیں' اسی ضمن میں مرحبا کو بھی مؤنث کہا ہے چنانچہ جلال لکھنوی اپنے رسالہ ''مفید الشعراء'' میں اور جلیل مانکپوری نے رسالہ ''تذکیر و تانیث'' میں اس لفظ کو مؤنث ہی لکھا ہے اور مثال میں جان صاحب (ریختی گو) کا یہ شعر دیا ہے:

تو جو اسے سوت بہت سوتی ہے
مرحبا چار طرف ہوتی ہے

بہرحال جیسا کہ مولانا محسن نے اپنے خط میں لکھا ہے' وہ ان شعراء میں نہ تھے جن کو خواہ مخواہ تقلید کی مجبوریوں سے دوسروں کی پابندی لازمی ہوتی۔''

محسن کاکوروی کے محولہ بالا مکتوب میں جو ہاتھ کی معذوری کا ذکر ہے' اسے اسی ''نظم دل افروز'' میں دست شکستہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ احسن کا خمسہ یوں ہے:

کلید گنج استغنا ہے کس دست شکستہ میں — اسی میں ہے ترا دامن' ہے جس دست شکستہ میں
خدایا! بخش دے اتنی تو حس دست شکستہ میں — ''سفارش نامہ ہو مولا کا اس دست شکستہ میں''
''پکاریں جب مجھے سرکار عالی جاہ و داور میں''

حاشیے میں احسن لکھتے ہیں۔ ''حضرت محسن ایک مرتبہ گاڑی سے گر پڑے تھے جس کے صدمے سے سیدھے ہاتھ میں چوٹ آ گئی تھی۔ اس صدمے سے ہاتھ اٹھانے میں تکلف ہوتا تھا۔'' (ص ۲۲) محسن کے نواسے امیر احمد علوی نے اپنے تبصرے کے آخر میں اس حادثے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''ایک مرتبہ گاڑی پر سوار تھے گھوڑے نے شرارت کی۔ گاڑی سے کود پڑے۔ دست راست کی ہڈی اکھڑ گئی تھی۔ معالجے سے ہڈی اپنی جگہ پر آ گئی تھی' بے تکلف ہاتھ سے کام لیتے تھے مگر ہاتھ کے بلند کرنے میں کسی قدر تکلیف ہوتی تھی۔'' (ص ۴۴)

راقم الحروف (راجا رشید محمود) کو اس بات پر تعجب ہوا کہ احسن مرحوم نے ''مرحبا'' کی تذکیر و تانیث کا ذکر تو کیا ہے۔ ''کاجل'' کو نہیں چھیڑا۔ محسن نے لکھا:

نگاہیں مہر طلعت کے مقابل خیرہ ہو جاتیں
شب معراج اگر کاجل نہ ہوتی چشم اختر میں

اور احسن نے اسی طرح اپنی تخمیس میں بھی اسے نقل کیا:

خدا کی حکمتیں چشم عنایت گر نہ فرماتیں — تو کیا نیرنگیاں انوار عالی کی نظر آتیں
نظر آنا تو کیسا' دیکھنے کی یہ سزا پاتیں — ''نگاہیں مہر طلعت کے مقابل خیرہ ہو جاتیں
شب معراج اگر کاجل نہ ہوتی چشم اختر میں''

جبکہ کاجل ہندی کا لفظ ہے اور مذکر ہے۔ خود محسن مرحوم کے صاحبزادے' مولوی نور الحسن نیر نے ''نور اللغات'' میں اسے مذکر لکھا ہے اور مثال میں یہ سندیں نقل کی ہیں۔

تیغ وہ تیز' سمائے جو کہیں آنکھوں میں — کاجل آنکھوں کا اڑے' پر نہ ہو پتلی کو خبر
(قدر)

چشم سرمست مئے ناز میں کاجل پھیلا — لب میگوں پہ مسی کی پڑی پھیکی رنگت
(ذوق)

خیر سے کاجل گھلا رہتا ہے اب تو ہر گھڑی — اس بلا کو پالنا آنکھوں میں دیکھے اچھا نہیں
(داغ)

امیر احمد بی اے علوی کاکوروی نے کلام محسن پر جو تبصرہ کیا اور اسے احسن مارہروی نے اختصاراً نقل کیا ہے' اس کی علمی وجاہت' موضوع سے مناسبت اور نعت گوئی پر محاکے کی صورت اس قابل ہے کہ وہ نعت پر کام کرنے والوں کے سامنے رہے لیکن چونکہ اس میں بطور خاص ''نظم دل افروز'' پر گفتگو نہیں کی گئی اس لئے اس پر مزید بات کرنا میرے موضوع سے مناسبت نہیں رکھتی۔

محسن کاکوروی کی نظم کے چند اشعار پر احسن مارہروی کی تضمین کی صورتیں نذر قارئین کرام ہیں۔

مدینے کی زمیں شاہ دو عالم ﷺ کو پسند آئی
بنا کر اس کو دارالسلطنت کی عزت افزائی
مگر تنہا عرب ہی تک نہیں یہ جلوہ فرمائی
''نبوت کا تجمل' اصطفا کی مسند آرائی
فلک کی ہفت اقلیم اور زمیں کے ہفت کشور میں''

جمال پاک کی دیکھی جو خوش روئی خوش اسلوبی
ندامت کے عرق میں ماہ نو کی ناؤ تک ڈوبی

ملی کس مہر طلعت کو بجز احمد ﷺ کے یہ خوبی
''ہوا ہے اللہ اللہ مطلع انوار محبوبی
شرف کی پہلی منزل تھی بنی ہاشم کے اختر میں''

سبق پڑھتے تھے تنہا علمہ الاسماء کا آدمؑ
ہوئے تھے لن ترانی سے کلیم اللہ بھی ملہم
مگر تیرے لئے اللہ نے اے سرور عالم ﷺ
''عیاں فرما کے نور علمک مالم تکن تعلم
کلام پاک کے تارے اتارے قلب انور میں''

بجا ہے فخر احمد ﷺ کو احد سے ربط بے حد کا
محافظ ہے وہی گنجینہ نور مجرد کا
مگر رہتا کہاں تک بند قفل اک حرف ابجد کا
''تعجب کیا' معما کھل گیا گر میم احمد ﷺ کا
کہ ہے نیرنگ بے رنگی ہمیشہ رنگ دیگر میں''

دو رنگی نے جو یک رنگی دکھائی عشق کامل میں
کبھی آیا نقش یک جان و دو قالب ایک منزل میں
سمجھ کا پھیر ہے ہیں ورنہ دونوں ایک محفل میں
''گھر اس کا کعبہ اور اللہ اس کے کعبۂ دل میں
خدا ہے اس کے گھر اور وہ خدائے پاک کے گھر میں''

نہیں بے وجہ پہلے سورۂ الحمد قرآں میں
غرض یہ تھی' رہے احمد ﷺ بھی شامل حمد سبحاں میں
کسی صورت سے ہو موجود ہے پیدا و پنہاں میں
''ترا اسم گرامی زیر بسم اللہ عنواں میں
ازل کے ہر صحیفے میں' ابد کے ہر رجسٹر میں''

منقش آیت الکرسی ہے جس پر' وہ نگیں تو ہے
کہا من ذالذی یشفع جسے وہ بالیقیں تو ہے
نہیں قید مکاں کوئی جہاں دیکھا وہیں تو ہے
''غرض ہر جا شفیع و رحمت اللعلمیں تو ہے
زمیں میں آسماں میں' جنت الماویٰ میں' محشر میں''

بہت جوہر دکھائے سب نے اپنی قابلیت کے
ہزاروں نے لکھے لاکھوں مضامیں تیری مدحت کے
مگر آخر میں یہ کلمے سنے ہر ذی لیاقت کے
''وہ تیری مدح بس ہے جو لکھی خامے نے قدرت کے
نبوت کے صحائف میں' خداوندی کے دفتر میں''

فشار قبر کے صدمے نہ کچھ اعضاء مرے سہتے
فرشتوں کے سوالوں سے نہ دل میں وسوسے رہتے
تمنا ہے کہ سیل آب رحمت میں ترے بہتے
''نکیر و منکر آئیں قبر میں میری' یہی کہتے
کہ سو آرام سے یادِ خدا' حب پیمبر ﷺ میں''

صف محشر میں جب مجھ کو فرشتے لے چلیں آکر
پڑے راہ عبادت سے نہ میرا اک قدم باہر
وضو لازم نہیں ہوتا سفر کی وجہ سے اکثر
''لگا دیں خاکِ پا ممدوح کی مداح کے منہ پر
تیمم کر کے داخل ہوں نمازِ صبح محشر میں''

میرے ذخیرۂ کتب میں شیخ الہ بخش گنائی لاہوری کا مرتبہ ''مکمل گلدستہ حضرت محسن کاکوروی'' بھی ہے۔ جو پہلی بار 1342ھ میں اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے چھپا۔ ناشر شیخ جان محمد الہ بخش تاجران کتب اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور ہیں۔ اس میں سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مثنوی صبح تجلی، مخمس نعتیہ، تضمین بطور مناجات۔ (اس کتاب میں یہ کسی عنوان کے بغیر شامل کی گئی ہے) رباعیات نعتیہ، مدیح خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور نظم دل افروز شامل ہیں۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ''کلیات نعت محسن'' (جو شاعر کے ایک صاحبزادے محمد نور الحسن نے مرتب کی ہے) میں ''نظم دل افروز'' کے 74 اشعار ہیں۔ دو اشعار کلیات میں شامل نہیں ہیں۔ کلیات میں بے احتیاطی کے سبب نظم کے آخری 19 اشعار نظم کے درمیان میں لگ گئے ہیں یہ دونوں غلطیاں ''تخمیسیں'' کے مطالعے سے ظاہر ہو گئیں اور اس کی تائید ''مکمل گلدستہ حضرت محسن کاکوروی'' سے بھی ہوتی ہے اور اشعار کی ترتیب میں غلطی کی تائید مزید ذوق بھی کرتا ہے۔ اس کے باوجود راقم نے درج ذیل چند وجوہ سے ''مکمل گلدستہ......'' کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور اس کے مجمل ذکر کو بھی مؤخر کرنا' مناسب سمجھا ہے:

(ا) یہاں ''نظم دل افروز'' کے صرف 64 اشعار دیئے گئے ہیں۔ پہلے دو اشعار کے بعد درج ذیل تین اشعار غائب ہیں:

نئی الفت کا میٹھا درد ہو تقسیم اعضاء میں
کہ بسم اللہ طفلِ اشک کی ہے دیدۂ تر میں

وصال و ہجر میں ہے بے قراری ایک حالت پر
نہیں کیا اک گھڑی کا چین بھی میرے مقدر میں

خدا کے واسطے اے قیس کیوں مجھ کو ستاتا ہے
نہ کہتا تھا کہ ہے کچھ کچھ مروت میرے دلبر میں

پھر ایک شعر کے بعد یہ ایک شعر بھی درج نہیں ہے:

جگہ دے مجھ کو میرے دل ربا کے غنچۂ دل میں
بہار اب کی برس رکھے مجھے زندانِ دیگر میں

آٹھواں شعر یہاں چوتھا ہے۔ درج ذیل نواں شعر بھی شامل نہیں کیا گیا:

کبھی ہے مشکل موزوں تیری ہر آئینۂ دل میں
ہر اک مصرع ترے قد کا ہزاروں بحر کی بر میں

درج بالا اشعار کے بارے میں تو سوچا جاسکتا ہے کہ یہ تمہید کے اشعار تھے، مرتب نے انہیں مناسب نہیں سمجھا لیکن درج ذیل مزید اشعار بھی اس نسخے میں جگہ نہیں پا سکے۔

ہوا ہے اللہ اللہ مطلع انوار محبوبی
شرف کی پہلی منزل تھی بنی ہاشم کے اختر میں

نگاہیں مہر طلعت کے مقابل خیرہ ہو جاتیں
شب معراج اگر کاجل نہ ہوتی چشم اختر میں

پڑھا ہاتف نے بسم اللہ سبحان الذی اسرا
جب آیا خانہ زین براقِ برق پیکر میں

باستقبال آیا مرحبائے آدمؑ و عیسیٰؑ
جو پہنچا خدمت والا پدر عالی برادر میں

ید بیضا چراغ طور سے روشن کیے دیتی
کہ سجدے میں جھکا ہوگا اندھیرا راتے بھر میں

دعا یوسفؑ کی اے ہر دلعزیز انجم بقربانت
رہے پیراہنِ محبوبِ خالق تری بر میں

وہ دن جلد آئے یارب جب ہوں پیش اعمال امت کے
قریبِ عرش کرسی ہو تری دربار داور میں

(۲) پہلے ہی شعر (مطلع اول) کے دوسرے مصرعے "یہ مہمان عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں"...... میں کس کے بجائے "کسی" لکھا ہے۔

(۳) "نظم دل افروز" کے متعلق حاشیے میں ہے کہ "یہ وہ مشہور نظم ہے جس پر بہت تضمینیں لکھی گئی ہیں جن میں سب سے مشہور "مخمس نعت نبی ﷺ" کے نام سے ہے یہاں غلطی سے تضمین نگار کا نام علی احسن کے بجائے "علی حسن" لکھا گیا ہے۔

راقم الحروف آخر میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے مولوی محمد محسن محسن کاکوروی کے متعلق ان کے نواسے امیر احمد بی اے علوی کاکوروی کے چند فقرے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہے کیونکہ یہی دولت ہر نعت گو کے لئے اثاثہ حیات ہونی چاہیے۔

امیر احمد کہتے ہیں:

"محسن کو ایک اور نعت بھی میسر تھی اور اسی کو ان کی مقبولیت کا اصلی راز سمجھو۔ اس

نعت سے مراد وہ سچی محبت ہے جو ان کو رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ تھی اور اسی خلوص عقیدت کا ثمرہ ہے کہ جب نعت احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لئے قلم اٹھاتے ہیں تو بوجہ اظہار جذبات میں صادق البیان ہونے کے الفت حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ان کی زبان سے جو لفظ نکلتا ہے وہ الہام کا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔"

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

اقبال صدیقی

نعتیہ شاعری میں ہندی اصطلاحات کے بانی

علامہ محسن کاکوروی کے کلام پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ وہ برصغیر انشاء کے واحد نعت گو شاعر ہیں جنہوں نے قرآن و احادیث کی روشنی میں نعت گوئی کو ایک نیا موڑ دیا۔ یہ موڑ تھا ہندوستانی مزاج' ماحول اور جغرافیائی کیفیت کے ذریعہ اظہار عقیدت کا پاکیزہ طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے ''دجلہ اور فرات'' کے ذکر کے بجائے گنگا' جمنا اور کاشی بطور پس منظر کے استعمال کئے اور اس طرح سیکڑوں ہندی اصطلاحوں کا غالباً پہلی مرتبہ نعتیہ کلام میں استعمال کر کے نعت گوئی کی ایک منفرد ہندوستانی تاریخ کی داغ بیل ڈالی۔ اس مشکل اور پر از خطرات راہ پر ان کے ہمعصروں نے اور اس کے بعد بعض شعراء نے چلنے کی کوشش کی لیکن ان کی انفرادیت اپنی جگہ محفوظ رہے گی...... ملاحظہ ہوں۔

سراپائے رسول اکرمؐ کے یہ بند۔

دیں پکارا کہ مرے گھر میں اجالا کر دے
مثل مردے کے پڑا ہوں مجھے زندہ کر دے
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

طالع خفتہ کو ہم چشم زلیخا کر دے
دستگیری مری فرما مجھے برپا کر دے
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کنویں جھانکا کروں کنعاں کے تو سودا ہے مجھے
خبط ہے گریۂ اعجاز مسیحا ہے مجھے
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

طور پر جاؤں تو ناحق کا بھٹکنا ہے مجھے
سچ تو یہ ہے کہ ترے گھر میں کمی کیا ہے مجھے
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پھر فرماتے ہیں۔

رگ جو کانٹا ہے تو شاہین ترازو تر ابرو
مردمک سنگ ہے اور پلہ ہے چشم دلجو

آنکھ پڑ جائے اگر جانب امت سرمو
صاف رکھی رہے میزان قیامت یکسو

آپ پلہ پہ ہمارے ہوں تو کیا کھٹکا ہے
مردم چشم کہیں جھنے اسے تولا ہے

اور پھر ''ابیات نعت'' میں ہندی استعارات استعمال نے کلام میں ایک معنی خیز دلکش چاشنی پیدا کر دی ہے جو ہر پڑھنے والے کو مسحور کر رہی ہے۔

ملاحظہ ہو

نکالی چتیاں چوٹی کی گیسوئے مسلسل سے
معما نام رکھا ہے تری موئے مقعد کا

اتارا کاسہ سر باڑھ کے ڈورے نے دم بھر میں
ہوا چاک اوس سے گر برگشتہ ہو کر قلب مرتد کا

عجب کیا ہے جو خواب ناز میں سوتی ہوئی ناگن
نہ کھولے آنکھ گر چھینٹا نہ دیں آب زمرد کا

مناجاتی کا آنسو ڈھل کے اس کے آستانے سے
ہوا ہے درہ التاج سعادت فرق فرقد کا

فلک اب کو کب دمدار کی جھاڑو اٹھا رکھے
ملائک ڈھونڈھتے پھرتے ہیں سرمہ خاک مرقد کا

محمدؐ مصطفےٰ پتلا ہے تو نور مجرد کا
ہوا خورشید اقلیم عدم سایہ ترے قد کا

کمند دل رہے چھوٹے نہ تیری ڈور کا پھندا
جو ٹوٹے دم کا دھاگا طائر روح مقید کا

ہے چاندنی ایک ماہ پیکر
سورج کبھی آفتاب انور

حضرت محسن کاکوروی کی مشہور مثنوی ''فغان محسن'' میں یہ رنگ بھرپور طریقہ پر ملتا ہے جو انہوں نے اپنی طویل علالت سے صحت یاب ہونے کے بعد لکھی تھی۔

ملاحظہ ہو۔

سبب کیا کہ میں سر کو دھننے لگا
ہوا کیا کہ میں تنکے چننے لگا

نیا راگ لائی مری بے کسی
چھٹا دیس جنگلے کی دھن ہو گئی

پسینے بھی دیکھے نکلتے ہوئے
ہے گھبراہٹ اتنی مجھے کس لئے

نہ قل ہو نہ پھول اور نہ میلہ رہے
مرا مردہ سب کو اکیلا رہے

نہ شمع لحد کا بھی آنسو بہے
فقط بے کسی مجھ کو روتی رہے

ایک دوسری ناتمام مثنوی ''نگارستان الفت'' میں ان کا یہی رنگ جھلکتا ہے۔

زردی چھائی ہوئی رخساروں پر
جن کی کلیوں میں چبھتے ہیں کانٹے

بیٹھے بٹھلائے یہ سودا تجھ کو
کیا ہوا میرے کنھیا تجھ کو

جب حضرت محسن کاکوروی نے قصیدہ ''مدح خیر المرسلین'' لکھا تو اس وقت کے شعراء میں سے بعض نے اس میں متھرا' گوکل اور کنھیا کے ذکر کو بے محل گردانا۔ ہر دیکھنے والے نے اپنے آئینہ دل اور ظرف علم کے مطابق اس متنازعہ قصیدہ پر اظہار خیال کیا۔ انہیں بھی سپر ڈالنا پڑی اس قصیدہ کا یہ مصرع تو اب بھی تقریباً ہر علم دوست کی زبان پر حضرت محسن کاکوروی کے نام کے ساتھ آ جاتا ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی — ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

دیکھیے ہوگا سری کشن کا درشن کیونکر — سینہ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں — تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
ایک میلا تھا ہنڈولہ کا بھی گرداب بلا — نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

اشنان کی دلکشی، گوپیوں کیجانب سے کنھیا جی کے درشن کی تڑپ اور ان کی بیکلی کی منظر کشی کے ساتھ ہی ساتھ اس پورے قصیدہ میں محسن کاکوروی نے اس ظلمت اور انسانیت دشمن تاریک ماحول کی تہذیبی قدروں کو اجاگر کیا ہے جن کو ایک ابدی رشتہ حیات سے جوڑنے کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

علامہ محسن کاکوروی نے اس وقت پھیلی ہوئی عالمی ذہنی انتشار پسند ماحول کی عکاسی پوری احتیاط کے ساتھ اس طرح کی ہے۔

دل میں کچھ اور ہے پر منہ سے نکلتا ہے کچھ اور — لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے انگل
کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا — کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر — گھاگرا پر کبھی گزرا کبھی سوئے چمبل
چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم و نیل — نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل

ہر سمت اس نئے آنے والے کا انتظار تھا۔ فرشتے سجدہ ریزی کی آرزو سے تڑپ رہے تھے۔ زمین اس کی قدمبوسی کے لئے خاک اڑا رہی تھی۔ آفتاب اس کی روشنی کی جھلک سے اپنی حرارت کو متوازن کرنے کی خواہش سے گردش میں تھا۔ مہتاب اس روشنی سے سکون کا طلبگار تھا۔ ستارے اسے اردگرد قربان ہو جانے کو تیار تھے اور آخر صدیوں کے انتظار کے بعد وہ وقت آگیا جب۔

عاشق جلوۂ طلبگار کہیں چشم قبول — ناز معشوق کے پردے میں کہیں حسن محل
گل بیرنگی مطلق کے لہکتے گلزار — بے نیازی کے ریاحیں کے مہکتے جنگل
باغ تنزیہہ میں سرسبز نہال تشبیہ — انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کونپل
گل خوشرنگ رسول مدنی عربیؐ — زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر — نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر — بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو — شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول
منتخب نسخہ وحدت کا یہ تھا روز ازل — کہ نہ احمد کا ہے ثانی نہ احد کا اول

علامہ محسن کاکوروی نے اپنے معترضین سے خاموشی اختیار کی لیکن اپنے بعض احباب کی ضد اور بے حد

اصرار پر چند شعر ضرور کہے جس سے ان کی توحید پرستی تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا بھرپور اظہار ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

تاہم اک لطف ہے خاص اس میں جو سمجھا دانا — کہ سخن اور سخنور کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز — رجعت کفر بایماں کا کرے مسئلہ حل
چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدہ کی شبیہ — نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دین خدا — مئے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل
ہوا مبعوث فقط اس کے مٹانے کے لئے — سیف مسلول خدا نور نبی مرسل
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو — شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول

علامہ محسن کاکوروی کی شخصیت وہ منفرد شخصیت ہے جنہوں نے خالص ہندوستانی ماحول سے ولادت باسعادت کے اسباب و علل کی بھرپور عکاسی کی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ قدم قدم پر احادیث نبویؐ اور قرآنی تعلیمات کے متعین کردہ حدوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ وہ اپنے جذبہ وارفتگی اور عقیدت مندی کی پرخلوص دھڑکنوں میں بھی انسانیت کی کسک محسوس کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری، شاعری، قصیدہ گوئی یا غزل گوئی اس میں ہر جگہ مدح صحابہؓ کے اشعار ضرور ملتے ہیں۔ اس کا اظہار بھی انہوں نے بڑے دلکش انداز میں کیا ہے۔

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل — میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی — نہ مرا شعر قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے — صرف تیرا ہو بھروسہ تری قوت تراابل

اخلاق حسین عارف

محسن کاکوروی...... شخصیت اور فن

کہتے ہیں کہ کسی گھر کے بڑے بوڑھوں کا اخلاق اور گھریلو ماحول کا اگر تجزیہ مقصود ہو تو اس گھر کے بچوں کے اخلاق و کردار کو جانچو' کیونکہ وہی پورے ماحول کی کسوٹی ہیں اگر طفل خورد سال اس معیار پر پورے اترتے ہیں تو سمجھ لو کہ بزرگ بھی اعلیٰ اخلاق کے حامل ہوں گے۔

اسی چیز کے پیش نظر اگر لکھنؤ کے علمی' ادبی اور تمدنی معیار کا جائزہ لینا مقصود ہے تو کسوٹی اس کے قریب و نواح کی وہ چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہیں جو قصبات پر مشتمل ہیں۔ بلگرام' جائس' موہان' نیوتنی' سندیلہ' ردولی' خیر آباد اور کاکوری وغیرہ ان قصبات نے کیسی کیسی شخصیتیں پیدا کیں اور ہر شعبہ حیات میں وہ لوگ کن کن مدارج پر نامور ہوئے تاریخ کے اوراق اس کے شاہد ہیں انہیں شخصیتوں میں ایک مولانا محمد محسن کاکوروی بھی ہیں جن کا تذکرہ اس مضمون میں مقصود ہے۔ بقول ڈاکٹر مصطفےٰ حسن علوی سابق پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی محسن کاکوروی کا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔

> ''گندمی رنگ' متعدل قامت' گداز جسم' گول چہرہ' ہلکے ہلکے چہرہ پر چیچک کے داغ' کبھی خشخشی داڑھی ہوگی اور خضاب لگاتے ہوں گے۔ سنجیدگی بشرہ سے عیاں' متانت جسم کے جز جز سے نمایاں' چال ڈھال سبک' رفتار گفتار میں خفت اور ہلکا پن رفتار عمر کے تقاضے سے اور گفتار کسی تیز دوا کے استعمال سے حنجرہ میں خشکی کے باعث' مزاج نمود و نمائش سے متنفر' طبیعت سادگی پسند' اجلا اور صاف کپڑا زیب پر مکلف اور رنگین عبائیں قبائیں ناپسند اور نامطبوع سخاوت میں حاتم اور اعزہ اور احباب پروری کے ڈھنگ اور نئے نئے انداز کے موجد شکستن دل دوستاں جہل و کفارۂ یمین' سہل کے عملی پیکر' ڈپلومیسی ابن الوقتی اور حکمت عملی کے دل سے مخالف' ملنے جلنے والوں' متعلقین' متعلقات اور رشتہ داروں کے سامنے ہمہ اخلاق و ہمہ کرم و ہمہ محبت و مروت' غیروں کی خوشیوں سے خوش' رنجوں سے رنجیدہ اور ملول' سچی ہمدردی' پرانی اخوت و محبت کے مجسمہ دوسروں کی الجھن' دوسروں کی چشم تر دیکھ کر خود چشم تر' اقارب اور جانب سب سے بخندہ پیشانی ملنا' کافر' مسلم' شیخ' برہمن' سب کے دامے' درمے' قدمے' سخنے'

> شریک حال' اغماض اور تسامح ان کا سرمایہ خمیر' چھوٹوں کی خطاؤں پر خود متاثر اور بڑوں کی عطاؤں پر دل سے ممنون و متشکر۔''

موصوف چونکہ خود قصبہ کاکوری سے نسبت رکھتے ہیں اس لئے احتمال گزر سکتا ہے کہ انہوں نے مولانا محسن کاکوروی کے بارے میں کسی قدر فیاضی سے اپنے تاثرات قلم بند فرمائے ہوں گے مگر اس امر کی تصدیق ان دوسرے تذکروں سے ہو جاتی ہے جو راقم الحروف کی نظر سے گزرتے ہیں۔ اردو ادبیات کے مؤرخین اور چوٹی کے تذکرہ نگاروں نے جس طرح محسن کاکوروی کو پیش کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد اس امر میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔

محسن کاکوروی 1242 ہجری میں قصبہ کاکوری میں پیدا ہوئے جو لکھنؤ کے مضافات میں تقریباً نو میل جانب مغرب واقع ہے ان کے جد امجد مولوی حسین بخش شہید نے اوائل ہی سے انہیں اپنی تربیت میں لے لیا۔ انہوں نے اپنے والد مولوی حسن بخش سے عربی اور فارسی کی تحصیل کی جو اپنے زمانہ کے جید عالم تھے اس کے علاوہ انہوں نے مولوی عبدالرحیم سے بھی درس لیا۔ مولوی ہادی علی اشک سے جو عالم باعمل گزرے ہیں شعر و سخن پر اصلاح لیتے رہے۔

علوم دین کے علاوہ محسن نے ضرورت وقت کے پیش نظر دوسرے علوم کی تحصیل کی اور شغل وکالت کے معیار تک پہنچنے کے بعد عہدہ نظارت پر کام کرتے رہے حتیٰ کہ ہائی کورٹ کا امتحان پاس کر لیا اور باقاعدہ وکالت شروع کر دی مگر یہ پابندیاں ان کے مذاق طبیعت کے خلاف اور رجحان طبع کے منافی ہیں۔ بالآخر وہ اپنے وطن میں آکر اقامت گزین ہو گئے اور کچھ دنوں کے بعد تو تمام دنیوی امور سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے کو یاد خدا اور شغل شعر و شاعری تک محدود کر لیا۔

محسن کے حسن کی دلکشی اور دیدہ زیبی وہ شیریں کلامی ہے جو شاعری کے پیکر میں ہمارے اردو ادبیات کا ایک گراں بہا حصہ ہے۔ انہوں نے اپنے قصیدوں' غزلوں' رباعیوں' مثنویوں اور مسدسوں کی شکل میں جو ہمارے لئے چھوڑا ہے وہ گراں بہا خزانہ ہے جس سے ہم مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں چیدہ چیدہ ترکیبیں' غرابت الفاظ' دقت معانی' اچھوتے اسلوب' جستہ جستہ تلمیحیں' میٹھی میٹھی زبان' ملاحت آمیز سادگی محبت کے انداز' پیار کے پہلو' حقائق کی فراوانی' صداقت کی بہتات' مجاز کی جھلک' تشبیہات و استعارات کی رنگینی' ادب و لحاظ کے لہجے' رتبہ شناسی کے ڈھنگ' قابل تحمل و برداشت مبالغہ' متین و مستحکم تصریحات' سلیس اور واضح توضیحات' شگفتہ بندشیں' پرشکوہ تعبیریں' غرضیکہ وہ سب کچھ برتا ہے جو شاعری کے لوازمات میں سے ہے کہتے ہیں کہ انہیں ایام طفلی ہی سے ذوق شعری تھا۔ جو طفولیت سے لے کر شباب' کہولت' شیخوخیت غرضیکہ کسی دور زندگی میں بھی ماند نہیں پڑا نہ انہوں نے زندگی کے کسی دور میں شغل شاعری سے کنارہ کشی اختیار کی' نہ ہی مشاغل دنیوی اور فرائض منصبی ہارج و مانع ہوئے۔

حکیم مومن خاں مومن کی طرح محسن کو بھی امراء اور روسا کی شان میں مدحیہ قصائد و منظومات تہنیت لکھنے

سے ہمیشہ متنفر رہے کیونکہ نہ وہ داد و دہش کے کبھی متمنی ہوئے نہ ان کی قدردانی اور ناقدری کے خواہش مند۔ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنے تاثرات قلم بند کئے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار میں ان کا روئے سخن جناب سرورِ کائنات کی جانب ہے فرماتے ہیں۔

سوا تیرے کسی کی مدح کرنا جن کا شیوہ ہے
یہ سچ ہے وہ لئے پھرتے ہیں جھوٹا قفل ابجد کا

یہ خواہش ہے کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی
نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہل دنیا کی خوشامد کا

اسی طرح ایک مقام پر پھر فرماتے ہیں۔

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیرے خالی
نہ میرا شعر' نہ قطعہ' نہ قصیدہ نہ غزل

ظاہر ہے کہ ان خیالات کا حامل شاعر دنیا والوں کی مدح کیونکر کر سکتا ہے؟

محسن اپنے دور کا قادر الکلام شاعر گذرا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں آ چکا ہے کہ انہوں نے شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی۔ وہ اپنی طلاقت لسانی' روانی بیان اور سلاست تحریر کے لئے مشہور ہے۔ محسن کا ہر دور کا کلام علی الترتیب دستیاب نہیں لیکن باستثنائے بعض سارے کا سارا کلام خواہ وہ کسی بھی نوعیت کا ہو مدحیہ اور منقبت سے پر ہے طوالت مضمون کے پیش نظر انواع سخن سے قطع نظر ذیل میں ان کی ایک مشہور و مقبول نظم "مدیح خیر المرسلین" جو انہوں نے 1292ھ میں رقم کی تھی دی جاتی ہے اس نظم کا مطلع اس قدر مشہور ہے کہ زبان زد خاص و عام ہے اس نظم میں تشبیب کو برتا گیا جس کی وجہ سے نظم گنگا جمنی' الفاظ کے ذخیرے سے مرصع ہو کر حد درجہ مالا مال' زبان کی چاشنی اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہو گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ
کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل

دھرکا ترسا بچہ ہے برق لئے جل میں آگ
ابر چوٹی کا برہمن ہے لئے آگ میں جل

ابر پنجاب تلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم
برق بنگالہ ہے ظلمت میں گورنر جنرل

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی
پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل

دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن
سینہ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

اب کے میلہ تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا
نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

تہ و بالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے
بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل

کبھی ڈوبی کبھی و چھلی مہ نو کی کشتی
بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل

قمریاں کہتی ہیں طوبیٰ سے بمزاج عالی
لالہ باغ سے ہندوئے فلک کھیم کسل

شب دیجور اندھیرے میں ہیں ظلمت کے نہاں
لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل

شاہد فکر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ
چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید
ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیر زحل

وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع
گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈھے اسے لیکر مشعل

نور کی پتلی ہوئی پردۂ ظلمت میں نہاں
چشم خورشید جہاد ہیں میں ہیں آثار سبل

آتش گل کا دھواں بام فلک تک پہنچا
جم گیا منزل خورشید کی چھت میں کاجل

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل

جس طرف سے گئی بجلی پھر ادھر آنہ سکی
قلعہ چرخ میں ہے بھول بھلیاں بادل

فیض طیب ہوا نے یہ دکھائی تاثیر
زر محلول ہے اخگر تو کھرل ہے منقل

آب آئینہ تموج سے بہا جاتا ہے
کہئے تصویر سے گرنا نہ کہیں دیکھ سنبھل

آج یہ نشو و نما کا ہے ستارہ چمکا
شاخ میں کاہکشاں کے نکل آئی کونپل

دیکھتے دیکھتے بڑھ جاتی ہے گلشن کی بہار
دیدۂ نرگس شہلا کو نہ سمجھو احول

خضر فرماتے ہیں سنبل سے تری عمر دراز
پھول سے کہتے ہیں پھلتا رہے گلزار امل

عطر افشاں ہے شبیہ گل نسرین و سمن
نخل واؤدی موئی سے ٹپکتا ہے عسل

لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ
چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمیں پر مخمل

جگنو پھرتے ہیں جو گلبن میں تو آتی ہے نظر
مصحف گل کے حواشی پہ طلائی جدول

ہمزباں وصف چمن میں ہوئے سب اہل چمن
طوطیوں کی ہے جو تضمین تو بلبل کی غزل

تخت طاؤسی گلشن پہ ہے سایہ کئے ابر
چتر کھولے ہوئے فرق شہ گل پر سینبھل

جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں
لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

آہ قمری میں مزا اور مزے میں تاثیر
سرو میں دیکھئے پھول آنے لگے پھول میں پھل

شاخ پر پھول ہیں جنبش میں زمیں پر سنبل
سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار اور پیدل

پھول ٹوٹے ہوئے پھرتے روشوں پر ہیں نسیم
یا سڑک پر ہیں ٹہلتے ہوئے گلگلوں کوتل

شجرۂ پیر مغاں میں نکل آئیں شاخیں
حرمت دختر رز میں نظر آتا ہے خلل

ساتھ ساتھ آتے ہیں نالوں کے جگر کے ٹکڑے
شجرہ آہ رسا میں نکل آئی کونپل

سبزۂ خط سے ہوا ہونے لگی سرخی لب
چمن حسن سے لال اڑ گئے بن کر ہریل

مصر والوں کو یہ ڈر ہے کہ زلیخا کے لئے   سربازار نہ بکنے لگے سودے کا خلل
مے گلرنگ ہے کیا شمع شب فکر کا پھول   چلتے چلتے جو قلم ہاتھ سے جاتا ہے پھسل
کیا جنوں خیز ہے لکھتے میں صریر نئے کلک   کہ سیاہی سے ہے ہر حرف کو سودے کا خلل
ہے سخن گو کو نہ انشا کی نہ املا کی خبر   ہو گئی نظم کی انشاء و خبر سب مہمل
دل میں کچھ اور ہے پر منہ سے نکلتا ہے کچھ اور   لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے اٹکل
کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا   کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر   گھاگھرا پر کبھی گذرا کبھی سوئے چمل
چھینٹے دینے سے نہ محفوظ ہوئے قلزم و نیل   نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل
ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار   ہوئی آئینہ مضموں کی دو چنداں صیقل
روئے معنی ہے بہکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف   تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن   ہاتھ میں جام زحل شیشہ ہے زیر بغل
گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں   کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں   خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل
تار باران مسلسل ہے ملائک کا درود   پئے تسبیح خداوند جہاں عزوجل
کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں   کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل
کہیں جبریل حکومت پہ کہیں اسرافیل   کہیں رضواں کا کہیں ساقی کوثر کا عمل
کنز مخفی کے کسی سمت نہاں تہ خانے   اک طرف مظہر قدرت کے عیاں شیش محل
عاشق جلوہ طلبگار کہیں چشم قبول   ناز معشوق کے پردے میں کہیں حسن عمل
گل بیرنگی مطلق سے لہکتے گلزار   بے نیازی کے ریاحیں سے مہکتے جنگل
باغ تنزیہہ میں سرسبز نہال تشبیہ   انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کوپل
گل خوش رنگ رسول مدنی عربی   زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر   نہ کوئی اُس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر   بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو   شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول
مرجع روح امیں زیب دہ عرش بریں   حامی دین متیں ناسخ ادیان و ملل
ہفت اقلیم ولایت میں شہ عالی جاہ   چار اطراف ہدایت میں نبی مرسل
جی میں آتا ہے لکھوں مصرع برجستہ اگر   وجد میں آ کے قلم ہاتھ سے جائے نہ اُچھل
منتخب نسخہ وحدت کا یہ تھا روز ازل   کہ نہ احمدؐ کا ہے ثانی نہ احد کا اول
دور خورشید کی بھی حشر میں ہو جائے گی صبح   تا ابد دور محمدؐ کا ہے روز اول

صاف آمادۂ پرواز ہے شاما کی طرح   پر لگائے ہوئے مژگان صنم سے کاجل
خندہ ہائے گل قالیں سے ہوا شور نشور   کیا عجب ہے جو پریشان ہے خواب مخمل
شاخ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار   نونہالان گلستان کو سنائے یہ غزل

غزل

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل   تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل
سمت کاشی سے گیا جانب متھرا بادل   برج میں آج سری کرشن ہے کالا بادل
خوب چھایا ہے سرگوکل و متھرا بادل   رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل
شاہد گل کا لئے ساتھ ہے ڈولہ بادل   برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل
سطح افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی   روپ بجلی کا سنہرا ہے رو پہلا بادل
چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے   سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل
جب تلک برج میں جمنا ہے یہ کھلنے کا نہیں   ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل
بجلی دو چار قدم چل کے نہ رک جائے کیوں   وہ اندھیرا ہے کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل
چشمہ مہر ہے عکس زرگل سے دریا   پرتو برق سے ہے سونے کا بجرا بادل
میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش و خروش   کسی بیدرد کو دکھلائے کرشمہ بادل
دل بیتاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی   چشم پر آب کا ہے ایک کرشمہ بادل
طپش دل کا اڑایا ہوا نقشہ بجلی   چشم پر آب کا دھویا ہوا خاکہ بادل
اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے   میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقا بادل
کچھ ہنسی کھیل نہیں، جوشش گریہ کا ضبط   یہ مرا دل ہے یہ میرا ہے کلیجا بادل
جام عمر فلک پیر ہوا ہے لبریز   لئے آتا ہے جنازہ دیئے کاندھا بادل
راجہ اندر ہے پری خانہ مے کا پانی   نغمہ نے کا سری کرشن کنھیا بادل
جوش پر رحمت باری ہے چڑھاؤ خم مے   خشمک برق سے کرتا ہے اشارا بادل
پھر چلا خامہ قصیدہ کی طرف بعد غزل   کہ ہے چکر میں سخن گو کا دماغ مختل
باغ میں ابر یہ مست چڑھا کر آیا   جام خورشید مع میکدۂ برج حمل
چشم میکش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب   پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل
جام بے بادہ سے کہتے ہیں کہ رندوں کو نہ چھیڑ   دست بے جام سے کہتے ہیں کلیجوں کو نہ مل
گوہر دل کو بڑی سنگ دلی سے پیسا   کشتی مے کو بنایا مرے ساقی نے کھرل
کیسی افسردگی کیا بات ہے مرجھانے کی   غنچہ کہتا ہے لجالو سے کہ گلشن سے نکل
سیر میں دشت کے معروف ہے جو پاؤں ہے لنگ   شغل میں چاک گریباں کی جو ہاتھ ہے شل

شب اسریٰ سے تجلی میں رخ انور کی　　پڑ گئی گردن رف رف میں سنہری ہیکل
سجدۂ شکر میں ہے ناصیہ عرش بریں　　خاک سے پائے مقدس کی لگا کر صندل
افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب　　اولیت پہ تری متفق ادیان و ملل
لطف سے تیرے ہوئی شوکت ایماں محکم　　قہر سے سلطنت کفر ہوئی مستاصل
مبحث جاہ میں اعلیٰ کے ہیں معنی ادنیٰ　　مصرف جود میں اکثر کا مرادف ہے اقل
شانہ حضرت کا ہے تشدید دولام واللیل　　صاد مازاغ بصر سرمہ چشم اکمل
تیری تشبیہ کا ہے آئینہ خانہ تنزیہہ　　شان بیرنگی مطلق ہے تجھے رنگ محل
ہے حقیقت کو مجاز آپ کو حیرت کا مقام　　بے نیازی کو نیاز آپ کا نازش کا محل
ہو سکا ہے کہیں محبوب خدا غیر خدا　　اک ذرا دیکھ سمجھ کر مری چشم احول
رفع ہونے کا نہ تھا وحدت و کثرت کا خلاف　　میم احمدؐ نے کیا آکے یہ قصہ فیصل
نظر آئے مجھے احمدؐ میں اگر دال دوئی　　روز محشر ہوں الٰہی میری آنکھیں احول
پھر اسی طرز کی مشتاق ہے مواجی طبع　　کہ ہے اس بحر میں اک قافیہ اچھا بادل
کیا جھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل　　سجدے کرتا ہے سوئے یثرب و بطحا بادل
چھوڑ کر میکدۂ ہند صنم خانہ برج　　آج کعبہ میں بچھائے ہے مصلا بادل
سبزۂ چراخ کو اندھیاری لگا کر لایا　　شہسوار عربیؐ کے لئے کالا بادل
بحر امکاں میں رسولؐ عربیؐ در یتیم　　رحمت خاص خداوند تعالیٰ بادل
قبلہ اہل نظر کعبہ ابروئے حضورؐ　　موئے سر قبلہ کو گھیرے ہوئے کالا بادل
رشک سے شعلہ رخسار کے روتی ہے برق　　برق کے منہ پہ ہے رکھے ہوئے پلا بادل
دور پہنچی لب جاں بخش نبیؐ کی شہرت　　سن ذرا کہتے ہیں کیا حضرت عیسیٰ بادل
چشم انصاف سے دیکھ آپ کے دندان شریف　　در یکتا ہے ترا گرچہ یگا نہ بادل
تھا بندھا تار فرشتوں کا در اقدس پر　　شب معراج میں تھا عرش معلیٰ بادل
آمدورفت میں تھا ہمقدم برق براق　　مرغ زار چمن عالم بالا بادل
دین اسلام تری تیغ دودم سے چمکا　　تھا تری عام رسالت کا گرجتا بادل
آستانے کا ترے دہر میں یہ رتبہ ہے　　کہ جو نکلا تو جھکائے ہوئے کاندھال بادل
تیغ میدان شجاعت میں چمکتی بجلی　　ہاتھ گلزار سخاوت میں برستا بادل
محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر　　کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل　　میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

دعائیہ

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی　　نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے　　صرف تیرا ہو بھروسہ، تری قوت، ترا بل
ہو میرا ریشۂ امید وہ نخل سرسبز　　جس کی ہر شاخ میں ہوں پھول، ہراک پھول میں پھل
آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تادم مرگ　　شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
نام احمدؐ بزباں سر بلا میم بصدر　　لب پہ ہو صل علیٰ دل میں مرے عزوجل
روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل　　کہ مری جان، مدینے کو جو چلتی ہے تو چل
دم مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا مری　　فکر فردا کی نہ کر، دیکھ لیا جائے گا کل
یاد آئینہ رخسار سے حیرت ہو مجھے　　گوشہ قبر نظر آئے مجھے شیش محل
میزباں بن کے نکیرین کہیں گھر ہے ترا　　نہ اٹھانا کوئی تکلیف، نہ ہونا بے کل
رخ انور کا ترے دھیان رہے بعد فنا　　میرے ہمراہ چلے راہ عدم میں مشعل
حذف ہوں میرے گناہان ثقیل اور خفیف　　آئیں میزاں میں جب افعال صحیح و معتل
میری شامت سے ہو آراستہ گیسوئے سیاہ　　عارض شاہد محشر ہو اگر حسن عمل
صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح　　ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل" اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ　　سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

مولانا محسن کاکوروی کی مندرجہ بالا نظم یا قصیدہ اوپر کل کا کل درج کر دیا گیا ہے اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ اب اس نوع کا فصیح و بلیغ کلام ہماری دسترس سے باہر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ''کلیات محسنؔ'' ہندوستان میں تقریباً نایاب ہے اور جو ہے بھی وہ ان کے نبیرہ جناب طاہر محسن صاحب کی ملک ہیں جہاں ہر ادیب اور نقاد کی پہنچ نہیں اس لئے راقم الحروف نے تو قصیدہ ہذا کو بطور تبرک سمجھ کر اپنا موضوع مضمون بنایا ہے تاکہ ہر خاص و عام تک اس خاص نمبر کے ذریعہ پہنچ سکے اور قاری مضمون کے اختتام پر ایک سورۂ فاتحہ مرحوم کو بخش دے۔

دوسرے یہ کہ اہل فن سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ زیر نظر قصیدہ میں شاعر نے کس درجہ کاوش کی ہوگی جس میں اس نے فن شعر کے جتنے بھی لوازمات ہیں انہیں کس فنی باریکی سے جگہ جگہ برتا ہے یعنی استعارات و تشبیہات، کنایہ و تلمیحات، علم بدیع کے تمام اجزاء، حسن تعلیل وغیرہ سے مرصع نیز فصیح و بلیغ بنا دیا ہے جس سے شاعر کی قادر الکلامی اور استادی مسلم الثبوت ہوگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محسن اپنے عہد کے ان مایہ ناز اساتذہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنی منفرد شخصیت اور فنی عظمت کا لوہا منوالیا تھا۔

بالآخر یہ مدیح خیر المرسلین جو خود بھی پیکر خلق اور خیر مجسم تھا کا اسی سال کی عمر پا کر 1323ھ میں اس دنیا سے شاد کام ہو گیا جس کا تاریخ ابیات اردو میں ایک بلند مقام ہے اور آخرت میں بھی مقام ارفع کا حامل جس کی

شہادت مادۂ تاریخ وفات سے ہوتی ہے جو کلام پاک کی آیت ہے۔

انه فی الاخرة لمن الصالحین ط

1223ھ

سردار اختر بانو

محسنؔ کاکوروی کے قصائد میں نعتیہ رنگ

اردو شاعری میں نعت گوئی کی ابتداء امیرؔ مینائی سے ہوئی اور امیرؔ مینائی نے ''فن نعت گوئی'' کو اپنی نعتیہ شاعری میں خلوص وعقیدت کے ساتھ برتا۔ اور اس فن کو اردو شاعری میں ایک قابل قدر منصب عطا کیا۔ امیر مینائی کے بعد نعت گوئی کا رنگ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ ہمارے شعراء نے اس فن پر سیر حاصل توجہ نہیں دی۔ اگر نعتیہ شاعری کو محسنؔ کاکوروی کا سہارا نہ ملتا تو یہ فن تشنہ تکمیل ہی رہ جاتا۔ امیر مینائی نے نعتیہ شاعری کو جس موڑ پر چھوڑا تھا۔ محسنؔ کاکوروی نے اسی موڑ سے نعتیہ شاعری کو سنبھالا دیا اور اس کی عظمت کا پرچم بلند کیا۔ محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ شاعری کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے محسنؔ کاکوروی نعتیہ شاعری کو بام عروج پر پہنچانے کیلئے ہی پیدا کئے گئے تھے۔ اسی لئے محسنؔ کاکوروی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''نعت گوئی تو سب کے لئے ہے مگر محسنؔ کاکوروی نعت گوئی کے لئے ہیں''۔ محسنؔ خود بھی اس بات سے آگاہ تھے وہ خود اپنے لئے کہتے ہیں۔

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعتیں محسنؔ — کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لئے
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی — نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ رباعی نہ غزل
آرزو ہے کہ رہے دھیان تیرا تادم مرگ — شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

خدائے بزرگ وبرتر کی وحدانیت میں گم اور عشق رسول ﷺ میں سرشار ہو کر محسنؔ کاکوروی کی لخت لخت شخصیت مربوط ہوگئی اور ان کی خودنگری خود آگہی میں ڈھل گئی۔ نعتیہ شاعری میں عقیدت ومحبت کے پھول کھلانے کے بعد جب وہ قصیدے کی طرف رجوع ہوئے تو یہاں بھی اپنی ''افتاد طبع'' سے مجبور رہے۔ نعتیہ رنگ ان کی شخصیت اور طبیعت کا ایک جزو خاص بن گیا تھا جب انہوں نے قصائد لکھنے شروع کئے تو اسی نعتیہ رنگ کو برقرار رکھا۔ محسنؔ کاکوروی ان چند گنے چنے قصیدہ گو شعراء میں سے ایک ہیں۔ جنہوں نے ''صنف قصیدہ'' میں قابل قدر اضافے کئے۔ اردو قصائد کی تاریخ میں محسنؔ کاکوروی کے قصائد اپنا انفرادی آہنگ واسلوب لئے الگ سے پہچانے جاسکتے ہیں۔ محسنؔ کاکوروی کے علاوہ بہت سے مشہور ومعروف قصیدہ گو شعراء نے اپنے قصائد میں نعتیہ رنگ کو اپنایا مگر وہ انداز وہ مدح اور وہ مقام نہ پیدا کر سکے جو محسنؔ کاکوروی کو نعتیہ قصائد کہنے پر نصیب ہوا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محسنؔ کاکوروی کا دل محبت سے سرشار تھا اور دیگر قصیدہ گو شعراء کے دل مذہبی جذبات سے عاری تھے اس کے

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

علاوہ محسنؔ کاکوروی نے اپنے نعتیہ قصائد میں دیگر قصیدہ گو شعراء کی طرح بوجھل تراکیب پر پیچ استعاروں اور قافیوں پُرشکوہ الفاظ کی بیساکھیوں کا سہارا نہیں لیا۔ بلکہ انہوں نے جو کچھ بھی کہا سچائی سے کہا اور سچائی کی روشنی میں ہی حقیقت و معرفت کے جلوے دیکھے۔ سادہ دلکش و مانوس لب و لہجے کے ساتھ قصائد میں نعتیہ شاعری کو برتا مثلاً ان کے نعتیہ قصائد کے یہ چند بولتے ہوئے اشعار دیکھئے۔

پھر بہار آئی کہ ہونے لگا صحرا گلشن — غنچہ سے نام خدا نافہ آ ہوئے فتن
فیضِ تاثیر ہوا ہے کہ ہوا جاتا ہے — روکشِ باغ خلیل اب کے سراپا گلشن
رشکِ شمشاد آگاہ کرتے ہیں نخل قیامت — سروِ گلزار زمیں پہ ہوا سایہ افگن

توصیف

جس کی توصیف میں خود خامہ نقاشی ازل — لکھ چکا مطلع ایجاد بوجہ احسن
اے محمد ﷺ ہے بلاشک وہ تیری ذاتِ حسن — جس کی توصیف میں عالم کی زباں ہے الکن

گریز

پیشوائے رسول ﷺ سیدِ نسلِ آدم — جلوۂ حضرتِ حق نور مجسم تن

یہ اشعار زبان و بیان کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ انتہائی خوبصورت و سادہ ہیں بلکہ نزاکت، شعری اور معنی کا حسین گلدستہ ہیں۔ رشک شمشاد، نخل قامت، سرو گلزار جیسی خوبصورت مگر مانوس تراکیب نے ان شعروں میں جاذب نظر دلکشی و ندرت پیدا کردی ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ مبالغہ کی سرحد تعبیر نہیں کرتے جو اردو قصیدے کا خاص جزو ہے اسی طرح محسنؔ کاکوروی کی ایک بے مثال مثنوی "صبح تجلی ہے" یہ بے مثال مثنوی قصیدے کا بھرپور رنگ لئے ہوئے ہے جب ہم مثنوی کو پڑھتے ہیں تو ہمیں محسنؔ کاکوروی کی بے مثال صلاحیتوں کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اس مثنوی میں رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر انتہائی مؤثر پیرائے میں بیان ہوا ہے۔ پوری مثنوی پر تقدس و احترام کے جذبات اپنا سایہ کئے ہوئے ہیں۔ مختلف قرآنی آیات مثنوی کا جزو خاص بن گئی ہیں اور ہر شعر منہ بولتی تصویر کی طرح خود بخود مخاطب ہونے لگتا ہے۔

آثار سحر ہوئے نمایاں — سی پارہ لئے ہوئے ہے دوراں
واللیل کو ختم کر چکا ہے — امادۂ دور والضحیٰ ہے
عنوان فلک ہے دُرِ منثور — لوح زریں سورۂ نور
اطراف بیاض مطلع صاف — والفجر کے حاشیہ پہ کشاف
ہر دشت ہے مثل دشت ایمن — ہر کوہ برنگ طور روشن

ان اشعار میں محسنؔ کاکوروی نے جہاں رسول اکرم ﷺ کے مرتبے کا لحاظ رکھا ہے وہاں ان کی ذات بابرکات اور ان کی شان کے مطابق الفاظ استعمال کئے ہیں۔ والفجر، واللیل لوح زریں، سورۂ نور، دور والضحیٰ سی پارہ ہر چند قرآنی تراکیب ہیں مگر اردو الفاظ کے ساتھ استعمال ہو کر اردو کا ہی ایک حصہ بن گئی ہیں۔ اسی طرح محسنؔ کاکوروی

کا ہر نعتیہ قصیدہ انفرادیت اور دلکشی لئے ہوئے ہے۔ وہ انفرادیت اور دلکشی جو دیگر قصیدہ گو شعراء کے نعتیہ قصائد میں مفقود ہے ذرا اسی قصیدے کے یہ نعتیہ اشعار دیکھئے۔ یہ نعتیہ قصیدہ اس ذاتِ بابرکات کی مدح میں ہے۔ جو خالق کل اور مالک دو جہاں ہے جس کے سوا کوئی تعریف و توصیف کے لائق نہیں محسنؔ نے بندوں کی جھوٹی مدح سے ہمیشہ گریز کیا اور صرف خدائے بزرگ و برتر اور رسول اکرم ﷺ کی مدح میں قصائد لکھے۔ اس سچی اور حقیقی مداحی پر محسنؔ کو اس مالک حقیقی کی ایماں افروز برکتوں نے صاحب دل و صاحب غنی اور صاحب جاہ و ثروت بنا دیا۔

مٹانا لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا — دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا
مے انگوری الفقر فخری کی حلال اس نے — لڑا ہے جام جم سے سنگِ مقصود اس کے مقصد کا
ہوئی شام آفتاب بت پرستی پر زوال آیا — مہ نو خوب چمکا بدر میں تیغ محمد ﷺ کا
فلک اب کوکبِ ذُمدار کی جھاڑو اٹھا رکھے — ملائک ڈھونڈتے پھرتے ہیں سرمہ خاک مرقد کا
خدا نے زیب و زینت کی جو بزم آفرینش کی — دکھایا قد آدم آئینہ اس نے تیرے قد کا
سوا تیرے کسی کی مدح کرنا جس کا شیوہ ہے — یہ سچ ہے وہ لئے پھرتا ہے جھوٹا قفل ابجد کا

فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں دیوانِ محشر میں
جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمد ﷺ کا

محسنؔ کاکوروی کے قصائد میں نہ صرف یہ کہ صناعی و معنی آفرینی ہے بلکہ صنائع و بدائع کا خوبصورت استعمال، لفظ رعایتوں کی افراط نرالی تشبیب اور انوکھا انداز بیان بھی ملتا ہے۔ استعارات، تلازمات، ومرآۃ النظیر سے ان قصائد کا لطف اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ کہ قاری محسنؔ کاکوروی کے قصائد کو پڑھ کر جھومنے لگتا ہے اور اسے ان قصائد سے وابستگی اور لگاؤ ہو جاتا ہے۔ محسنؔ کاکوروی کا ایک لامیہ قصیدہ جو دوسرے قصیدہ گو شعراء کے ہم طرح قصائد میں سے ہے۔ ایک بے مثال اور اپنے رنگ کا انفرادی قصیدہ ہے یہ قصیدہ محسنؔ کاکوروی کے تمام نعتیہ قصائد میں سب سے زیادہ مشہور ہے اور "مدیح الرسلمین" کے نام سے ہے۔ یہ قصیدہ اردو قصائد کے چند اچھے قصائد میں سے ایک ہے۔ پورا قصیدہ حقائق کے پرنور اور خوبصورت منظر نگاری سے سجا ہوا ہے۔ مضامین کی بلند پروازی اور الفاظ کی سادگی اس قصیدہ کی جان ہے۔ علاوہ ازیں یہ قصیدہ اسلامی تصوف اور ہندی تخیل کا عظیم سنگم ہے۔ اس قصیدہ کی تشبیب اتنی پرکیف اور عمدہ ہے کہ سودا اور ذوق کے قصائد کی تشبیب ماند ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی — ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
جانب قبلہ ہوئی ابر سیہ کی یورش — کہیں پھر کعبہ پہ قبضہ نہ کریں لات و ہبل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوگل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

صاف آمادہ پرواز ہے شیاماں کی طرح
پر نکالے ہوئے مژگانِ صنم سے کاجل

قصیدے کے ہر مصرعے کی اٹھان کا یہ عالم ہے جیسے واقعی ساری دنیا پر ہر طرف بادل چھا گئے ہوں پھر یہ بادل کے قافیوں میں لمبی لمبی غزلیں حسب حال ہیں درمیان میں مطلعوں کی آمد' گریز کا نکھار اور سجاؤ ایک دلربا انداز لئے ہوئے ہے۔

ہے سخن گو کو نہ انشاء کی نہ املا کی خبر
ہو گئی نظم کی انشاء و خبر سب مہمل

کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر
گھاگرا پر کبھی گذرا کبھی سوئے چمل

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار
ہوئی آئینۂ مضموں کی دو چنداں صیقل

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھے پاؤں
کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل

یعنی اس نور کہ میدان میں پہنچا کہ جہاں
خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل

تار باران مسلسل سے ملائک کا ورود
لئے تسبیح خداوند جہاں عزوجل......

کہیں طوبیٰ کہیں کوثر' کہیں فردوس بریں
کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل

گل خوش رنگ رسول ﷺ مدنی و عربی
زیب دامانِ ابدٗ طرۂ دستارِ ازل

مئے خوش رنگ محبت اور کیف بے رنگ الفت کی معموری اس قصیدہ میں ایمان اور حقیقت بن کر آتی ہے اور پھر اسی کیف ولذت میں محسن کاکوروی خود بھی سرشار ہو جاتے ہیں۔

محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

کہیں جبریلؑ اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اس قصیدے کی ہندی فضا اور الفاظ استعمال ہونے پر کچھ ناعاقبت اندیش شدید معترض ہوئے یہ لوگ اس بے مثال قصیدے کی گہرائی وباریک بینی تک نہ پہنچ سکے۔ اعتراض برائے اعتراض کا سلسلہ چل نکلا۔ امیر الشعراء امیر مینائی نے ان معترضین کے اعتراض کا بڑی خوبصورتی سے جواب دیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدۂ نعت میں متھرا' گوکل اور کنھیا کا ذکر بے محل ہے لہٰذا دفع ودخل کیا جاتا ہے کہ نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصطلاح شعراء میں مضامین عشقیہ کا بیان ہونا۔ اساتذہ و حقیقت شناسان تشبیب وقصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ اس مناسبت کی قید ہے کہ حمد ونعت ومنقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اسی کی رعایت رہے۔ اس قصیدے کی تشبیب میں ایسے ہی مضامین لکھے ہیں۔ عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجہ ہر دو عالم ﷺ کے حضور میں

قصیدہ بانت سعاد جس کی تشبیب مشروع نہیں ہے پڑھا گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔ محسن کاکوروی نے معترضین کے اعتراض کا خود بھی جواب دیا۔ لکھتے ہیں۔

گو قصیدے سے جدا ابر بہار تشبیب
فکر کے تازہ وتر کرنے کو ہے مستعمل

مختلف ہوتے ہیں مضموں کہیں عشق اور کہیں حسن
کہیں نغمہ ہے کہیں مئے کہیں پھول اور کہیں پھل

جیسا لکھا ہے امیر الشعراء نے دم طبع
اس کی پیشانی پہ دیباچہ ہے ماقل و دل

تاہم اک لطف ہے خاص اُس میں جو دانا سمجھے
کہ سخن اور سخن گو کو ہے نازش کا محل

پڑھ کے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز
رجعت کفر بہ ایمان کا کرے مسئلہ حل

کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر
شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل

چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ
نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل

ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طولِ سخن
مگر ایمان کی کہیے تو اسی کا تھا محل

کفر وظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا
مئے ونغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل

ق

مدعا یہ ہے کہ رندوں کی سیہ بختی سے
ظلمت کفر کا جب دھر میں چھایا بادل

ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کے لئے
سیف مسلول خدا نور نبی مُرسل

مہر توحید کی ضو اَوجِ شرف کا مہہِ نو
شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول

حقیقت یہ ہے کہ واقعی اس قصیدے کو کچھ لوگوں نے غلط مفہوم پہنایا۔ حالانکہ محسن اپنے قصیدے میں اس رخ کی طرف واضح اشارہ کر رہے ہیں جب تمام دنیا پر شرک وکفر کی ظلمت چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا ایسے میں شرک کا قلع قمع کرنے اور خالص توحید کی تعلیم دینے کے لئے ہوا کا رخ کاشی سے متھرا کی جانب پھرا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تاکہ آپ شرک اور ظلمت کو مٹا کر بندگان خدا کو توحید کی تعلیم دیں اور آب زمزم کے چھینٹوں سے توحید کی روشنی پھیلائیں ہوا بادل کے دوش پر بجلی کی چمک اور لپک کے ساتھ متبرک پانی متھرا کی طرف لا رہی ہے تاکہ توحید کی روشنی تمام دنیا میں پھیل جائے بہر حال اہل علم و فن کی نظر میں یہ قصیدہ ایک شاہکار ہے جسے محسن کاکوروی کے جذبۂ صادق اور ایمان افروز سچائی نے جنم دیا ہے محسن کاکوروی نے ہرچند کہ زیادہ قصائد نہیں لکھے مگر ان کے یہ چند قصائد اردو قصیدہ گوئی کی تاریخ میں ایک انفرادی مقام رکھتے ہیں۔

نعتیہ ادب کی اہم اور قابلِ توجہ کتابیں

نعت اور تنقیدِ نعت
ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی
قیمت: ۱۵۰ روپے

اردو نعت اور جدید اسالیب
عزیز احسن
قیمت: ۱۲۰ روپے

نعت کی تخلیقی سچائیاں
عزیز احسن
قیمت: ۱۵۰ روپے

اردو میں حمد و مناجات
ڈاکٹر یحییٰ نشیط
قیمت: ۱۵۰ روپے

نعت اور آدابِ نعت
مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی
قیمت: ۸۱ روپے

اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

رابطہ: اکادمی بازیافت،

نعت ریسرچ سینٹر

نعت کے ادبی فروغ اور تحقیقی ضرورتوں کے پیشِ نظر کراچی میں "نعت ریسرچ سینٹر" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس ادارے کے ذریعے ہم نعت شناسی اور نعت فہمی کا جذبہ بیدار کرنے اور فروغِ نعت کے لیے درج ذیل منصوبوں پر کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں:

۱۔ حمد و نعت پر اب تک تمام زبانوں میں شائع ہونے والے تخلیقی، تحقیقی، تنقیدی اور تدوینی نوعیت کے کاموں کو یکجا کیا جائے گا جس میں غیر مطبوعہ دواوین، مقالے اور کتابیں بھی شامل ہوں گی۔

۲۔ حمد و نعت کے مختلف ترقیاتی کورسز، سیمینار، مقابلے، مباحثے، مشاعرے اور محافل منعقد کی جائیں گی۔

۳۔ کتب حمد و نعت بالخصوص تحقیقی مقالوں کی اشاعت کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ ان کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا اور انھیں اشاعت کے بعد دنیا کے اہم تعلیمی اداروں اور لائبریریوں میں بھیجا جائے گا۔

۴۔ حمد و نعت کے حوالے سے نمایاں تحقیقی اور تنقیدی کتابوں پر ایوارڈ پیش کیے جائیں گے۔ علاوہ ازیں سال کے بہترین حمدیہ/نعتیہ مجموعوں پر ایوارڈ دیے جائیں گے۔

۵۔ حمد و نعت کی آڈیو، ویڈیو لائبریری قائم کی جائے گی۔

۶۔ نعت گو شعرا اور نعت خوانوں کے تذکروں کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا تاکہ نعت گوئی اور نعت خوانی کے سفر کا عہد بہ عہد جائزہ لیا جاسکے۔

۷۔ اہم اور ممتاز نعت گو شعرا پر مقالے اور کتابیں لکھوائی جائیں گی تاکہ تاریخِ ادب میں ان کے کارناموں کی دستاویز مرتب ہوسکے۔

ہمیں اس عظیم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

خط و کتابت کے لیے
اقلیمِ نعت
E-201, Saima Avenue, Sector 14-B, Shadman Town No.2
North Karachi, Pakistan. Ph: 92-21-6901212 Fax: 2571888
Mob: 0300-2122977
e-mail: naatrang@yahoo.com
e-mail: sabeehrehmani@hotmail.com